

تذکرہ
مُصنِّفینِ دُرُسِ نظامی

تالیف
اختر راہی

لہر دو چینل

www.urduchannel.in

مکتبہ رحمانیہ
۱۸- اردو بازار لاہور
انوار غزالی فریڈ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یادگاہِ مصنفینِ نظامی

مؤلف

پروفیسر اختر احمق

اقرام سنڈرو بازار لاہور
— اردو بازار —

مکتبہ رحمانیہ

(جلد حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

ناشر :- مکتبہ رحمانیہ - اردو بازار - لاہور

طابع :- مقبول الرحمن

مطبع :-

سال اشاعت : ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

تعداد :- ایک ہزار

قیمت :-

مطبوعہ : لائل سنار پونٹون



مؤلف کتاب

علمی نام : اختر راہی
اصل نام : سفیر اختر
ولادت : ۲۶ نومبر ۱۹۴۷ء (لومہر ٹرسرفو- واہ کینٹ)
تعلیم : ایم اے (سیاسیات) ۱۹۶۹ء
ایم اے (تاریخ) ۱۹۷۰ء
مصروفیت : استاد شعبہ تاریخ گورنمنٹ کالج بمری
تصنیفات و تالیفات :-

- ۱- مسعود عالم ندوی (سوانح و مکتوبات) ۱۹۷۵ء
- ۲- تذکرہ مصنفین درس نظامی جون ۱۹۷۵ء (طبع اول)
- ۳- اقبال - تیبہ سلیمان ندوی کی نظر میں ۱۹۷۸ء
- ۴- مکتوبات صدر پارہ جنگ (زیر طبع)
- ۵- نظم معنوی (ترتیب و تدوین) (۷۰)

فہرست مطالب

صفحہ	مضمون
۹	عرض ناشر
۱۰	افتتاحیہ — حافظ نذرا احمد
۱۱	حرف آغاز
۱۳	نظام الدین محمد سہالوی
۱۸	درس نظامی
	مصنفین و مؤلفین درس نظامی
۲۲	ابنِ حاجب
۲۷	ابن حجر عسقلانی
۳۶	ابن ماجہ
۳۳	ابو تمام جبیب
۳۵	ابو جیان نحوی
۳۸	ابوداؤد سجستانی
۴۱	اشیر الدین ابہری
۴۲	احمد بن حسین الکندی
۴۴	احمد بن شعیب نسائی
۴۹	احمد بن علی
۵۰	احمد جیون

صفحہ	مضمون
۵۵	احمد طحاوی
۵۹	احمد بن محمد قدوری
۶۱	احمد بن محمد تقی بمینی شروانی
۶۵	احمد بن موسیٰ، خیالی
۶۶	اسحاق بن ابراہیم
۶۸	اعزاز علی دیوبندی
۷۲	امام الدین الریاضی
۷۴	برہان الدین علی مرغینانی
۷۷	بہاء الدین عالی
۸۰	چار اللہ زحشری
۸۳	جلال الدین دوانی
۹۰	جلال الدین محلی
۹۱	حسام الدین محمد
۹۲	حسن بن عمار الشربلالی
۹۳	حسین میبندی یزدی
۹۵	حسین بن عبداللہ لوقانی
۹۶	حمد اللہ سندیلوی
۹۸	حمید الدین
۱۰۰	سدید الدین کاشغری
۱۰۱	سراج الدین سجاوندی

صفحہ	مضمون
۱۰۲	سعد الدین تفتازانی
۱۰۸	بتیہ شریف جرجانی
۱۱۶	صفی الدین ردو لوی
۱۱۸	عبدالحق خیر آبادی
۱۲۲	عبدالرحمان جامی
۱۲۹	عبدالرحمان جلال الدین سیوطی
۱۳۵	عبدالرشید دیوان
۱۳۸	عبدالحکیم سیالکوٹی
۱۴۶	عبدعلی محمد بحر العلوم
۱۵۳	عبدالغفور لاری
۱۵۵	عبدالقادر جرجانی
۱۵۶	عبدالوہاب بن ابراہیم زنجانی
۱۵۷	عبداللہ نسفی
۱۶۰	عبداللہ یزدی
۱۶۱	عبداللہ بن عمر بیضادی
۱۶۶	عبید اللہ بن مسعود
۱۶۸	عبدالذین البیہقی
۱۷۱	علی اکبر الہ آبادی
۱۷۳	عمر بن محمد - نجم النسفی
۱۷۷	عنایت احمد کاکوڑی

صفحہ	مضمون
۱۸۵	فخر الدین زرادوی
۱۹۱	فضل امام خیر آبادی
۱۹۶	فضل حق خیر آبادی
۲۰۴	قاسم بن علی المحریبی
۲۰۶	قطب الدین رازی
۲۰۹	لطفت اللہ نسفی
۲۱۰	محب اللہ بہاری
۲۱۵	محمد بن ابراہیم - صدر الدین شیرازی
۲۱۸	محمد بن اسماعیل بخاری
۲۲۲	محمد بن یحییٰ ترمذی
۲۲۵	محمد احسن نانوتوی
۲۳۰	میر محمد باقر داماد
۲۳۲	محمد حسن فرنگی علی
۲۳۴	میر محمد زاہد ہروی
۲۳۸	قاضی محمد مبارک گویا پوری
۲۴۲	محمد جوہر پوری
۲۴۷	مسلم بن حجاج
۲۵۱	موسیٰ پاشا رومی
۲۵۳	نصیر الدین طوسی
۲۶۲	ولی الدین عراقی

صفحہ	مضمون
۲۴۳	ولی اللہ دہلوی
۲۴۷	یوسف بن ابی بکر، سکاکی
۲۴۹	مؤلف "پنج گنج" و "میزان الصرف"
۲۷۱	<u>کتابیات</u>

عرض ناشر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مکتبہ رحمانیہ لاہور نے چند سال کے
عرصہ میں دین و ادب کی اشاعت و ترویج کے لئے جو کوششیں کی ہیں
ملک کے عوام و خواص نے انہیں قبولیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ اشاعتی
سلسلہ کا آغاز مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی کی تصنیف "اخلاق اور فلسفہ اخلاق"
سے کیا گیا تھا۔ اس کے بعد حدیث رسول کے معروف و متداول انتخاب
"مشکوٰۃ المصابیح اور شاہ عبدالقادر جیلانی" کی ایک اہم کتاب "غنیۃ الطالبین"
کے اردو ترجمے شائع ہوئے۔ اب مدارس عربیہ کے طلبہ کی ایک اہم
ضرورت "تذکرہ مصنفین و ریس نظامی" پیش کیا جا رہا ہے۔
یہ نظر اشاعت میں فاضل مولف نے کافی اضافے کئے ہیں۔ اور سجا
طور پر نقش ثانی، نقش اول سے بدرجہا بہتر ہے۔
کتاب کو معنوی خوبیوں کے ساتھ صورتی طور پر بھی بہتر بنانے
کی کوشش کی گئی ہے۔

مقبول الرحمان عفی عنہ

محمدہ ونصلی علیہ وسلم الکریم

افتتاحیہ

جناب اختر راہی صاحب کی کتاب "تذکرہ مصنفین درس نظامی" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مؤلف شہیر دینی اور علمی حلقوں کی ایک متعارف شخصیت ہیں۔ وہ کسی رسمی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ کے وقیع مضامین بارہا اصحاب فکر و نظر سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ شاذ ہی کوئی ایسا علمی مجلہ ہو گا جس میں راہی صاحب کے بلند پایہ مقالات شائع نہ ہوئے ہوں یا نقل نہ کئے گئے ہوں۔

رہی زیر نظر کتاب تو مشک آنت کہ خود ہوید، نہ کہ عطار بگوید۔ کتاب اور اُس کے مؤلف کے لیے یہ امر واقعی باعثِ صداقت ہے کہ اس موضوع پر پہلی اور واحد کتاب ہے دینی مدارس سے باہر کی دنیا تو ایک طرف رہی خود صاحبانِ درس و تدریس بھی اپنی نصابی کتب کے مصنفین و مؤلفین سے کما حقہ باخبر نہ تھے۔ اختر راہی صاحب نے اس عنوان پر مختلف جرائد میں سلسلہ مضامین شروع کیا اور الحمد للہ خود ہی اپنے موضوع کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

درس نظامی میں شامل شاذ ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جس کے مصنف، مؤلف، مترجم، شارح اور محشی کا تذکرہ، مختصر ہی رہی، اس کتاب میں نہ آگیا ہو، یہ اس عنوان کی پہلی کوشش ہے۔ اس لیے اس کے مکمل ہونے کا ادعا ہرگز نہیں لیکن اولیت کا فخر بہر حال حاصل ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من ریشاء

یکم جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ / ۱۲ جون ۱۹۷۵ء

حرفِ آغاز

مدارسِ دینیہ کے طلبہ نصابی کتب کے کھننے اور یاد کرنے میں جانکاہ محنت کا ثبوت دیتے ہیں۔ مطالبِ کتب اُن کو اذہر ہوتے ہیں مگر اس تمام کمال کے باوجود کسی کتاب کے مؤلف کے بارے میں اُن کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ نصابی کتابوں کے مؤلفین نے اپنے نام کے اظہار اور تعارف کو معیوب خیال کرتے ہوئے سکوت اختیار کیا اور اگر کسی نے اپنے نام کا اظہار کیا بھی ہے تو اس انداز میں "فقیر حقیر فقیر فلاح بن فلاں"۔

موجودہ علمی اور تعلیمی تقاضوں کے پیش نظر کتاب کے ساتھ مؤلف کتاب اور اُس کی علمی و ادبی خدمات سے آگاہ ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ مدارسِ دینیہ کے طلبہ بھی اپنی نصابی کتابوں کے لکھنے والوں سے متعارف ہوں۔ ۱۹۷۰ء میں اس احساس کے پیش نظر اکاڈمیا مضامین لکھنا شروع کئے تھے جو ملک کے معروف جرائد و رسائل میں شائع ہوئے۔ اہل علم نے ان مضامین کی تعریف کر کے حوصلہ افزائی کی اور بعض مضامین نقل و نقل ہوتے رہے۔ مگر مئی حافظ نذراحمہ صاحب مرتبہ "جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان" اور بعض اجاب نے اس سلسلہ کو جلد مکمل کرنے پر آمادہ کیا مگر میں اپنی دوسری مصروفیات میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ ۱۹۷۵ء سے پہلے یہ کام نہ ہو سکا۔ اسی سال مسلم اکادمی (لاہور) نے تذکرہ مصنفین درسِ نظامی کا پہلا ایڈیشن شائع کیا۔

"تذکرہ مصنفین درسِ نظامی" ایک طالب علم کی کوشش تھی لیکن وہی علمی حلقوں

میں سائنس و تعریف کی نظر سے دیکھی گئی۔ رسائل و جرائد نے حوصلہ افزا تبصرے لکھے اور اسے ایک اہم ضرورت کی تکمیل قرار دیا۔ سال ڈیڑھ کے عرصہ میں پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ یہ قبولیت محض اہل علم کی دلچسپی کا نتیجہ ہے ورنہ من انم کہ من دائم۔

کتاب کی ترتیب و تسوید میں بہت سے دوستوں نے کتابے، قدمے، سخنے، تعاون کیا۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ناظم کتب خانہ اور مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے سابق کتاب دار جناب محمد حسین تسیبی صاحب کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں جنہوں نے کتابیں فراہم کرنے میں پورا پورا تعاون کیا۔ خاص طور پر جناب تسیبی کے حسن سلوک اور معلومات افزا گفتگو کے لئے ان کا ممنون ہوں۔ برادر مہد السلام برہانی نے مسودہ صاف کرنے میں مدد دی۔ ان کے تعاون کا بھی شکر گزار ہوں جناب حکیم محمد احمد برکاتی، جناب ماہر القادری اور دوسرے تبصرہ نگاروں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے پہلی اشاعت پر تبصرہ کرتے ہوئے مفید مشوروں سے نوازا۔ زیر نظر اشاعت میں مناسب اضافے کئے گئے اور تسامحات درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاہم اب بھی یہ ایک طالب علم کی کوشش ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ اگر کوئی غلطی دیکھیں تو اطلاع دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

اختر راہی

مری

یکم ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ

نظام الدین محمد سہالوی

برصغیر پاک و ہند کے مدارس عربیہ میں مروج نصابِ تعلیم کو اس کے مرتب مطلقاً نظام الدین محمد سہالوی کی نسبت سے "درسِ نظامی" کہا جاتا ہے۔ مطلقاً نظام الدین محمد کا سلسلہ نسب صحابی رسول حضرت ابویوب انصاریؓ (ش ۵۱ھ) سے ملتا ہے۔ ان کے اسلاف میں ایک صوفی بزرگ شیخ الاسلام خواجہ ابواسماعیل عبدالعزیز بن محمد انصاری (م ۴۸۱ھ) گزرے ہیں جن کا مزار ہرات میں ہے۔ خواجہ صاحب کی اولاد میں سے ایک بزرگ ملا جلال الدین برصغیر میں آئے اور دہلی میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ یہی ملا جلال الدین مرتبِ درسِ نظامی کے جدِ مجدد ہیں۔ بعد میں ملا جلال الدین کی اولاد نے دہلی سے ترکِ سکونت کر کے قصبہ سہالی (ضلع بارہ بنگی) میں رہائش اختیار کر لی۔

ملا نظام الدین محمد سہالوی کے والد ماجد ملا قطب الدین بن عبدالعلیم بلند پایہ عالم تھے۔ وہ تخمیناً ۱۰۴۰ھ میں پیدا ہوئے انہوں نے ملا عبدالسلام ساکن دیوبند (م ۱۰۷۲ھ) کے شاگرد ملا دانیال چوراسی اور شیخ محب اللہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ) کے شاگرد قاضی گھاسی الہ آبادی سے اصولِ فقہ، منطق و فلسفہ اور علمِ کلام کی تعلیم حاصل کی تھی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر ملا قطب الدین نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے ان سے بارہا ملاقات کی خواہش ظاہر کی مگر انہوں نے بادشاہ کے دربار سے دور رہنے کا علم و درس کی ذمیت رہنا پسند کیا۔ قصبہ سہالی میں ان کی کاشت کاری تھی جس پر گزر بسر ہوتی تھی مگر زمینوں کی شراکت کے سلسلہ میں عثمانی برادری کے بعض افراد اور ان کے خاندان میں جھگڑا

ہو گیا۔ جو کسی طرح طے نہ ہو سکا۔ ایک روز عثمانی برادری کے چند افراد نے اُن کے مکان پر شب خون مارا، انھیں قتل کیا اور مکان نذر آتش کر دیا۔ یہ حادثہ ۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ / ۲۷ مارچ ۱۶۹۲ء کو وقوع پذیر ہوا۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ گھر کے سامان کے ساتھ ملا قطب الدین کا حاشیہ شرح عقائد دوانی "بھی جل کر رکھ گیا" ملا قطب الدین کی شہادت پر کسی نے ایک مصرعہ کہا تھا۔ آزاد بلگرامی نے پہلے تین مصرعے لگا کر رباعی بنا دی۔ جو یہ ہے۔

علامتِ محسبہ زارِ خرمِ فضل و ہنر
در دامنِ اربابِ طلبِ رحمتِ گھر
دلِ خون شد و تاریخِ وفاتش فرمود
قطبِ عالم شدہ شہیدِ اکبر

— ۱۱۰۳ھ —

ملا قطب الدین کی مندرجہ ذیل تصنیفات کے نام ملتے ہیں مگر اُن کا کوئی نسخہ کسی معروف کتب خانہ میں نہیں پایا جاتا۔

- ۱۔ حاشیہ شرح عقائد دوانی
- ۲۔ حاشیہ تلویح
- ۳۔ حاشیہ العقائد النعی
- ۴۔ حاشیہ تفریحات بزوی
- ۵۔ حاشیہ مطول
- ۶۔ رسالہ فی تحقیق دار الحرب
- ۷۔ حاشیہ شرح حکمت العین

ملا قطب الدین کے چار بیٹے۔ ملا محمد اسعد۔ ملا محمد سعید، ملا نظام الدین محمد اور ملا محمد رضا تھے۔ ملا محمد سعید نے والد ماجد کی شہادت پر بادشاہ وقت اورنگ زیب

عالمگیر کے سامنے فریاد کی جس نے انہیں سکونت کے لئے لکھنؤ میں فرنگی محل کا علاقہ دے دیا۔ اور ملا قطب الدین کی اولاد نے یہاں رہائش اختیار کر لی۔
ملا قطب الدین کے چاروں بیٹے اپنے والد کے صحیح معنوں میں جانشین تھے انھوں نے اپنے خاندان کی علمی و دینی روایات قائم رکھیں۔ تاہم ان میں شہرت دوام ملا نظام الدین محمد کو حاصل ہوئی۔

ملا نظام الدین محمد، ملا قطب الدین کے تیسرے فرزند تھے وہ ۱۰۸۸ھ/۱۶۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ والد کی شہادت کے بعد امان اللہ بنارسی (م ۱۱۳۳ھ) ملا علی قلی جاسی اور ملا غلام نقشبند (م ۱۱۲۶ھ) سے استفادہ کیا۔ فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ سینکڑوں افراد نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کی مجلس درس کے سامنے علاقہ بھر کی مجالس تدریس مانڈپڑگیں خدام علی آزاد بگرامی نے لکھا ہے۔

”امروز علمائے اکثر قطر ہندوستان نسبت تلمذ یہ مولوی دارند و کلاہ گوشتہ تفاخر می کنند و کہ سلسلہ تلمذ باومی رسانندین الفضلاء علم امتیاز می افزاود و مردم بسیار را دیدہ شد کہ تحصیل جالبتے دیگر کردن برائے اعتبار فافتوح از مولوی گرفتند“

ملا نظام الدین محمد نے حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی دم ۵ شوال ۱۱۳۵ھ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی۔ شاہ عبدالرزاق بانسوی انہیں ان لوگوں میں شمار کرتے تھے جن کے بارے میں ”ان الذین امنوا و عملوا الصالحات“ کے الفاظ آئے ہیں۔ ملا وصوف

کوشاہ عبدالرزاق بانسوی سے خلافت حاصل تھی۔ ملا موصوف علم و فضل اور سحر
 خلاق کامر جمع ہونے کے باوجود سادہ مزاج اور متواضع انسان تھے۔ غرورِ علم سے
 کوسوں دُور تھے۔ یہی سبب ہے کہ اپنے مرتبہ نصاب میں اپنی کوئی کتاب شامل
 نہیں کی۔

۹ جمادی الاول ۱۱۶۱ھ / ۱۷۸۸ء کو درِ گردہ کے عارضہ سے نکلنے میں
 فوت ہوئے اور وہیں دفنانے گئے۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے قطعہ تاریخ کباء

عالم کامل، امام عصر، استادِ جہاں
 طاہرِ روحش بسیرِ جنتِ الماویٰ ثبات
 سالِ تاریخ و فائتِ اولیٰ بطورِ تعمیر
 گفتہ شد ملانظام الدین دلِ فردوس یافت

$$۱۱۶۱ = ۱۱۵۷ + ۴$$

ان کی تاریخ وفات یوں بھی کہی گئی ہے ۶
 از وفاتش بے سرو پا گشتہ اند
 عشق و خیر و فیض و فضل وہم کمال

$$۱۱۶۱ = ۳۰۰ + ۱۰ + ۱۰ + ۸۰۰ + ۴$$

ملا نظام الدین محمد کثیر التعمینت عالم تھے۔ ان کی کتابوں کے بارسے میں

فضلِ امامِ حیر آبادی نے لکھا ہے ۶

”تعمینت، بیار در علوم حکیمہ و اصول
 وارو،“

ان کی تصنیفات یہ ہیں :-

- ۱۔ رسالہ فی وضوء الرسول (حدیث)
- ۲۔ مناقب رزاقیہ (ملفوظات شاہ عبد الرزاق بانسوی، چند بار طبع ہو چکی ہے۔)
- ۳۔ شرح التحریر فی اصول الدین (اصول فقہ) یہ شرح مکمل نہ ہو سکی بعد میں ملا عبد العلی محمد بحر العلوم نے پایہ تکمیل تک پہنچائی۔
- ۴۔ شرح سلم الثبوت (اصول فقہ)
- ۵۔ الصبح الصادق شرح منار الانوار (اصول فقہ)
- ۶۔ حاشیہ علی حاشیہ قدیمیہ علی شرح تجرید دوانی (کلام)
- ۷۔ حاشیہ شرح عقائد دوانی (کلام)
- ۸۔ شرح رسالہ مبارزہ (کلام)
- ۹۔ حاشیہ شمس بازغہ (فلسفہ)
- ۱۰۔ حاشیہ شرح ہدایت، علمت، فلسفہ

درس نظامی

ملا نظام الدین محمد سہالوی کاتب سے بڑا کارنامہ درس نظامی کی ترتیب ہے۔
ان کا ترتیب دیا ہوا نصاب یہ تھا۔

کتاب	فنون
میزان منشعب، صرف میر، بیچ گنج، زبدہ، فصول اکبری، شانیر،	۱- صرف
نخمیر، شرح مائتہ عامل، ہدایۃ النور، کاتب، شرح جامی،	۲- نحو
صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی مع میر قطبی،	۳- منطق
سلم العلوم	
میبذی، صدرا، شمس بازغہ۔	۴- حکمت
خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس مقالہ اول، تشریح الافلاک، رسالہ قدسیہ	۵- ریاضی
شرح چغنی باب اول۔	
مختصر معانی، مطول تا انا قلت۔	۶- بلاغت
شرح وقایہ، ہدایہ اولین، ہدایہ آخرین۔	۷- فقہ
نورالانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت۔	۸- اصول فقہ
شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی، میرزا ہد، شرح موافقت۔	۹- کلام
جلالین، بیضادی۔	۱۰- تفسیر
شکوۃ المصابیح۔	۱۱- حدیث

گزشتہ دو سو سال سے زائد عرصہ میں ملا نظام الدین محمد کے مرتبہ نصاب میں بعض

کتابیں زیادہ کر دی گئی ہیں اور بعض گھٹادی گئی ہیں۔ بعض مدارس میں جدید مصری کتابیں بھی شامل نصاب ہیں لیکن ایسے مدارس کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ فی الحال ان کے متوجہ نصاب کو عام دینی مدارس میں مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ آج کل مدارس عربیہ میں سترہ فنون میں مندرجہ ذیل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

میزان

منشیب حمید الدین کاکوروی (م ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء)

پنج گنج

صرف میر سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء)

علم الصیغہ مفتی عنایت احمد کاکوروی (م ۱۲۶۹ھ /

۱- صرف

۲۸ مارچ ۱۸۶۳ء)

فصول اکبری سید علی اکبر الہ آبادی (م ۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۸ء)

دستور المبتدی صنفی الدین رودولوی (م ۱۳ ذی قعدہ ۸۱۹ھ /

۱۳ فروری ۱۴۱۶ء)

زراوی فخر الدین زراوی (م ۱۳۲۶ھ / ۱۷۲۸ء)

زنجانی عبدالوہاب زنجانی (م ۱۲۵۷ھ / ۱۷۵۵ء)

صرف بیہائی بہاء الدین حامی (م ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۲ء)

مراح الارواح احمد بن علی بن مسعود

تخمیر سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء)

نظم مائتہ عامل عبدالقادر جرجانی (م ۴۷۴ھ / ۱۰۸۱ء)

شرح مائتہ عامل

ہدایۃ النعم البوجیان اندلسی (م ۷۴۵ھ / ۱۳۴۴ء)

۲

کافیہ ابن حاجب (م ۶۲۶ھ / ۱۲۲۹ء)
شرح جامی عبدالرحمان جامی (م ۸۹۸ھ / ۱۴۹۲ء)
تہذیب الکافیہ عبدالحق خیرآبادی (م ۱۳۱۶ھ / ۱۹۰۰ء)
حاشیہ شرح جامی عبدالغفور لاری (م ۱۲۹۲ھ / ۱۵۰۶-۰۷ء)
صغریٰ کبریٰ سید شریف جرجانی (م ۵۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء)

۳ منطق

ابساغومی اشیرالدین ابہری (م ۷۷۵ھ / ۱۳۳۷ء)
مرقات فضل امام خیرآبادی (م ۱۲۲۲ھ / ۱۸۲۹ء)
تہذیب المنطق سعدالدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ / ۱۳۸۹ء)
شرح تہذیب عبداللہ یزدی (م ۷۹۸ھ / ۱۵۷۳-۷۴ء)
سلم العلوم محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷-۰۸ء)
شرح سلم العلوم حمد اللہ حمد اللہ سندیلوی (م ۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء)
شرح سلم العلوم قاضی مبارک سوم (م ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء)
شرح سلم العلوم ملا حسن لکھنوی (م ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴-۸۵ء)
رسالہ میرزاہد میر محمد زاہد ہروی (م ۱۱۰۱ھ / ۱۶۸۹-۹۰ء)

قطبی قطب الدین رازی (م ۷۶۶ھ / ۱۳۶۲ء)

میر قطبی سید شریف جرجانی (م ۵۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء)

میبندی (شرح ہدایت الحکمت) میر حسین میبندی (م ۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۴-۸۵ء)

۴ فلسفہ و صدرا صدر الدین شیرازی (م ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰-۴۱ء)

حکمت شمس البازغہ محمود جونپوری (م ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء)

ہدیہ سعیدیہ فضل حق خیرآبادی (م ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء)

نقشہ توحید امام الدین ریاضی (م ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲-۳۳ء)

شرح چغتئی	مومئی پاشا رومی (م درمیان ۸۲۳ تا ۸۴۱ھ)	۵-۶ بیت و ہندسہ
تحریر اقلیدس	نصیر الدین طوسی (م ۶۷۲ھ/۱۲۷۴ء)	
تشریح الافلاک	بہاء الدین عاملی (م ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء)	
خلاصۃ الحساب	بہاء الدین عاملی (م ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۲ء)	
تلخیص المفتاح	محمد بن عبدالرحمان قرظینی (م ۷۳۹ھ/۱۳۳۸-۳۹ء)	
مختصر المعانی	سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء)	۷ معانی و بیان
مطول	سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء)	
خلاصہ کیدانی	لطف اللہ نسفی	
منیۃ المصلی	سدید الدین کاشغری (م ساتویں صدی ہجری)	
نور الایضاح	حسن بن عمار شربلالی (م ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء)	
قدوری	احمد بن محمد قدوری (م ۱۲۲۸ھ/۱۰۳۷ء)	۸- فقہ
کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ/۱۳۱۰ء)	
شرح وقایہ	عبید اللہ بن مسعود (م ۷۷۷ھ/۱۳۷۶ء)	
ہدایہ	علی بن ابی بکر مرغینانی (م ۵۹۲ھ/۱۱۹۷ء)	
سراجی	سراج الدین سجاد ندوی (م ساتویں صدی ہجری)	
اصول الشاشی	اسحاق بن ابراہیم شاشی (م ۳۲۵ھ/۱۹۳۷ء)	
نور الانوار	احمد جیون (م ۶۲۴ھ/۱۲۲۶-۲۷ء)	
حسامی	حسام الدین محمد (م ۶۲۴ھ/۱۲۲۶-۲۷ء)	۹- اصول فقہ
توضیح	عبید اللہ بن مسعود (م ۷۷۷ھ/۱۳۷۶ء)	
تلخیص	سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ/۱۳۸۹ء)	

مسلم الثبوت محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ / ۰۸-۱۶۰۶ء)
شرح مواقت سید شریف جرجانی (م ۵۸۱۶ھ / ۱۴۱۳ء)
شرح عقائد جلالی جلال الدین دوانی (م ۵۹۰۸ھ / ۱۵۰۲ء)
شرح عقائد نسفی نجم الدین مہر نسفی (م ۵۵۳۷ھ / ۱۱۴۲ء)
خیالی احمد بن موسیٰ خیالی (م ۵۸۷۰ھ / ۱۴۶۵ء)

+ کلام و عقائد

انوار التنزیل و اسرار التاویل عبد اللہ بیضاوی (م ۵۶۸۴ھ / ۱۲۸۵ء)
جلالین جلال الدین علیؒ (م ۵۸۶۴ھ / ۱۴۵۹ء)
جلال الدین سیوطی (م ۵۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء)

تفسیر

اكتشاف جار اللہ زمخشری (م ۵۵۳۸ھ / ۱۳۷۷ء)
۱۲- اصول تفسیر فوز الکبیر فی اصول التفسیر شاد ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء)

مشکوٰۃ المصابیح ولی الدین عراقی
صحیح البخاری محمد بن اسماعیل بخاری (م ۵۲۵۶ھ / ۸۷۰ء)
صحیح المسلم مسلم بن حجاج (م ۵۲۶۱ھ / ۸۷۲ء)
جامع ترمذی محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۵۲۷۹ھ / ۸۹۲ء)
سنن ابی داؤد ابو داؤد سلیمان (م ۵۲۷۵ھ / ۸۸۸ء)

۱۳- حدیث

سنن نسائی عبدالرحمان احمد نسائی (م ۵۳۰۲ھ / ۱۵-۹۱۴ء)
سنن ابن ماجہ محمد بن ماجہ (م ۵۳۷۳ھ / ۸۸۶ء)
شمائل ترمذی محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۵۲۷۹ھ / ۸۹۲ء)

۱۴- اصول حدیث نخبۃ النکر ابن حجر عسقلانی (م ۵۸۵۲ھ / ۱۴۴۹ء)

۱۵- مناظرہ رشیدیہ عبدالرشید دیوان (م ۱۰۸۳ھ / ۱۷۷۱-۷۲ء)

امین الطالبین محمد احسن نانوتوی (م ۱۳۱۲ھ / ۱۹۹۷ء)

- نفیۃ الیمین احمد یمنی شروانی (م ۱۲۵۶/۱۸۴۰ء)
- نفیۃ العرب اعزاز علی دیوبندی (م ۱۳۶۴/۱۹۵۴ء)
- ۱۶- ادب عربی دیوان قنبری احمد بن حسین الکنذی (م ۱۳۵۴/۱۹۴۵ء)
- دیوان حاسہ ابوتام حبیب الطائی (م ۱۳۳۲/۱۸۴۶ء)
- مقامات حریری قاسم بن علی حریری (م ۱۵۱۶/۱۱۲۳ء)
- سبعہ معلقہ شعرائے عہدِ جاہلیت
- ۱۷- عروض عروض المقترح یوسف بن ابی بکر سکاکی (م ۱۳۲۸/۱۹۲۶ء)

ابنِ حاجب

ساتویں صدی ہجری میں جن اصحابِ علم و فضل نے عربی لسانیات اور فقہ مالکی میں تبحر کی وجہ سے نام پیدا کیا۔ ان میں سے ایک ابنِ حاجب ہیں۔ ابنِ حاجب کا نام عثمان کُنیت ابو عمر اور لقب جمال الدین تھا لیکن زمانے نے انہیں ابنِ حاجب کی کنیت سے یاد رکھا۔ تذکرہ نگار اُن کا ذکر جمال الدین ابو عمر و عثمان بن عمرو بن ابی بکر بن یونس کے ذیل میں کرتے ہیں۔

ابنِ حاجب کرد قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے والد عمر، عز الدین کے حلقہ اجاب میں شامل تھے اور حاجب کے منصب پر فائز۔ اسی نسبت سے وہ ابنِ حاجب مشہور ہوئے۔

حاجب کا منصب (حجابت) اموی دورِ حکومت میں ایک اہم منصب تھا۔ خطائے راشدین کے زمانہ میں اُن کے گھروں پر کوئی نگران نہ ہوتا تھا اور اُن کے دروازے بر خاص و عام کے لیے کھلے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ خلیفہ دوم تو اس معاملہ میں بڑی سختی برتتے تھے۔ والٹی مصر نے اپنے مکان کے سامنے ڈیوڑھی بنائی تو حضرت عمرؓ نے اطلاع ملتے ہی اسے مسمار کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

اموی دورِ حکومت میں حضرت معاویہؓ نے حاجب مقرر کیا۔ ابنِ خالد نے حجابت کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ سے پہلے تین خلفاء نہایت بے رحمی سے شہید کر دیئے گئے تھے اور پھر جس حالت میں اُن کی اپنی خلافت طے پائی تھی۔ اس کے پیش نظر حاجب مقرر کئے گئے بعد میں اسلامی مملکت میں یہ ایک

اہم عہدہ بن گیا۔

ولادت :-

ابنِ حاجب مصر کے ایک گاؤں "فتا" میں ۵۷۰ھ / ۱۱۷۵ء کے آخری دنوں میں پیدا ہوئے۔

تعلیم :-

قرآن مجید اور اس سے متعلق علوم کی تحصیل کرنے کے بعد قاہرہ گئے جہاں فقہ مالکی کی تحصیل کی۔ اُن کے اُستادوں میں امام شاطبی (م. ۵۹۰ھ) اور ماہر قانون ابو منصور انباری شامل ہیں۔

تدریس :-

ابنِ حاجب نے تدریس کا شغل اختیار کیا چنانچہ قاہرہ سے دمشق گئے۔ جہاں جامع اموی کے زاویہ مالکی میں تعلیم دینے پر مامور ہو گئے۔ یہاں ایک عرصہ تک فقہ مالکی کی تعلیم دیتے رہے۔

وفات :-

دمشق سے قاہرہ واپس چلے گئے اور قاہرہ سے سکندریہ کی راہ لی جہاں ۶۲۶ھ / ۱۱۱۱ء فروری ۱۲۲۹ء میں وفات پائی۔

تصنیفات :-

ابنِ حاجب نے عربی زبان کے صرف و نحو، علم عروض اور فقہ مالکی پر تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں لیکن اُن کی شہرت ایک نحوی کی حیثیت سے ہے۔ دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ الکافیہ ۱۔ ایک رائے کے مطابق جبار اللہ منشری کی "الیف المفصل" کی تلخیص ہے۔ اور نحو کے اہم متون میں سے ہے۔ الکافیہ پر بکثرت شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں۔

۲۔ الثانیہ :- عربی زبان کی صرف پر متداول رسالہ ہے۔
۳۔ المقصد الجلیل فی علم الخلیل :- علم عروض کا بانی خلیل بن احمد تصور کیا جاتا ہے۔
اس نسبت سے ابنِ حاجب نے عروض کو علم الخلیل قرار دیا ہے۔ بحر بسیط میں یہ ایک
نظم ہے اور بحر بسیط کا وزن مستفععلن، فاعلن، مستفععلن، فاعلن ہے۔ اس کی پانچ
شرحیں چھپ چکی ہیں۔

۴۔ القصیدہ الموشحہ بالاسماء الموشحہ :- مذکورہ شکل کے موشحہ اسماء کے متعلق ہے۔

۵۔ رسالہ فی العشر۔

۶۔ منتہی السؤل والال فی علم الاسول والجدل :- اصول فقہ مالکی میں اہم کتاب ہے۔

۷۔ مختصر المنتہی :- تذکرۃ الصدور کتاب کی تلخیص ہے۔

۸۔ مختصر فی الفروع۔ فقہ مالکی کا ایک مختصر رسالہ۔

۹۔ الامالی :- قرآن مجید اور منتہی پر مقالات کا مجموعہ ہے۔

ابن حجر عسقلانی

ابن حجر عسقلانی کا نام احمد، لقب شہاب الدین، کنیت ابو الفضل اور عرف ابن حجر تھا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے شجرہ نسب یوں نقل کیا ہے۔

”ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد بن حجر الکنانی
العسقلانی“

ابن حجر ۲۳ شعبان ۷۷۷ھ / یکم مارچ ۱۳۷۲ء کو مصر میں پیدا ہوئے اور کچھ ہی ماں اور باپ دونوں کے دستِ شفقت سے محروم ہو گئے۔

تعلیم و تربیت

ابن حجر نے اپنے ایک سرپرست زکی الدین الخردوب کی نگرانی میں پورنش پائی۔ نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور قلیل مدت میں صرف و نحو اور فقہ کی ابتدائی کتابیں پڑھ لیں۔ اس کے بعد اپنے عہد کے مشہور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور طلبِ حدیث کے لیے کئی سفر کئے۔ اس سلسلہ میں مصر، حجاز، شام اور یمن کے سفروں کا تذکرہ ملتا ہے۔

ابن حجر کے بیسیوں اساتذہ کرام میں ابن الملحق (م ۸۰۴ھ) سراج الدین بلقینی، محب الدین ابن ہشام (م ۷۹۹ھ) اور حافظ زین الدین عراقی (م ۸۰۰ھ) کے نام ملتے ہیں۔
زوونحوانی :- ابن حجر نہایت تیزی سے پڑھتے تھے۔ صحیح بخاری دس مجلسوں

میں پوری پڑھ لی تھی۔ اور ہر مجلس چار ساعت کی (ظہر تا عصر) ہوتی تھی۔
اس میں شک نہیں کہ اس قدر تیز پڑھنا قابلِ تعریف ہے لیکن تیز پڑھنے میں یہ
نقص بھی ہے کہ تیزی میں پورے طور پر ضبطِ الفاظ مشکل ہوتا ہے اور اکثر عبارت
میں الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر کی تصنیفات میں جو الجھاؤ ہے اُس کا
سبب یہی زود خوانی ہے۔
ابن حجر زود خوانی کے ساتھ زود نویس بھی تھے مگر نہایت بدخط تھے۔

عبدہ قضا۔

ابن حجر نے منصبِ قضا قبول کرنے سے کئی بار معذرت کی۔ آخر اپنے دوست
قاضی القضاة جمال الدین بلقینی کی استدعا پر اس کا نائب بنا قبول کر لیا۔ محرم
۵۸۶ھ / دسمبر ۱۲۲۳ء میں قاہرہ اور اس کے مضافات کا منصب قضا اُمین تفریض
کیا گیا اور تقریباً اکیس برس تک۔ اس عہدے پر فائز رہے جس کے دوران میں بار
بار معزول اور سجال کئے جاتے رہے اس کے ساتھ کئی مساجد اور مدارس میں
درس دتدریس کی خدمات انجام دیتے تھے۔ وہ قاضی، خطیب، محدث اور ایک
مقبول آقا و تھے

اخلاق و عادات۔

ابن حجر پاکیزہ اخلاق، شیریں گفتار اور حلیم الطبع بزرگ تھے۔ دوستوں سے حسن
سلوک سے پیش آتے تھے۔ حیرت ہے کہ عام زندگی میں جس قدر حلیم الطبع تھے۔ اپنی
تصنیفات میں اتنے ہی بے رحم نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر حنفی فقہاء اُن کے قلم کی زد
میں آئے ہیں۔ ملا کاتب چلبی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ

”ابن حجر کا قلم لوگوں کے معائب بیان کرنے میں خراب تھا اور زبان اچھی
تھی۔ کاش معاملہ اٹا ہوتا کہ اچھی چیز باقی رہتی“

وفات :-

ابن حجر نے ۲۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ / ۲۳ فروری ۱۴۲۹ء کو انتقال کیا۔

تصنیفات :-

اُن کی تصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو سے متجاوز ہے۔ زیادہ تر حدیث، رجال اور تاریخ سے متعلق ہیں تاہم ان میں ادب، فقہ اور کلام کے مباحث بھی آگئے ہیں اُن کی تصنیفات کی، جن میں سے کئی مطالعہ اسلام کے سلسلہ میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں، اُن کی زندگی میں بھی بڑی مانگ تھی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اُن کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ فتح الباری فی شرح صحیح البخاری۔ ۲۔ تعلق التعلیق۔

۳۔ اسباب فی شرح قول الترمذی فی الباب۔

۴۔ تحاف المبرہ باطراف الاسانید العشرہ۔

۵۔ اطراف المسند المتعالی۔ ۶۔ تہذیب التہذیب۔

۷۔ تقریب التہذیب۔ ۸۔ احتفال ببيان الرجال۔

۹۔ طبقات الحفاظ۔

۱۰۔ الکات الشاف فی تخریج احادیث الکشاف۔

۱۱۔ نصب الراية فی تخریج احادیث الہدایہ۔

۱۲۔ ہدایۃ الرواد فی تخریج احادیث المصابیح والمشکوٰۃ۔

۱۳۔ تخریج احادیث الاذکار۔ ۱۴۔ الاسابہ فی تمیز الصحابہ۔

۱۵۔ الاحکام لبيان ما فی القرآن من الابهام ۱۶۔ نخبة الفکر فی مصطلح اہل الاثر

۱۷۔ شرح نخبة الشکر زہمت النظر فی ترویج شجرة الشکر

۱۹۔ لسان المیزان

۱۸۔ الانصاح

۲۰۔ تبصیر المنبہ فی تحریر المشتبه۔

۲۱۔ نزہت السامعین فی روایت الصحابہ عن التابعین۔

۲۲۔ المجموع العام فی آداب الشرب والطعام۔ دخول الحمام۔

۲۳۔ الخصال المکفرة۔ ۲۴۔ توالی القایس۔

۲۵۔ فہرہس المرویات۔ ۲۶۔ نعم السوح والاثوار۔

۲۷۔ انباء الغمر بآبناء العمر۔ ۲۸۔ الدر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ۔

۲۹۔ بلوغ المرام من اولۃ الاحکام۔ ۳۰۔ قوۃ الحجاج۔

۳۱۔ الخصال المرصده للظلال۔ ۳۲۔ بذل الماعون فی فضل من صبر فی الطاعون۔

۳۳۔ الامتناع بالاربعین المتباہیہ بشرط السماء۔

۳۴۔ مناسک۔ الحج۔ ۳۵۔ الاحادیث العشاریہ۔

۳۶۔ الاربعون العالیہ لمسلم علی البخاری۔ ۳۷۔ دیوان الشعر۔

۳۸۔ دیوان الخطب الازہریہ۔ ۳۹۔ امالی حدیثیہ۔

ابن حجر عسقلانی کی طرف بعض ایسی کتابیں بھی منسوب ہو گئی ہیں جو اصل تحقیق کی نگاہ میں ان کی کاوش قرار نہیں دی جا سکتیں مثلاً۔

۱۔ المنہات۔ معروف و متداول کتاب ہے۔ اس میں عربی زبان و ادب کی کئی

غایاں پائی جاتی ہیں نیز فن حدیث سے مؤلف واقف معلوم نہیں ہوتا اور حافظان

حجر جیسے ادیب، شاعر اور محدث سے ان اقلہ کا امکان کم ہے۔

۲۔ غیلة الناظر فی توجہ الشیخ عبدالقادر

ابن ماجہ

ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن عبد اللہ الملقب بہ ابن ماجہ ۲۰۹ھ / ۸۲۴ء میں ایران کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے۔ ابن ماجہ کے لقب کے بائے میں تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ اُن کے والد یزید، ماجہ کے نام سے مشہور تھے اس لیے بطور کنیت ابن ماجہ مشہور ہوئے۔ قبیلہ ربیعہ سے اُن کا رشتہ موالات تھا اس لیے الربیعہ یا مٹولی ربیعہ بھی کہلاتے ہیں۔

قزوین علماء و فضلاء کا مرجع تھا۔ اُس زمانے میں علی بن محمد طاقسی (م ۲۳۲ھ) عمرو بن رافعی ابو حجاز بجلی (م ۲۳۷ھ) اسماعیل بن ابوسہل (م ۲۴۷ھ) ہارون بن موسیٰ نمیبی (م ۲۴۸ھ) اور محمد بن ابی الخالد قزوینی مسند درس و افتاء پر نائز تھے۔ امام ابن ماجہ نے ان ہی محدثین وقت سے استفادہ کیا۔

اُن کی ابتدائی زندگی کے حالات زیادہ نہیں ملتے البتہ اُن کے تعلیمی سفروں کا ذکر آتا ہے۔ اُنہوں نے عرب، عراق، شام، مصر اور خراسان کے اکثر بلاد کا سفر کیا اور حدیث کی سماعت کی۔

ابن ماجہ ۲۲ رمضان المبارک ۲۴۳ھ / ۱۸ فروری ۸۸۷ء کو قزوین میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کئے گئے۔ المعتمد الی اللہ عباسی کا درِ خلافت تھا۔ واضح ہے کہ صحاح ستہ کے تمام مصنفین، سوائے امام نسائی (م ۳۰۳ھ) کے اسی خلیفہ کے عہد میں فوت ہوئے۔

تصنیفات: امام ابن ماجہ کی مندرجہ ذیل تصنیفات کو تذکرہ ملتا ہے

۲۔ التاریخ۔ عبد صحابہ تا عبد مصنف

۳۔ السنن ابن ماجہ۔ سنن میں ۴۳۴۱ احادیث ہیں ان میں سے ۳۰۰۲ حدیثیں وہ ہیں جو صحیح کلباتی پانچ کتابوں میں بھی موجود ہیں باقی ۱۳۳۹ "زوائد ابن ماجہ میں سے ہیں۔

شروع سنن ابن ماجہ۔ سنن ابن ماجہ پر اہل علم نے کثرت سے شروع و حواشی لکھے ہیں کچھ اہم شرحیں اور تعلیقات یہ ہیں۔

۱۔ شرح ابن ماجہ۔ حافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ حنفی (م ۷۶۲ھ) نامکمل شرح ہے۔ خطی نسخے ملتے ہیں۔

۲۔ شرح ابن ماجہ۔ ابن رجب حنبلی (م ۷۹۵ھ)

۳۔ بانفس الیہ الحاجہ علی سنن ابن ماجہ۔ شیخ سراج الدین عمر بن علی الملحق (م ۸۰۴ھ)

۴۔ الیہ۔ شیخ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری (م ۸۰۸ھ)

۵۔ صباح الزجاہ۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

۶۔ نور مصباح الزجاہ۔ شیخ علی بن سلیمان مالکی۔ بیوطی کی شرح کی تلخیص ہے۔

۷۔ بشرح ابن ماجہ۔ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی (م ۱۱۸۳ھ)

۸۔ انجیح الحاجہ شرح ابن ماجہ۔ شیخ عبدالغنی بن ابی سعید مجددی (م ۱۲۹۵ھ)

۹۔ ماثیہ بر سنن ابن ماجہ۔ فرامن گلگاہی۔

۱۰۔ مفتاح الحاجہ۔ شیخ محمد ہزاروی۔

۱۱۔ المجد فی اسماء الرجال ابن ماجہ۔ امام ذہبی۔

۱۲۔ ماتمس بہ الحاجہ۔ عبدالرشید نعمانی۔

۱۳۔ تعلیقات ابن ماجہ۔ شیخ محمد فواد عبدالباقی۔

ابو تمام حبیب

حبیب بن اوس اپنے بیٹے تمام کے بقول ۱۸۸ء/۸۰۴ء میں پیدا ہوا لیکن ایک دوسرے بیان کے مطابق جو خود ابو تمام سے منقول ہے وہ ۱۹۰ء/۸۰۶ء میں تاسم نامی گاؤں میں پیدا ہوا۔ یہ گاؤں دمشق اور طبریہ کے درمیان واقع ہے۔

حبیب کا خاندان عیسائی تھا اور اُس کے والد "تادوس" کی دمشق میں شراب کی دکان تھی۔ ابو تمام نے اپنے والد کا نام اوس" کر دیا اور ایک فرضی نسب نامہ وضع کر کے قبیلہ طے سے نسبت جوڑ لی۔ اس فرضی نسب نامہ کی وجہ سے ہجو یہ اشعار میں اس کا بہت مذاق اڑایا گیا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے تذکرہ نگاروں نے اس نسب نامہ کو صحیح تسلیم کر لیا اور ابو تمام کو "الطائی" کہا جانے لگا۔

ابو تمام کا عہد جوانی دمشق کے ایک جولابے کے مددگار کی حیثیت سے گزرا۔ ازل بعد وہ مصر چلا گیا۔ جہاں جامع کبیر میں سقہ کے طور پر کام کرتا رہا۔ اور اس کے ساتھ عربی نظم اور اس کے اصول و قواعد کا مطالعہ کرتا رہا۔

مصر سے ابو تمام شام آ گیا اور خلیفہ المعتصم کے زمانہ میں عام شہرت حاصل کی۔ ۲۲۳ء/۸۳۸ء کو عموریہ کی تباہی کے بعد معتزلی قاضی القضاة احمد بن ابی داؤد نے اسے خلیفہ کی بارگاہ میں سامرا بھیجا۔ اُس وقت سے ابو تمام کی زندگی کا وہ دور شروع ہوا جس میں وہ ایک نامور قصیدہ گو مانا گیا۔ خلیفہ کے علاوہ اس نے کئی اعلیٰ حکام کی شان و منقبت میں قصائد لکھے ہیں۔

ابو تمام نے اہم اشخاص کی ملاقات کے لیے سفر بھی کیے۔ نیشاپور کے والی عبد اللہ

بن طاہر سے ملاقات کے لیے اُس کا سفر بہت مشہور ہے۔ عبداللہ انعام واکرام دینے میں اُس کی توقعات پر پورا نہ اُترا اور نیشاپور کی آب و ہوا بھی اُسے راس نہ آئی اس لیے جلد ہی وہی واپس آ گیا۔ رستے میں برفباری کے باعث ہمدان میں رُک گیا۔ ہمدان میں ابوالوفابن سلمہ کے کتب خانہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشہور ترین مجموعہ اشعار الحماسہ مرتب کیا۔

ابوتام وفات سے دو سال پہلے مرسل کا صاحب البرید (پوسٹ ماسٹر) مقرر ہوا۔ یہیں ۲ محرم ۲۳۲ھ / ۲۹ اگست ۸۴۶ء کو فوت ہوا۔ ابوتام سانولے رنگ کا طویل القامت شخص تھا اور بدویوں کا سالباس پہنتا تھا۔ وہ نہایت شستہ اور فصیح عربی بولتا تھا لیکن آواز میں کرخنگی اور زبان میں کسی قدر لگنت تھی اس لیے وہ اپنا کلام اپنے راوی صالح سے پڑھوایا کرتا تھا۔ ابوتام کا دیوان الصولی نے بہ ترتیب حروف تہجی اور علی بن حمزہ الاصفہانی نے بہ لحاظ مضامین جمع کیا ہے۔ دیوان کے کئی ایڈیشن قاہرہ، بیروت اور برصغیر کے مطابع سے شائع ہو چکے ہیں۔

ابوتام نے عربی شاعری کے مندرجہ ذیل انتخاب مرتب کئے ہیں۔
۱۔ الحماسہ :- مدارس عربیہ کے نصاب میں شامل ہے۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے اردو ترجمہ اور شرح "تہمیل الدراسہ" لکھی ہے۔

۲۔ حماۃ الصغریٰ یا الوخیات ۳۔ اختیار الشعراء الفحول۔

۴۔ الاختیارات من شعراء الشعراء ومدح الخلفاء واخذ جوائزہم۔

۵۔ الاختیارات من اشعار القبائل۔ ۶۔ اختیار المنقطعات۔

آخراہ کرتین کتابوں کے محض نام ہی ملتے ہیں۔

ابو حیان النخوی

ابو حیان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان شوال ۶۵۰ھ / نومبر ۱۲۵۰ء
میں غرناطہ میں پیدا ہوا۔ ابو الحسن ابدی، ابو جعفر بن زبیر، ابن صانع اور ابو جعفر یلی سے
تعلیم حاصل کی۔ یہ حضرات نخویں یگانہ روزگار تھے۔ استاد خطیب ابو محمد عبد الحق سے
تجوید کا فن سیکھا۔ ان کے بعد ابو جعفر غرناطی اور حافظ ابو علی حسین بن عبد العزیز سے مشق قرآن کی
حدیث کی تحصیل کے لیے علمائے عصر کے سامنے زانوئے تلمذ منہ کیا۔ مدظلہ العالی
کے بقول ابو حیان نے حدیث میں ساٹھ چار سو آئمہ و شالوتی کا فخر حاصل کیا۔
فقہ شیخ علم الدین عراقی سے، منطق اور علم کلام ابو جعفر بن زبیر سے بڑے مطلق
کی بعض کتابیں علامہ بدر الدین محمد بن سلطان بغدادی سے بڑھیں۔
اساتذہ کی مخالفت۔

ابو حیان دورانِ تعلیم ہی میں خاصے مشہور ہو گئے۔ تاریخ التّحقیل ہوتے تو مزاج
طلبہ بن گئے۔ ابو حیان کی زندگی میں خود اپنے اساتذہ کی مخالفت کرنا بہت مشہور
ہے۔ اُنھوں نے عنفوانِ شباب میں اپنے اساتذہ ابن زبیر وغیرہ کی غلطیاں کناہیں
اس سے اُنھیں بہت رنج ہوا اور ابو حیان کو بدعتِ تنقیہ بنایا۔ ابو حیان نے ترکِ بزرگ
جواب دیا۔ ابن زبیر کی روایات اور اصولوں کو غلط ثابت کرنے میں تصنیف و تالیف
کا ایک سلسلہ شروع کیا، اسی طرح ابن طبرانی کی ترویج میں ایک کتاب "الماعظ" لکھی
ابن زبیر اور ابن طبرانی وقت کے صاحبِ اختیار رئیس محمد بن نصر کے خلاف
لے کر گئے چنانچہ محمد بن نصر نے ابو حیان کی گرفتاری کا فرمان جاری کر دیا۔ ابو حیان کو اور

کا علم ہوا تو ۸۶۷ھ ۱۲۷۷ء کو ترک سکونت کر کے مصر کو روانہ ہو گیا۔

سیر و سیاحت :-

ابوحیان نے غرناطہ سے سکندریہ کے سفر میں ابوالقاسم خرقانی کی صحبت سے فیض اٹھایا۔ سکندریہ کے قیام میں شیخ عبدالنصر بن علی بن یحییٰ مرلوبی سے ایک بار پھر تجویذ کے گریں سیکھے اور پورا قرآن مجید سنایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوحیان کو عمر کے کسی حصہ میں بھی کسی عالم کے زمانے زانوئے تلمذتہ کرنے میں غار نہ تھی۔

سکندریہ سے ایک طویل علمی سفر پر روانہ ہوا۔ مصر، عراق، شام، حجاز، یمن اور بلادِ سودان وغیرہ کی سیر کی۔ ہر معروف اور صاحبِ نظر عالم کے حضور میں بیٹھا۔

علمی تفوق :-

ابوحیان نے نحو میں ایسا مقام حاصل کیا کہ اُن کا فرمایا ہوا مستند خیال کیا جاتا ہے۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے نحو میں "جمع الجوامع" لکھی جو اپنے موضوع پر عمدہ کتاب خیال کی جاتی ہے اس کے بارے میں خود سیوطی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے۔ ابوحیان کی تصانیف سے لیا ہے۔

ابوحیان کو اپنے پیش رو نحویوں کی مساعی پر پورا عبور حاصل تھا۔ سیبویہ کی کتاب اُسے زبانی یاد تھی۔ دورانِ درس سیبویہ، ابن مالک اور اپنی تصانیف پیش نظر رکھتا تھا۔ کافیہ۔ ابن حاجب بالکل پسند نہ کرتا تھا اور اسے "ھذا نحو الفقہاء" کہہ کر مذاق اڑاتا تھا۔

ابوحیان کے معاصر صلاح الدین صفوی نے اُس کے بارے میں لکھا ہے لا کان امیر المؤمنین فی النحو ۹۰۷ھ

مزاج :- ابوحیان کے مزاج میں تندمی و تمیزی اور تفاخر کے ساتھ نخل پایا جاتا

تھا اس کی ضرورت سے زیادہ کفایت شعاری کے بارے میں کئی اشعار ملتے ہیں
اپنی بیٹی نضار سے بے پناہ محبت کرتا تھا بیٹا، ۷ھ میں یہ بیٹی فوت ہوئی تو ایک سال
تک گوشہ نشین رہا اور معمولاتِ زندگی سراسر بدل گئے۔

وفات ۱۔

ابو حیان کی تاریخِ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک رائے کے مطابق
۵۶۲۳ھ/۱۳۴۲ء میں فوت ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق سالِ ارتحال
۵۶۲۵ھ/۱۳۴۴ء ہے۔

تصنیفات ۲۔

دائرة المعارفِ اسلامیہ کی تحقیق کے مطابق ابو حیان سے عربی اور دوسری زبانوں
میں ۶۵ کتابیں یادگار ہیں جن میں سے پندرہ آج موجود ہیں۔ باقی دستبردِ زمانہ کی نذر
ہو چکی ہیں اہم تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ البحر المحیط۔ قرآن مجید کی مبسوط تفسیر ہے۔ ابن مکتوم نے الدر اللقیط من البحر المحیط
کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔

۲۔ النہر الماد من البحر۔ خود ابو حیان نے اپنی تفسیر کا خلاصہ تیار کیا ہے۔

۳۔ شرح التہلیل
۴۔ بیج السالک یعنی شرح الفیض ابن مالک۔

۵۔ ارتشاف العرب من السنة العرب

۶۔ الادراک للسان الاتراک۔ ترکی زبان کی صرف و نحو اور لغت۔

۷۔ بدایۃ النحر
۸۔ دیوان (اشعار)

تلامذہ ۵۔ ابو حیان نے کتابیں ہی نہیں لکھیں بلکہ ابن عقیل اور ابن بشام جیسے

شاگرد بھی تیار کئے۔

ابوداؤد سجستانی

ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق ۲۰۲ھ / ۸۱۴ء میں سجستان میں پیدا ہوئے۔ یا قوت حموی نے سجستان کے بائے میں لکھا ہے کہ یہ خراسان کے اطراف میں ہے اور اس کو سجز بھی کہتے ہیں اس لیے امام ابوداؤد سجستانی یا سجزی کی صفت نسبتی سے یاد کئے جاتے ہیں۔

امام موصوف کی ابتدائی زندگی کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ تاہم اتنا واضح ہے کہ انھوں نے مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کیا اور مشایخ حدیث سے استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، شعبی، ابوالولید طرابلسی، مسلم بن ابراہیم اور یحییٰ بن معین کے نام ملتے ہیں۔

امام موصوف کی زندگی کا زیادہ حصہ بغداد میں گزرا اور وہیں انھوں نے اپنی اہم تالیف السنن کی تکمیل کی۔ ۲۴۱ھ میں بغداد سے بصرہ چلے گئے اور چار سال بعد شوال ۲۶۵ھ / فروری ۸۸۹ء میں وہیں رحلت فرمائی۔

ان کے صاحبزادے ابوبکر عبداللہ (م ۳۱۶ھ) بھی اکابر محدثین میں شمار ہوتے تھے۔

تصنیفات:-

امام ابوداؤد سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

- ۱۔ السنن ابی داؤد۔
- ۲۔ کتاب المرابیل۔
- ۳۔ الرد علی القدریہ۔
- ۴۔ النسخ والمنسوخ۔
- ۵۔ کتاب المسائل۔
- ۶۔ کتاب بدعہ الوحی۔

- ۷۔ فضائل الانصار۔
- ۸۔ کتاب الدعاء۔
- ۹۔ کتاب شریعۃ التفسیر۔
- ۱۰۔ فضائل الاعمال۔
- ۱۱۔ کتاب الزہد۔
- ۱۲۔ دلائل النبوة۔
- ۱۳۔ کتاب اخبار الخواص۔
- ۱۴۔ کتاب نظم القرآن۔
- ۱۵۔ کتاب التفسیر۔
- ۱۶۔ کتاب فضائل القرآن۔
- ۱۷۔ کتاب البعث والنشور۔
- ۱۸۔ کتاب البعث والنشور۔
- ۱۹۔ کتاب شریعۃ المقارنہ۔

شروح سنن ابی داؤد، سنن ابی داؤد کے بارے میں ایک روایت ملتی ہے کہ امام ابو داؤد نے کتاب امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کی زندگی میں مکمل کر لی تھی اور انھوں نے دیکھتے کے بعد اسے پسند کیا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کتاب کا زمانہ تصنیف ۲۴۱ھ سے پہلے کا ہے سنن میں ان احادیث کا استیعاب کیا گیا ہے جن سے ائمہ فقہ نے استدلال کیا ہے اور ان میں مروج ہیں۔

سنن ابی داؤد کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ مولانا محمد زکریا نے ۲۲ شروح و حواشی کا ذکر اپنے افادات میں کیا ہے۔ چند اہم شرحیں یہ ہیں۔

- ۱۔ معالم السنن۔ خطابی (م ۲۸۸ھ)
 - ۲۔ مرقاة السعود۔ جلال السیوطی (م ۹۱۱ھ) اس کی تلخیص علامہ وضعی نے کی ہے۔
 - ۳۔ المجتبیٰ۔ منذری۔
 - ۴۔ تہذیب السنن۔ امام ابن قیم۔
 - ۵۔ فایۃ المقصود۔ شمس الحق ڈیوانوی۔
 - ۶۔ عون المعبود۔ شمس الحق ڈیوانوی۔
- اس شرح کی تالیف میں شارح کے بھائی محمد اشرف ڈیوانوی نے بھی تعاون کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں نے اسے محمد اشرف ڈیوانوی کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

ایشیرالدین ابہری

ایشیرالدین مفضل بن عمر الابہری حنفی نے کمال الدین ابن یونس اور امام فخر الدین رازی (۱۰۶۱ء/۱۱۲۱ء) سے استفادہ کیا تھا۔ ۶۲۵ھ/۱۲۲۸ء میں موصل سے اربیل چلا گیا۔ ۶۶۱ھ/۱۲۶۳ء میں وفات پائی۔ ولیم ہیل نے سال وفات ۶۴۵ھ/۱۲۴۲ء لکھا ہے۔ جو درست نہیں۔

ایشیرالدین الابہری سے حسب ذیل تصنیفات یادگار ہیں۔

۱۔ ہدایت الحکمت (منطق و فلسفہ) منطق، طبیعیات اور الہیات تین حصوں پر منقسم ہے۔ مقبول عام متن ہے۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ میر حسین ابن معین الدین، میبندی اور ملا صدر الدین شیرازی کی شرحیں متداول ہیں۔

۲۔ ایساغوجی (الایشیر بی فی المیزان) ایساغوجی یونانی لفظ ہے اور حکمائے یونان میں سے ایک کا نام ہے۔ ایشیرالدین کی تالیف نور فیرویس کی کتاب سے مقبس ہے۔ اس کا متن لاطینی ترجمہ کے ساتھ ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۵ء میں روم میں طبع ہوا۔

۳۔ شرح ایساغوجی

۴۔ الزیج الشامل (ہیت)

۵۔ مختصر فی علم الہیت

۶۔ رسالہ فی الاضطراب

۷۔ کشف الحقائق فی تحریر الدقائق

۸۔ زبدۃ الاسرار (فلسفہ)

احمد بن حسین الکندی

احمد بن حسین نام، ابوالطیب کنیت اور اطمینی عُرت ہے۔ ۳۰۳ھ/۹۱۵ء میں کوفہ کے محلہ کندہ میں پیدا ہوا جہاں اُس کا والد سقہ کا کام کرتا تھا۔ اس حوالے سے متنبی کی ہجو بھی کی گئی ہے۔ جب کبھی نسب کے بارے میں اُس سے پوچھا جاتا تھا تو کہہ دیتا تھا کہ وہ ایک اجنبی القباہل شخص ہے لیکن بعد میں اُس نے اپنا شجرہ نسب حضرت علیؑ سے ملا لیا تھا۔

احمد نے ابتدائی تعلیم کوفہ میں حاصل کی۔ اُس کا زیادہ وقت اہل علم کی محفلوں اور کتب فروشوں کی دکانوں پر گزرتا تھا بے پناہ قوتِ یادداشت کا مالک تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ اُس نے ساٹھ صفحات کی کتاب ایک بار دیکھ کر یاد کر لی تھی۔ جو نظم اُس کے سامنے پڑھی جاتی اسے یاد ہو جاتی تھی۔

احمد کوفہ سے اپنے والد کے ساتھ دمشق (شام) منتقل ہو گیا۔ یہاں اُس نے عرب بدوؤں کے مختلف لہجے اور اُن کی زبانوں کی تحقیق کے لئے طویل سفر کئے۔ اسی شوقِ زبانہ ادانی میں بنو کلب میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ محنت اور قومی حافظہ کی بدولت "نُفت" میں اپنے وقت کا ممتاز ترین فرد تھا۔ شیخ ابو علی فارسی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اُس سے دریافت کیا کہ فعلی کے وزن پر کتنی جمعیں آتی ہیں؟ متنبی نے معاً جواب دیا کہ ٹھوٹھل اور ظُرنی۔ شیخ ابو علی فارسی کا بیان ہے کہ میں اس کے بعد تین دن تک کتب نُفت کی ورق گردانی کرتا رہا مگر مجھے ان دو کے سوا اس وزن کی کوئی اور جمع نہ مل سکی۔ تجلی جمل کی جمع ہے۔ جمل عربی میں چکور کہتے ہیں اور ظُرنی، ظُریان کی جمع ہے جو تلی جیسے

ایک بدبودار جانور کا نام ہے۔

احمد بلند پایہ شاعر اور فصیح اللسان ادیب تھا۔ اُسے اپنے کلام پر اس قدر تازہ تھا کہ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اسی نسبت سے اہل تہنی (یعنی جھوٹا بنی) مشہور ہوا۔ یہ بھی روایات میں ملتا ہے کہ اُس نے قرآن مجید کے مقابلہ میں چند نظمیں لکھی تھیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اُس کی یہ نظمیں نقل کی ہیں اپنی نبوت کے حق میں چند شعبہ سے بھی دکھاتا تھا۔ مولانا اعجاز علی نے "مقدمہ دیوان تہنی" میں اسکا باراں کے شعبہ کا ذکر کیا ہے۔

ایک دفعہ اُسے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا لی گئی۔ "لا بنی بعدی" (یعنی میرے بعد کوئی بنی نہیں) تو کہنے لگا کہ اس حدیث میں میرے بارے میں پیش گوئی کی گئی ہے کہ "لا" میرے بعد بنی ہوگا اور "لا" میرا نام ہے۔

قبیلہ بنو کلب کے بعض افراد اُس کے پیروکار بن گئے تھے۔ اُس کے پھیلتے ہوئے فتنہ و فساد کو اختیار کر کے ختم کیا اور مقابلہ کر کے اُسے گرفتار کر لیا۔ طویل عرصہ تک قید خانہ میں پڑا رہا۔ آخر کار اپنے دعویٰ کے جھوٹے ہونے کا اقرار کیا اور صحیح العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے ایک دستاویز پر دستخط کر کے رہا ہوا۔

قید سے رہا ہونے کے بعد معاشی طور پر پریشان ادھر ادھر گھومتا رہا۔ علی بن منصور حاجب کی مدد میں ایک قصیدہ لکھا اور اُس نے صرف ایک دینار انعام دیا۔ اسی نسبت سے یہ قصیدہ "دیناریہ" کہلاتا ہے حالانکہ شاعر کو عام طور پر ایک قصیدہ کے عوض پانچ یا دس درہم ملتے تھے۔

۵۲۳ھ / ۹۴۸ء میں حلب گیا اور سیف الدولہ حمدانی سے متعارف ہوا۔ سیف الدولہ حمدانی علم پرور اور دانش مندوں کا قدردان تھا۔ اُس کے دربار میں کتاب الاعانی کا

مؤلف ابراہیم الفرج اصفہانی اور شہرہ آفاق فلسفی ابو نصر فارابی جیسے اہل قلم موجود تھے۔
متنبی کو اس محفل میں اپنا مقام مل گیا۔ سیف الدولہ اُس کا خاص طور پر خیال رکھتا تھا
کئی مہمات میں اُسے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ تقریباً نو سال حلب میں گزار کر متنبی سیف الدولہ
کے دربار سے الگ ہو گیا۔

۳۴۶ھ/۵۸۶-۹۵ء میں اخیثی حکمران کافر کے پاس مصر چلا گیا۔ کافر نے
اُس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ اُسے کسی علاقہ کا عامل بنا دیا جائے گا۔ کافر نے اپنے
وعدہ کا ایقانہ کیا اور متنبی سے کہا کہ ”جس شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد
نبوت کا دعویٰ کیا اس سے کچھ بعید نہیں کہ کل کو کافر کی مملکت میں شریک و ہمیم
ہونے کا دعویٰ کر دے“ کافر سے تشغیر ہو کر متنبی بغداد گیا اور آخر میں بوہہ خاندان
کے حکمران عضد الدولہ کے پاس شیراز چلا گیا۔

۳۵۴ھ/۹۶۵ء میں شیراز سے کوفہ جا رہا تھا۔ اُس کے پاس خیر رقم تھی۔ کوفہ
کے قریب اُس پر بنی اسد کے ربنوں نے حملہ کر دیا۔ وہ میدان سے بچ کر لکھنا چاہتا تھا
کہ اُس کے غلام نے کہا کہ آپ میدان مبارزت سے کیوں بٹ رہے ہیں جب کہ آپ
کا شعبے ۵

فأخيل الليل والبیداء تعرفني
والبيف والرمح والقرطاس والعلم

درہوار جنگ، شب تاریک اور بکراں ریگستان مجھے جانتے ہیں
تواری، نیزہ اور کافند و قلم بھی۔ یعنی میں رزم و بزم میں یکساں
روزگار ہوں)

متنبی غلام کی زبان سے اپنا شعر سن کر واپس ہوا اور اس ہنگامہ میں کام آ گیا۔ یہ حادثہ
۲۸۔ رمضان ۳۵۴ھ کو پیش آیا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عضدالدولہ سے اُس کی اُن بن ہوگئی تھی اور اُس کے
بیٹے ہوئے آدمی متبنی پر حملہ آور ہوئے تھے۔

متبنی کے کلام کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی اور آج عربی زبان و ادب
کا کوئی طالب علم اُسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔

احمد بن شعیب نسائی

خراسان اور ماورالنہر کا علاقہ علم و فن اور ارباب کمال کا مرکز رہا ہے۔ تاریخ اسلام کے سینکڑوں نامور فاضل اس خطہ میں پیدا ہوئے۔ نساء اسی علاقہ کا ایک شہر ہے جو مرو کے قریب واقع ہے اور اسے امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی بن نسان بن دینار نسائی کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے۔

امام نسائی ۲۱۵ھ/۸۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم نساء میں حاصل کی۔ ۲۲۰ھ/۲۴۵-۲۴۶ء میں حصول علم کی خاطر وطن چھوڑ کر خراسان، عراق، حجاز، شام اور مصر کا سفر کیا۔ انہوں نے امام بخاری، ابو داؤد، قتیبہ بن سعید، اسحاق بن زاہریہ، علی بن حجر، سلیمان بن شعث اور محمد بن بشار جیسے محدثین وقت سے اکتساب فیض کیا۔

امام نسائی کی زندگی کا بڑا حصہ مصر میں گزرا۔ ذوالفقہہ ۳۰۲ھ/۹۱۵ء میں دمشق گئے اور یہاں خواررج نے شیعیت کے الزام میں زود کو بکرا کیا۔ ابھی اُن میں کچھ جان باقی تھی کہ لوگ انہیں رملہ بیت المقدس کے قریب ایک بستی لے گئے۔ اور وہیں ۱۳ صفر ۳۰۳ھ/۲۸ اگست ۹۱۵ء کو اُن کا انتقال ہوا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ دمشق سے مکہ منظر لے جائے گئے تھے۔

تصنیفات :-

امام نسائی کی حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ فضائل صحابہ۔

۲۔ خصائص علیؑ

۳۔ عمل یوم ولیدہ۔

۴۔ مسند مالک۔

۵۔ اسماء الرواة والتمیز بینہم

۶۔ کتاب الضعفاء

۷۔ مسند منصور بن زاذان

۸۔ ما غرب شعبہ علی سفیان وسفیان علی شعبہ

۹۔ مسند علی

۱۰۔ السنن الکبریٰ

۱۱۔ السنن الصغریٰ (المجتبیٰ من السنن الکبریٰ)

کہا جاتا ہے کہ امام نسائی نے السنن الکبریٰ ترتیب دی تو امیر رملہ نے دریافت کیا کہ آپ کی یہ تالیف تمام تصحیح ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں۔ امیر رملہ نے درخواست کی کہ صحیح احادیث کو الگ ایک مجموعہ میں ترتیب دیا جائے۔ چنانچہ السنن الصغریٰ (المجتبیٰ من السنن الکبریٰ) وجود میں آئی۔

شروح وتعلیقات سنن نسائی

سنن نسائی پر بہت زیادہ شروح وتعلیقات نہیں لکھی گئیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ سنن کا انداز نہایت آسان اور اس کے تراجم واضح ہیں جن میں کوئی اشکال نہیں۔

چند اہم شروح و حواشی یہ ہیں:

۱۔ الامعان فی شرح السنن النسائی ابی عبدالرحمان۔ علامہ ابو الحسن علی بن عبداللہ

انصاری (م ۵۶۷ھ)

۲۔ زہر الربی علی المجتبیٰ۔ حافظ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

۳۔ شرح ابن الملقن۔ ابو حفص عمر بن علی سراج (م ۸۰۴ھ)

۴۔ تعلیقات علی السنن النسائی۔ محمد بن عبدالہادی سندھی (م ۱۱۳۸ھ)

۵۔ تعلیقات علی السنن النسائی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی و مولانا خلیل احمد سہارنپوری۔ (م ۱۲۰۰ھ)

۶۔ حاشیہ السنن النسائی۔ شیخ ابو عبد الرحمن محمد مکھوی

۷۔ حاشیہ شیخ حسین بن محسن انصاری بمبئی۔

۸۔ التعلیقات السلفیہ۔ مولانا محمد عطا اللہ حقیقت بھوجپانی

فاضل تعلیقات نگار نے اس شرح میں زیر الرئی (میوٹی) تعلیقات محمد بن عبد الباہی

سندھی اور حاشیہ شیخ حسین بن محسن انصاری کو یکجا کر دیا ہے۔ احادیث کا شمار کیا ہے

حال ہی میں دوسری بار مکتبہ سلفیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

احمد بن علی بن مسعود

احمد بن علی بن مسعود "مراح الارواح" کے مؤلف ہیں۔ اُن کے حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہو سکے۔ "مراح الارواح" پر کئی شرحیں اور حاشیے لکھے گئے ہیں مگر شارحین بھی مؤلف کے حالات پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے۔

احمد جیون

ملا جیون کا نام احمد اور اُن کے والد کا نام ابوسعید تھا۔ شجرہ نسب یہ ہے
شیخ احمد بن ابوسعید بن عبداللہ بن عبدالرزاق بن خاصہ۔ مولف "تذکرہ علمائے ہند"
کے مطابق خاندان صدیق کے چشم و چراغ تھے۔

۲۵ شعبان ۱۰۲۷ھ / ۱۶ اگست ۱۶۱۸ء کو لکھنؤ کے قصبہ امیٹھی میں پیدا ہوئے
اُن کے جد امجد مخدوم خاصہ امیٹھی کے معروف اہل اللہ میں سے تھے۔ اُن کی والدہ
اورنگ زیب عالمگیر کے داروغہ مطیع (میر آتش) عبداللہ عزت عزت خاں امیٹھوی
کی بہن تھیں۔

تعلیم و تربیت

ملا جیون کی ابتدائی زندگی امیٹھی میں گزری۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید
حفظ کر لیا اور بقول خود اگرچہ قواعد عربی اور اعراب سے واقف نہ ہوئے تھے تاہم
الفاظ، جملے اور عبارت صحت سے پڑھ لیتے تھے۔ علوم متداولہ کی تحصیل اپنے
دور کے معروف علماء سے کی اور ملاحظت اللہ کوڑہ جہاں آبادی سے فاتحہ فراغ
پڑھا۔ ۲۲ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے تھے اور طلبہ کو درس دینے لگے تھے۔

حافظ

ملا موصوف کا حافظ نہایت قوی تھا۔ ایک بار کوئی قصیدہ سن لیتے تو پورا

یاد ہو جاتا تھا۔ درسی کتابوں پر اس قدر عبور تھا کہ بغیر دیکھے عبارت پڑھتے تھے بلکہ

سفر حج :-

چالیس سال کی عمر میں اجمیر اور دہلی میں قیام پذیر تھے۔ یہاں درس و تدریس کا شغل جاری تھا۔ طلبہ پروانہ دار اُن کی مجلسِ درس میں شرکت کرتے تھے۔ ۵۵ سال کی عمر میں پہلی بار حج کا فریضہ ادا کرنے کے لئے سفر کیا۔ قدسے دکن میں ٹھہرے۔ پانچ سال حرمین میں قیام کر کے واپس دکن آئے۔ اس کے بعد ایک سے زائد بار حج کی سعادت حاصل کی۔

دربارِ عالمگیری سے تعلق :-

اوزنگ زیب عالمگیر دکن کے سنگتانوں میں کوہ نور دی کر رہا تھا۔ اسی دور میں ان کا شاہی فوج سے تعلق ہوا۔ اور یہیں اوزنگ زیب عالمگیر نے شاگردی اختیار کی۔ عالمگیر نے اُن سے کئی کتابیں پڑھیں اور عمر بھر اُن کا احترام کرتا رہا۔ اُن سے فرزندوں کی طرح پیش آتا تھا۔ ملا مصوف کی سادہ لوحی اور عالمگیر کی سعادت مندانہ اطاعت کے قصے اور لطیفے عام ہیں۔

حج ثانی :-

خیال پیدا ہوا کہ والدین کی طرف سے "حج بدل" کیا جائے والد کو خواب میں دیکھا کہ وہ حج کے طلب گار ہیں آخر ۱۱۱۲ھ میں عالمگیر سے اجازت حاصل کر کے دوبارہ ارضِ حجاز کا رخ کیا۔ تین سال بعد واپس دکن آئے اور آخر ۱۱۱۶ھ میں وطن مولودا مٹھی کو مراجعت کی۔

اوزنگ زیب کے جانشینوں سے تعلق :-

دربال وطن میں مقیم رہے۔ محمد معظم بادشاہ کے جلوس کے پہلے سال ۲۵ محرم ۱۱۱۹ھ کو طلبہ اور عقیدت مندوں کے ایک کثیر گروہ کے ساتھ دہلی کا سفر اختیار کیا۔ صفر کے آخر میں دہلی پہنچے۔ بادشاہ معظم موجود نہ تھا۔ دکن سے واپس آتے ہوئے اجیر میں ملا موصوف سے ملاقات ہوئی۔ اور بادشاہ انھیں اپنے ساتھ لاہور لے گیا۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ کا انتقال ہو گیا اور ملا موصوف دہلی منتقل ہو گئے۔

قیام دہلی کے دوران میں فرخ سیر سے ملاقات کی اور اس ملاقات کے ذریعے اہل وطن کی ممکن حد تک حاجت براری کی۔
ساختہ ارتحال :-

شروع ماہ ذی قعدہ ۱۱۳۰ھ سے ہی اپنے ساختہ ارتحال کی اطلاع دینا شروع کر دی تھی اور چاہتے تھے کہ اپنے وطن مولودہی میں وفات ہو لیکن قضا و قدر کی مصلحت اس کے خلاف تھی۔ ۸ ذی قعدہ کو حسبِ عادت طلبہ کو درس دیا۔ دیگر معمولات بخیر و خوبی انجام دیئے۔ نصف شب گزرنے پر سینے میں کچھ سوزش محسوس کی جو بڑھتے بڑھتے پہلو میں بھی ہونے لگی۔ فرزند عبدالقادر قریب ہی تھے۔ انھیں بلا کر بتایا کہ وقت آخر قریب ہے اور یہ کہہ کر جامع مسجد کے جنوبی دالان میں جا کر لیٹ گئے۔ کلہ طیبہ درو زبان تھا کہ روح قضیٰ عنصریٰ پر داز کر گئی۔ ملا عبدالقادر کا بیان ہے کہ وصال کی شب کو ایک ٹوٹے ہوئے تاسے کو دیکھ کر کہنے لگے کہ آج کوئی بہت بڑا عالم و فاضل اس جہان سے رخصت ہونے والا ہے اور یہ سچ ثابت ہوا۔

۹ ذی قعدہ ۱۱۳۰ھ / ۴ اکتوبر ۱۷۱۸ء کو تکیہ میر محمد شفیع میں امانتاً سپرد خاک کئے گئے اور ۱۲ محرم ۱۱۳۱ھ کو میت ایک تابوت میں رکھ کر امیٹھی منتقل کی گئی اور وہاں تدفین

مدرسہ اسلامیہ سے ملحق قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ شیخ تابع محمد نے جو ان کے استاد زادے اور شاگرد بھی تھے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا۔

محیط علم آن مولائے اعظم باحمد عزت جیون شمع معلم
جہاں رازدشتی زان شمع دیں بود بعلم ظاہر و باطن مسلم
چو رحلت کرد در ذی قعدہ تاسع بوصل دوست خود گشتہ مکرم
بتاریخش خرد داد بگو ششم نذا از کامل و فیاض عالم

۱۱۳۰ھ

قبر پر "و تیم نعمۃ علیک" کی لوح نصب ہے۔
تصنیفات :-

ملا جیون کی پوری زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری۔
سلسلہ قادریہ میں مرید تھے اور مجاز بیعت بھی سلسلہ چشتیہ سے بھی ان کا تعلق رہا
ہے۔ ان کے علم و فضل کی حقیقی آئینہ دار تو ان کی تصنیفات ہیں تاہم مولانا آزاد
بلگرامی کی یہ رائے کم وقعت نہیں رکھتی کہ

”حاصل کلام الہی و در دانش عقلی و نقلی بجز لا متناہی“

ملا موسوف سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ ادب احمدی (تصوف) ۲۔ خطبات جمعہ و عیدین

۳۔ رسالہ در علم تجرید ۴۔ مناقب الاولیاء (فارسی)

۵۔ نور الانوار (اصول فقہ) ابو البرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی کی
تالیف "منار الانوار" کی شرح ہے۔ یوں تو "منار الانوار" کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں لیکن
ان میں قبولیت صرف "نور الانوار" کو حاصل ہوئی۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ "نور الانوار"
کی زبان سادہ، طرز بیان دلکش اور طریقہ استنباط انتہائی آسان ہے۔ مدینہ منورہ

نیں ربیع الاول ۱۱۰۵ھ کو اسے لکھنا شروع کیا گیا اور ۶ جمادی الاول ۱۱۰۵ھ کو پایہ تکمیل کو پہنچی اس شرح کی تالیف میں کسی اداوی کتاب سے استفادہ نہیں کیا گیا۔

۶۔ تفسیر احمدی :- یہ تفسیر ۱۰۶۲ھ میں شروع کر کے ۱۰۶۹ھ میں ختم کی۔

۷۔ سولخ بر مجازات لواح جامی

مشاعری

ملا موصوف کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ مولانا روم کی "مثنوی معنوی" کے طرز پر ایک مثنوی لکھی جس میں چھ دفتر اور کم و بیش ۲۵ ہزار اشعار تھے حافظ شیرازی کے رنگ میں پانچ ہزار اشعار کے۔ قصیدہ بردہ کے طرز پر گیارہ سُوہیں اشعار کا قصیدہ جدا ہے اس کے علاوہ زیارت حرمین کے سفر میں اس کی شرح بھی لکھ ڈالی۔

مدینہ منورہ کے قیام میں جذبہ شوق میں کئی عربی قصائد لکھے جن کی داد اہل مدینہ نے خوب دی۔

احمد طحاوی

ابو جعفر احمد بن محمد بن سلام بن سلم بن عبد اللہ بن سلم بن سلیم الازدی الحجری ۵۲۹ھ / ۵۴-۸۵۳ء میں داوی نیل کے ایک گاؤں "مخطوط" میں پیدا ہوئے جو طحان کے قریب واقع ہے۔ طحاوی کی طرف نسبت کی وجہ سے امام طحاوی مشہور ہوئے۔ ان کا نسبی تعلق یمن کے قبیلہ ازد کی شاخ جبر سے ہے۔

امام طحاوی نے بکثرت اہل علم سے استفادہ کیا۔ مولانا فخر الحسن نے ان کے شیوخ کی تعداد ۱۲۲ بتائی ہے۔ انہوں نے اپنے ماموں ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی (م ۲۶۴ھ / ۸۷۷ء) سے سماعت کی ہے اور ان سے سنن شافعی کی روایت کرتے ہیں۔

ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی کا شمار امام شافعی کے سربراہ اور وہ اصحاب میں ہوتا ہے۔ امام طحاوی نے فقہ کی تعلیم ان سے پائی۔ کہا جاتا ہے کہ دورانِ تعلیم و تعلم استاد شاگرد کے درمیان علمی گفت و شنید ہوتی اور استاد اپنے ہونہار شاگرد کے اٹھائے ہوئے سوالات کا پوری طرح اطمینان بخش جواب نہ دے سکتے تھے شاگرد نے اپنی علمی پیاس بجھانے اور چھپتے ہوئے سوالات اور اشکالات کا حل تلاش کرنے کے لئے حنفی فقہ کا مطالعہ شروع کیا حنفی فقہ کے دلائل اور اخذ مسائل کا انداز اس قدر پسند آیا کہ یہی طریقہ استدلال اپنایا۔

امام طحاوی کے شیوخ میں ہارون بن سعید، ابو شرع محمد بن زکریا کاتب عمری،

ابو عثمان سعید بن بشر بن مردان، ربیع بن سلیمان، ابو جارت احمد بن سعید فہری، علی بن سعید بن نوح، عیسیٰ بن ابراہیم غافقی، یونس بن عبدالاعلیٰ، ابو قرہ محمد بن حمید عینی، مالک بن عبداللہ تجیبی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، ابراہیم بن منفذ خولانی، ابراہیم بن مرزوق، بحر بن نصر خولانی، سلیمان بن شعیب کیسانی وغیرہ اصحاب شامل ہیں۔

امام طحاوی تقریباً اٹھاسی سال عمر پا کر ذی قعدہ ۲۲۱ھ/۹۳۳ء میں فوت ہوئے۔

تصنیفات

امام طحاوی کی کتابوں کی تعداد اسی کے قریب ہے۔ کچھ اہم تصنیفات یہ ہیں۔
۱۔ معانی الآثار۔ اس تالیف میں اختلافی مسائل کے دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اہل علم نے اس کی شرحیں، حاشیے اور تلخیصات تیار کی ہیں۔ چند شارحین اور تلخیص کرنے والوں کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں۔

۲۔ حافظ ابو محمد منجی نے "اللباب" کے نام سے شرح لکھی جس کا ایک جزو مکتبہ ایا صوفیہ آستانہ میں محفوظ ہے۔

۳۔ حافظ عبدالقادر قرشی نے اس کی تخریج کی ہے جس کا ایک جزو دارالکتب مصریہ میں محفوظ ہے۔

۴۔ حافظ بدرالدین عینی نے دو شرحیں لکھیں۔ منتخب الافکار فی شرح معانی الآثار۔ (۸ جلد)۔ دارالکتب مصریہ کے ذخیرہ مخطوطات میں موجود ہے۔ (بانی الاخبار فی شرح معانی الآثار) ۵ جلدوں میں بخط مؤلف دارالکتب مصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔

۶۔ حافظ ابن البر نے تلخیص کی۔

۷۔ حافظ زلیعی مؤلف "نسیب الرایہ" نے بھی تلخیص کی۔

۱۔ محمد بن محمد باہلی نے تصحیح معانی الآثار کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

۲۔ کتاب شکل الآثار (مشکل الحدیث)

بعض احادیث میں بظاہر اختلاف اور تضاد نظر آتا ہے لیکن غور و فکر سے یہ تضاد نہیں رہتا۔ ایسی ہی احادیث زیر بحث لائی گئی ہیں۔ کتاب مشکل الآثار کی چند جلدیں حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہیں۔

۳۔ اختلاف الفقہاء / کتاب الاختلاف بین العلماء

یہ ایک ضخیم کتاب ہے لیکن ناممکن ہے۔ حسن اتفاق سے اس اہم کتاب کے چند اہم اجزاء دسمبر و زیادہ سے محفوظ رہ گئے ہیں۔ والا لکتب مصریہ قاہرہ میں ان اجزاء کی فوٹو کاپی ہے۔ اصل خطی نسخہ محمد مرتضیٰ حسینی صاحب "تاج العروس" کا لکھا ہوا تھا۔

یہ اجزاء ۳۲ کتابوں (اجزاء) پر مشتمل ہے لیکن ان میں سے پہلی کتاب "کتاب الصرف" اور اس طرح جزو کتاب "العقاق" بھی ناممکن ہیں۔

اسی فوٹو شیٹ کاپی سے ڈاکٹر صغیر حسن معصومی نے "اختلاف الفقہاء" کی ترتیب و تہذیب شروع کی جس کی پہلی جلد ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کی طرف سے شائع ہوئی۔ یہ جلد کتاب الصرف، کتاب العقاق، کتاب الصيد والذبايح، کتاب الایمان والکفارات، کتاب الحدود، کتاب القضا والشہادات پر مشتمل ہے۔

۴۔ حکام القرآن یہ کتاب میں اجزاء پر مشتمل ہے۔

۵۔ کتاب الشروط البکیر فی التوثیق۔ چالیس اجزاء پر مشتمل ہے۔ صرف ایک جزو شائع ہوا ہے

مخطوطات استنبول کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

۶۔ الشروط الاوسط و مختصر الشروط۔ پانچ اجزاء (خطی)

۵۔ مختصر الطحاوی فی الفقہ (مطبوعہ) اہل علم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔
۸۔ النوادر الفقیہ۔ دس اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس کے اجزاء میں حکم ارض مکہ، حکم الفی
والغنائم وغیرہ ہیں۔

۹۔ الروعی کتاب المدین۔ کتاب المدین، ابوعلی حسین بن علی الکرابیسی کی تالیف
ہے۔ اس کا روسے

۱۰۔ کتاب الاشریہ۔ ۱۱۔ الروعی عیسیٰ بن ابان۔ دو جزو۔

۱۲۔ الروعی ابی عبیدہ

۱۳۔ اختلاف الروایات علی مذہب الکوفیین۔

۱۴۔ شرح الجامع الکبیر امام محمد بن حسن شیبانی۔

۱۵۔ شرح الجامع الصغیر امام محمد بن حسن شیبانی۔

۱۶۔ کتاب الوصایا والفرایض۔ ۱۷۔ کتاب المحاضر والسجلات۔

۱۸۔ کتاب التاریخ الکبیر۔ ۱۹۔ کتاب النخل

۲۰۔ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ۔ (مناقب ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہے)

۲۱۔ عقیدۃ الطحاوی۔ عقائد کا مشہور متن ہے پرانا نام ہے۔ بیان اعتقاد اہل سنت

والجماعت علی مذہب الفقہاء المات ابی حنیفہ و ابی یوسف الانصاری و محمد بن الحسن۔

۲۲۔ تسویہ بین حدیثنا و اجرتنا۔ ۲۳۔ سنن الشافعی۔

۲۴۔ صحیح الآثار۔

احمد بن محمد قدوری

ابوالحسن احمد بن محمد بن احمد بن جعفر بغدادی ۳۶۲ھ / ۹۷۲ء میں پیدا ہوئے۔
ان کے عرف عام "قدوری" کے بارے میں مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ وہ "قدور" نامی علاقہ کے رہنے والے تھے دوسری رائے یہ ہے کہ کبھاروں کے محلہ میں رہنے یا ہنڈیا وغیرہ بچنے کی وجہ سے قدوری مشہور ہوئے۔
قدور، قدر کی جمع ہے جس کا مطلب ہنڈیا ہے۔

ثانی الذکر رائے چنداں تعجب خیز نہیں۔ کیوں کہ ہمارے اسلاف میں بہت سے لوگ اپنے پیشوں کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ امام جصاص اپنے پیشہ گجکاری کی طرف منسوب ہیں۔ پیتل کے برتن فروخت کرنے والے (صقار) عطر فروش (صدیلانی) اٹا بچنے والے (وقاق) صابون فروش (صابونی) قفل بنانے والے (ققال) سبزی فروش (بقال) اور معمولی کپڑوں کی تجارت کرنے والے (کراہیسی) نام ملتے ہیں۔

امام قدوری نے علم فقہ اپنے دور کے جلیل القدر فقیہ محمد بن یحییٰ جرجانی (م ۲۹۸ھ / ۱۰۰۷-۸ء) سے حاصل کیا تھا۔ فقہائے احناف میں سرآمد روزگار تھے۔ شیخ ابو حامد اسفرائینی شافعی سے ان کا مناظرہ رہتا تھا۔ روایت حدیث میں صدوق وثقہ مانے گئے ہیں۔

امام قدوری ۵۔ رجب ۴۲۸ھ / ۲۴۔ اپریل ۱۰۳۷ء کو بغداد میں فوت ہوئے

پہلے درجہ ابی خلف (کوچہ ابی خلف) میں دفن کئے گئے بعد میں حنفی فقیہ ابو بکر
خوارزمی (م ۵۴۰۳/۱۰۱۲ء) کے پہلو میں دفن کئے گئے۔
تصنیفات :-

امام قدوری سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ مختصر القدوری

متداول و معروف کتاب ہے۔ کثرت سے شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں۔

۲۔ کتاب تجرید۔ سات جلدوں پر محیط اس کتاب میں امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ

۴۶۷ھ) اور امام شافعی (م ۲۰۴ھ/۸۲۰ء) کے اختلافات جمع کئے گئے

ہیں۔ مؤلف نے ساتھ ہی محاکمہ کافر بیضہ بھی انجام دیا ہے۔

۳۔ کتاب تقریب فی الخلافات

اس کتاب میں ان مسائل پر گفتگو کی گئی ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں

میں مختلف فیہ ہیں۔

احمد مینی شروانی

احمد بن محمد تقی بن محمد علی بن ابراہیم شروانی ۱۷۸۶ء تا ۱۲۰۰ھ میں مین کے شہر
حیدرہ میں پیدا ہوئے۔ احمد شروانی کے جد امجد جابر بن عبداللہ انصاری تھے۔ اُن
کے اجداد مدینہ منورہ سے بغداد چلے گئے۔ پھر آب و دانہ کی کشش بغداد سے ہمارے
لے گئی۔ مرزا ابراہیم بہدانی (صاحب ترجمہ کے پروادا) نادر شاہ درانی کے وزیر
ہو گئے۔ انھوں نے شاہ مذکور کے مظالم کو دیکھتے ہوئے ملازمت سے استعفا
دیا اور نجف اشرف میں سکونت اختیار کر لی۔ اُن کے فرزند رشید مستوفی الملک
محمد علی قہر نادری کا شکار ہوئے اور موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے مستوفی الملک
کے بیٹے مرزا محمد تقی رزپوش ہو گئے اور شیخ محمد کا نام اختیار کر کے شروان میں رہتے
لگے۔ پھر نجف اشرف پہنچے اور سید مہدی طباطبائی مجتہد العصر کے سامنے زانوئے تلمذتہ
کیا۔

نادر گروی میں شیخ مہر کے چچا مرزا محمد حسن خاں بنارس (بہند) آگئے تھے
جب انھیں اپنے چچا کے باسے میں پتہ چلا تو وہ بھی بنارس آگئے۔ لیکن اُن کی آمد
کے تھوڑے دن بعد مرزا محمد حسن خاں کا انتقال ہو گیا۔ شیخ محمد کی اولاد سے اُن کی زمین
سکی اس لیے بنارس سے لکھنؤ چلے گئے۔ یہاں اُن دنوں نواب آسفت الدولہ کی
حکومت تھی۔ انھوں نے خوب آؤ بھگت کی اور آرام و آسائش میں زندگی گزارنے لگی

کچھ مدت بعد میں چلے گئے اور ایک تاجر سید محمد حیدر بھنڈاری کی بیٹی سے شادی کی جن کے لطن سے شیخ احمد پیدہ ہوئے۔

شیخ احمد نے معرفت علمائے عصر - محسن نحعی، بہاء الدین عالی، علی زبیری اور ابراہیم صنعانی سے اکتسابِ علم کیا۔ عنقریب ان شباب میں ہندوستان آئے اور مختلف شہروں میں گھومتے گھاتے کلکتہ پہنچے۔

کلکتہ میں مدرسہ عالیہ کے سیکرٹری ڈاکٹر لیمسٹڈاؤن (LAMASDOWN) سے ملاقات ہوئی۔ لیمسٹڈاؤن نے مدرسہ عالیہ میں عربی زبان کی تدریس کی خدمت اُن کے سپرد کی۔ مدرسہ عالیہ میں کتنا عرصہ رہے؟ اس کے بارے میں مدرسہ عالیہ کا تاریخ نگار لکھتا ہے۔

”اس امر کا پتہ نہ چل سکا کہ آپ کتنے دنوں تک مدرسے میں رہے البتہ ڈاکٹر لیمسٹڈاؤن کے سیکرٹری رہنے کا زمانہ ۱۸۲۱ء سے شروع ہوتا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ آپ اس کے بعد تشریف لائے ہوں گے اور ۱۸۳۰ء سے پہلے گئے ہوں گے کیوں کہ اس سال ڈاکٹر لیمسٹڈاؤن مدرسہ سے رخصت ہو گئے تھے“

مدرسہ عالیہ سے ترک تعلق کر کے کلکتہ گئے اور غازی الدین حیدر کے صاحب بن گئے۔ رکن الدولہ سید محمد اسماعیل خاں رضوی مرشد آبادی کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ غازی الدین حیدر کے انتقال کے بعد لکھنؤ سے ان کا دل اچاٹ ہو گیا۔ چندے بنارس میں قیام کیا۔ یہاں سے نواب جہانگیر محمد خان والنسی بھوپال کے اتالیق مقرر ہو کر بھوپال چلے گئے۔ بعد میں بمبئی کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے پونا پہنچے اور وہیں ۲۱ مئی ۱۸۴۰ء / ۱۹ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ کو انتقال ہوا۔

تصنیفات :-

شیخ احمد بڑے باکمال شخص تھے۔ اپنے وقت کے متنبی اور حریری تسلیم کئے گئے۔
تمام تذکرہ نگاران کے علم و فضل کی تعریف میں رطب اللسان ہیں ان سے مندرجہ
ذیل تصنیفات یادگار ہیں۔

۱۔ نغمة الیمن۔ یہ کتاب انھوں نے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے دوران قیام میں لکھی تھی۔
بہت عرصہ مدرسہ عالیہ کے نصاب میں شامل رہی۔ اب بھی بعض مدارس میں پڑھائی
جاتی ہے۔

۲۔ عجب العجاب بما لیفید الکتاب۔ عربی مکتوبات کا مجموعہ ہے۔

مولوی عبدالرحیم لکھتے ہیں۔

مدرسہ فورٹ ولیم کے ناظر اعلیٰ (پرنسپل) کے ایام سے لکھی گئی اور پہلی مرتبہ
۱۸۱۳ء میں بمقام کلکتہ چھپی۔

مولوی صاحب نے مدرسہ فورٹ ولیم کا ذکر کیا ہے۔ غالباً مدرسہ عالیہ کے پرنسپل
کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔

۳۔ الجوبہ الوقادنی شرح بانس سعاد

۴۔ مناقب حیدریہ۔ غازی الدین حیدر فرمانروائے اودھ کی تعریف و منقبت میں یہ
کتاب لکھی گئی ہے۔

۵۔ تاج الاقبال فی تاریخ ملک بھوپال۔

۶۔ منبج البیان

۷۔ حدیقہ الافراح

۸۔ حواری التفریح

۹۔ الشافی

۱۰۔ الکاتب۔ مولوی رشید الدین خان بلوی

۱۱۔ سحر النفاوس

(م ۱۲۴۹/۳۴-۱۸۳۳ء) اور شیخ احمد شروانی کے خطوط کا مختصر مجموعہ ہے جو ۱۳۱۵ھ میں مطبع مجتہائی دہلی سے شائع ہوا۔
احمد شروانی پر اعتراضات :-

مختلف اسباب کی بنا پر احمد شروانی کی کتابوں کا جواب لکھا گیا۔ نفعۃ الیمن کے جواب میں مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ رسالہ نفعۃ الہند، جواب نفعۃ الیمن۔ تالیف حسین بخش کاکوروی (م ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۸ھ/۸ جولائی ۱۸۴۲ء)

۲۔ اعتراضات علی نفعۃ الیمن۔ رضا حسن خان کاکوروی (م ۱۹ ربیع الاخریٰ ۱۲۶۶ھ/۴ مارچ ۱۸۵۰ء)۔

۳۔ نفعۃ العرب۔ اعزاز علی دلپنڈی۔

حسن رضا خاں کاکوروی نے نفعۃ الیمن کا جواب لکھنے کے علاوہ احمد شروانی کی تردید میں یہ کتابیں بھی لکھیں۔

۱۔ اعتراضات علی عجب العجاب

۲۔ نزہۃ الارواح اعتراضات علی حدیقۃ الافراح لازالۃ الابراج

اولاد :-

محمد عباس شروانی رفعت شاگرد اسد اللہ خاں غالب ان کے نامور فرزند ہیں۔

بنا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ایک رستے ہوئے ناسور کی وجہ سے اُن کی ٹانگ کاٹ دی گئی تھی۔

علامہ زمخشری کو ٹانگ کے کٹے ہونے کا شدید احساس تھا۔ اُن کے پاس ہمیشہ ایک رچرہ ہوتا تھا جس میں معروت اور واقف کار لوگوں کی شہادتیں درج ہوتی تھیں کہ ان کی ٹانگ کسی سنگین جرم کی سزا میں نہیں کاٹی گئی بلکہ ایک حادثہ میں ضائع ہوئی۔ ابن خلکان نے ایک روایت بیان کی ہے کہ جب زمخشری بغداد گئے تو اُن سے فقہ حنفی دامعانی (م ۵۵۴۰) نے ٹانگ ضائع ہونے کی وجہ دریافت کی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اس کا باعث میری والدہ کی بددعا ہے اور یہ قصہ سنایا کہ وہ بچپن میں پرنڈوں کو کپڑے بیٹے تھے اور ان سے کھیلتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک چڑیا پکڑی اور اس کی ٹانگ سے باریک دھاگا باندھ دیا۔ چڑیا نے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں وہ ایک سوراخ میں گھس گئی۔ انہوں نے شکار کو ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر دھاگے کو زور سے کھینچا اور چڑیا کی ٹانگ اکھڑ کر الگ ہو گئی۔ یہ سارا ماجرا ان کی والدہ دیکھ رہی تھی انہوں نے غصے میں کہا کہ بخت! تو ہمیشہ پرنڈوں کو تگ کرتا رہتا ہے اور اب اس چڑیا کی ٹانگ توڑ دی ہے۔ خدا تجھے بھی ایسا ہی کرے!

زمخشری معذور تھے لیکن ہنس مکھ اور ظریف الطبع شخص تھے۔ علم و ادب میں اپنی مثال آپ تھے۔ مکہ معظمہ سے واپس وطن جا رہے تھے کہ یوم عرفہ کی رات ۱۱۳۴/۵۲۸ھ کو حجازیہ کے مقام پر وفات پائی۔ حجازیہ خوارزم میں دریائے جیحون کے کنارے ایک بستی ہے۔

تصنیفات :-

علامہ زمخشری ایک بلند پایہ عالم، ادیب، شاعر، لغوی اور فلسفی تھے۔ ان سے کم و بیش

پچاس کتابیں یادگار ہیں۔ چند اہم کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ تفسیر کشاف

تفسیر کا پورا نام "الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجہ التائیل" ہے۔ ۷۳۔ ربیع الاخریٰ ۵۲۸ھ کو مکمل ہوئی۔ اس تفسیر میں اعتراض ال پایا جاتا ہے۔ اس نئے علامہ ابن خلدون، ابن قیمؒ اور جلال الدین سیوطی نے اسے عقائد اسلام کے خلاف قرار دیا ہے۔ شرف الدین طیبی حنفی نے کشاف پر تنقید لکھی ہے اسی طرح البرحیان اندلسی نے تفسیر کشاف پر تبصرہ کرتے ہوئے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔

اعتزال کے باوجود ادبی و فنی اعتبار سے کشاف بے مثال تفسیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج تک مدارس میں پڑھائی جا رہی ہے تفسیر بیضاوی کے بعد سب سے زیادہ حواشی اور شرحیں اسی کی لکھی گئی ہیں۔ پاک و ہند کے چند اہم حاشیہ نگار یہ ہیں

۴۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (م ۵۸۲۵) نے کشاف پر حاشیہ لکھا تھا۔

۵۔ عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ)

۶۔ ابوالحسن تانا شاہ

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرید و خلیفہ حمید الدین ناگوری کے ہاں میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اسے آٹھ جلدوں میں بندھوایا تھا تاکہ مطالعہ میں آسانی رہے۔

۲۔ المفصل فی النحو و الصوائت الاعراب ۳۔ اساس البلاغہ

۴۔ الفائق فی غریب الحدیث ۵۔ اطواق الذهب فی المواعظ

۶۔ البدور السافره فی الامثال السائرہ ۷۔ المقامات

جلال الدین دوانی

مسلم فلاسفہ میں گنتی کے چند افراد "محقق" کے خطاب سے علمی دُنیا میں معروف ہیں اُن میں سے ایک محقق جلال الدین دوانی ہیں اُن کا نام محمد، لقب جلال الدین ہے اور وطن کی نسبت سے دوانی کہلاتے ہیں۔ اُن کے والد سعد الدین اسعد دوان کے منصب قضا پر فائز تھے۔ اُن کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔

۱۲۲۶-۲۶/۵۸۳۰۵۰ء میں صوبہ شیراز کے ضلع گازرون میں "دوان" نامی ایک چھوٹی سی بستی میں پیدا ہوئے۔ یہ بستی گازرون کے شمال میں تقریباً دو رستخ کے فاصلے پر واقع ہے۔

تعلیم و تربیت :-

محقق دوانی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سعد الدین اسعد سے حاصل کی جو اپنے دور کے نامور علماء ہیں شمار ہوتے تھے۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے شیراز گئے۔ اُس وقت شیراز میں سید شریف جرجانی کے دو ممتاز شاگردوں خواجہ حسن بقال اور مولانا محی الدین انصاری کو شنکاری کا طوطی بولتا تھا۔ دوانی نے ان دونوں بزرگوں سے اکتساب فیض کیا اور اُن کی علمی مجالس سے جی بھر کر خوشہ چینی کی۔ بعض فارسی کتابیں مولانا بہام الدین گلباری سے پڑھیں جنہوں نے "طوالع اللوار" کی ایک مفید شرح کھی ہے۔ علم حدیث کی تحصیل کے لئے شیخ صفی الدین ایچی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور اپنی خدا داد صلاحیتوں کی بدولت عنقریب ان شباب ہی میں علوم مروجہ کی تحصیل کر لی

اور وقت کے چیدہ علماء میں شمار ہونے لگے۔
 کہا جاتا ہے کہ جن دنوں وہ شیراز میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ نہایت تنگدست
 تھے۔ غسرت اور افلاس کا یہ عالم تھا کہ رات کو مطالعہ کے لئے چراغ کا تیل تک خرچ کرنے
 کی استطاعت نہ رکھتے تھے مگر مالی مشکلات کا مقابلہ کمال صبر و ضبط سے کیا اور تحصیل علم کے
 لئے برابر کوشاں رہے بعض اوقات شیراز کی جامع مسجد کے صدر دروازے میں روشن
 چراغ کے پاس کھڑے ہو کر مطالعہ کرتے تھے۔

دورانِ تعلیم میں جس قدر غسرت اور تنگ دستی کے دن گزارے تھے۔ تعلیم سے
 فراغت کے بعد اسی قدر خوشحالی کے دروازے وا ہو گئے انہوں نے دولت و ثروت
 کے حصول میں پوری کوشش کی تھی۔ اس سلسلہ میں ان کا نقطہ نگاہ عام علمائے دین سے
 مختلف تھا وہ علم کی اشاعت اور اس کی ترویج کے لئے مال و دولت کو بہت
 ضروری خیال کرتے تھے۔ ان ہی کا ایک شعر ہے:

مرا بہ تجربہ روشن شد این در آخر حال
 کہ قدر مرد بہ علم است قدر علم بہ مال

علمی مشاغل:

دوانی کی علمی شہرت سن کر دور و نزدیک سے طلبہ پروانہ داران کی خدمت میں
 حاضر ہونے لگے تھے۔ ان کی علمی پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ وہ امیر زادہ پورہ
 بن مرزا جہاں شاہ کی علمی مجلس کی صدارت بھی کرتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد اس منصب سے
 مستعفی ہو کر شیراز کے مدرسہ بیگم میں جو دارالالتیام بھی کہلاتا تھا میں فرائض تدریس
 انجام دینے لگے۔

اس وقت عراق، فارس اور آذربائیجان کا حاکم سلطان یعقوب بائندری
 (۱۸۸۳ء تا ۱۸۹۶ء) سلطان یعقوب نے دوانی کے علمی تجربہ اور خدا داد ذہانت کو

دیکھتے ہوئے انہیں فارس کا قاضی القضاة مقرر کیا چنانچہ سلاطین بامندری کے عہد میں اس منصب جلیلہ پر فائز رہ کر عدل و انصاف کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ فرائض منصبی سے جو وقت بچتا وہ تصنیف و تالیف میں گزارتے تھے۔

دوانی کی شہرت نہ صرف علمی حلقوں بلکہ امراء و سلاطین کے درباروں میں تھی اس لئے امراء و سلاطین انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوتیں دیتے رہتے تھے۔ ایسی ہی دعوتوں کے سلسلہ میں دوانی نے عربستان، تبریز اور بغداد کا سفر کیا تھا۔

معاصرانہ چشمک

دوانی کے معاصرین میں میر صدر الدین شیرازی اور ان کے صاحبزادے میر عیاش الدین منصور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میر صدر الدین شیرازی کو معقولات میں کمال حاصل تھا اور فلسفہ و منطق میں ان کے متعدد حواشی اور رسائل یادگار تھے شیرازی اور دوانی ایک دوسرے کو حریبت پنج کش خیال کرتے تھے۔ حکام وقت بھی ان کی معاصرانہ چشمک سے بخوبی آگاہ تھے اور شیراز کے حاکم دونوں عالموں کے درمیان تبادلہ خیالات کا اہتمام کرتے رہتے تھے۔

جب دوانی نے مولانا علامہ الدین قوشچی کی "شرح تہجد" پر حاشیہ لکھا تو خود مولانا قوشچی نے دوانی کے علم و فضل کی تعریف کی لیکن میر صدر الدین شیرازی نے اس پر اعتراضات کئے۔ یہ دیکھ کر دوانی نے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے ایک دوسرا حاشیہ لکھا۔ امتیاز کی خاطر پہلے حاشیہ کو "حاشیہ قدیم" اور دوسرے کو "حاشیہ جدید" کا نام دیا گیا۔ شیرازی نے نئے حاشیے پر بھی اعتراضات کئے اور دوانی کو قیسری بار "حاشیہ احد" لکھنا پڑا۔

شرح تہجد کے علاوہ "شرح مطالع" اور "شرح عقیدی" کے سلسلہ میں بھی دونوں معاصرین میں اعتراض و جواب کا سلسلہ جاری رہا اور اس طرح دونوں شرحوں کے

دو دو حواشی لکھے گئے اور امتیاز کی خاطر قدیم و جدید کہلانے۔

سلطان یعقوب باندھری کے دربار میں ایک دوسرے فاضل مولانا اسحاق
نیریری سے بھی اُن کے علمی مباحثے اور مناظرے رہا کرتے تھے۔

شیراز سے ترک سکونت ۱۔

محقق دوانی کی عمر کا معقول حصہ سلاطین باندھری کی سرپرستی میں گزارا سلطان یعقوب
کے بعد اُس کے بیٹے بانشقر نے ڈیڑھ سال حکومت کی اور اس کے جانشین رستم بیگ
نے پانچ سال تک حکمرانی کے فرائض انجام دیئے۔ اس دور میں احمد شاہ باندھری
عثمانی سلطان بایزید یلدرم کی مدد سے ذیقعدہ ۹۰۲ھ کو رستم بیگ سے اقتدار حاصل
کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نئے بادشاہ نے دوانی کی قدر و منزلت میں کوئی
فرق نہ آنے دیا بلکہ اس میں کچھ اضافہ ہی ہوا۔ احمد شاہ کی مہربانی اور لطف و کرم کو دیکھتے ہوئے
اُس کے مخالف تاسم بیگ نے جلال الدین دوانی کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور اُن کی دولت و
ثروت کا ایک حصہ بھی چھین لیا۔ دوانی نے تاسم بیگ کا لقمہ تر بننے سے یہی بہتر سمجھا کہ
شیراز چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ وہ شیراز سے ترک سکونت کر کے جردن چلے گئے۔

آخری ایام ۲۔

۹۰۸ھ / ۱۵۰۲ء میں جب باندھری خاندان کے سلطان ابوالفتح بیگ نے
اقتدار حاصل کیا تو واپس شیراز آئے۔ ابوالفتح بیگ نے پرجوش استقبال کیا لیکن چند دنوں
بعد ۹۔ ربیع الاخریٰ ۹۰۸ھ / ۱۲۔ اکتوبر ۱۵۰۲ء کو مرض اسہال دوانی کا انتقال ہو گیا اور
وہ دوان میں دفن کئے گئے۔

تصنیفات ۳۔

دوانی نے عربی و فارسی دونوں زبانوں میں علم و ادب کا خاصا ذوق و خیرہ یادگار
چھوڑا ہے۔ ان ہی گہرے گراں مایہ کے پیش نظر قوم نے انھیں محقق کا خطاب دیا۔

دوانی کے رشحاتِ قلم میں زیادہ تر حواشی اور شرحیں ہیں تاہم چند مستقل بالذات کتابیں بھی ہیں۔ دوانی کی معروف تصنیفات یہ ہیں :-

حواشی :-

۱۔ حاشیہ قدیم بر شرح تجرید۔

۲۔ حاشیہ جدید بر شرح تجرید۔

۳۔ حاشیہ جدید بر شرح تجرید

۴۔ حاشیہ قدیم بر شرح مطالع۔ قاضی سراج الدین محمود (م ۱۸۹۹ھ) نے منطق میں "مطالع الاوار" لکھی۔ اس کی شرح قطب الدین رازی نے "لوامع الاسرار" کے نام سے ترتیب دی۔ دوانی نے شرح پر حاشیہ لکھا۔

۵۔ حاشیہ جدید بر شرح مطالع۔

۶۔ حاشیہ شرح عضدی۔ ابن حاجب (م ۶۷۶ھ) کی کتاب "مختصر الاصول" پر عضد الدین ایچی اور سید شریف جرجانی نے شرحیں لکھیں۔ شرح عضدی کے ابتدائی حصہ پر دوانی نے حاشیہ لکھا ہے۔

۷۔ حاشیہ حکمت العین (سواد العین)

۸۔ حاشیہ تہذیب المنطق والكلام

شرح :-

۹۔ شرح بیاض النور۔ "بیاض النور" اشراقی فلسفی شیخ شہاب الدین کی مشہور تالیف ہے۔ دوانی نے اس کی شرح "شواکل الخور" کے نام سے لکھی۔ اس شرح کی بہت کچھ ترویج و تائید ہوئی ہے۔ دوانی نے یہ شرح برصغیر کے مشہور مدبر خواجہ محمود گادواں کے نام منسوب کی تھی۔

۱۰۔ شرح عقائد عضدی :- قاضی عضد الدین ایچی کی کتاب "العقائد العضدیہ" کی معروف

دستِ اول شرح ہے جو ۱۰۰۵ء میں جرون میں لکھی گئی۔

۱۱۔ شرح اربعین نووی :- امام سحیٰ بن اشرف نووی کی معروف تالیف "الربعین نووی"

کی شرح ہے مستقل کتب

۱۲- اخلاق جلالی، (لوامع الاشراف فی مکارم الاخلاق)

اخلاق جلالی، محقق دوانی کی معروف ترین تالیف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان حسین اپنا اکثر وقت کتب بینی میں صرف کرتا تھا اُسے اپنے کتب خانہ میں فلسفہ اخلاق پر ایک کتاب ملی جو یونانی فلسفیوں کے افکار و خیالات پر مبنی تھی۔ علم دوست بادشاہ نے اسلامی فلسفہ اخلاق پر جلال الدین دوانی سے ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی۔ اس طرح یہ کتاب معرض وجود میں آئی۔

اس کتاب کی بنیاد محقق نصیر الدین طوسی کی "اخلاق نامری" ہے جو ابن مسکویہ (م ۴۲۱) کی کتاب الطہارۃ کا ترجمہ ہے۔ اخلاق جلالی کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے ۱۸۲۹ء

میں W H. Thompson نے Paractical Philosophy

of the Mohammanadan People کے نام سے انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ علامہ صدر الدین شیرازی کے صاحبزادے عیاش الدین منصور نے "اخلاق جلالی"

کے مقابلے میں "اخلاق منصور" لکھی جس میں "اخلاق جلالی" اور محقق دوانی کی دوسری کتاب "شرح ہیا کل النور" پر اعتراضات کئے۔

۱۳- اخذ فی العلوم بہ یہ رسالہ دس علوم کی تحقیق پر مشتمل ہے بطور خاص اس میں مسئلہ حدوث عالم سے بحث کی گئی ہے۔ سلطان محمود شاہ گجراتی کے نام منون ہے۔

۱۴- رسالہ زوراء: دوانی نے بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارے خراب میں

حضرت علیؑ کو دیکھا۔ انہوں نے اس التفات کے پیش نظر یہ رسالہ لکھ کر حضرت علیؑ

کے مزار پر پڑھا۔ رسالہ کا موضوع فلسفہ و تصوف ہے۔ یہ رسالہ ۵۸۷۰ھ / ۱۲۶۵ء میں مکمل

ہوا تھا۔ قاہرہ سے تعلیقات کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

رسالہ نہایت مفصل اور مختصر ہے اس لئے عام فہم نہیں۔ رسالہ زوراء کی کئی
شریوں لکھی گئی ہیں۔ مولف نے خود بھی اس کی شرح لکھی۔ محذوم نعمت اللہ سندھی کی
شرح بہت عمدہ ہے۔



جلال الدین محلی

جلال الدین محلی بن احمد المحلی الشافعی ۱۰۹۱ھ / ۱۳۸۹ء میں مصر میں پیدا ہوئے
بدر محمود اور علماء البخاری سے اکتساب علم کیا۔ محرم ۸۶۲ھ / ۱۴۵۹ء میں وفات پائی۔
ان کی کئی ایک تصنیفات میں مشہور صرف جلالین کا نصف آخر ہے۔ انھوں نے
سورہ الکہف سے الناس تک اور پھر سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھی بعد میں اس کی
تکمیل امام سیوطی نے کی۔



حام الدین محمد

حام الدین محمد بن محمد بن عمر فرغانہ میں نہر شباس کے کنارے واقع قصبہ اخیکٹ کے رہنے والے بلند پایہ عالم دین تھے۔ اگرچہ اُن کی شہرت "حام الدین" کے لقب سے ہے تاہم انہیں "ابن ابی المناقب" کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

۶۲۴ھ / ۱۲۴۷ء میں فوت ہوئے۔

اُن کی قلمی یادگاروں میں سے "المنتخب فی اصول المذاہب" (حامی العظامی یا المنتخب الحامی) اصول فقہ کی اہم کتاب ہے۔

حامی کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ التحقیق۔ عبد العزیز بن احمد بخاری۔ متداول اور اہم شرح ہے۔

۲۔ النامی شرح حامی۔

۳۔ نظامی شرح حامی۔

حسن بن عمار الشرنبلالی

حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصری ۳۹۹ھ/۱۵۸۵ء میں "بلولہ" نامی قصبہ میں پیدا ہوئے وہاں سے قاہرہ چلے آئے اور جامعہ ازہر میں تعلیم پائی فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور اپنے دور کے نمایاں فقہاء میں سے تھے۔
۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء میں قاہرہ میں وفات پائی۔ ان سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔ صرف پہلی تین زیور طباعت سے آراستہ ہوتی ہیں۔ باقی ہنوز مختلف کتب خانوں میں مخطوطات کی صورت میں ہیں۔

- ۱۔ نور الایضاح۔
- ۲۔ مراقی السعادت۔
- ۳۔ غنیۃ ذوی الاحکام حاشیہ در الاحکام۔
- ۴۔ مراقی العلاح شرح نور الایضاح۔
- ۵۔ شرح منظومہ ابن وہبان۔
- ۶۔ تحفۃ الاکمل۔
- ۷۔ التحقیقات القدسیہ۔
- ۸۔ العقد الفریدی فی التقلید۔
- ۹۔ رسائل الشرنبلالی۔ چھوٹے بڑے رسائل کی تعداد ۲۸ ہے۔

میر حسین میبذی یزدی

"میبذ" یزد سے کوئی دس فرسخ کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے۔ میر حسین کے آباؤ اجداد یہیں کے رہنے والے تھے اور وہ دبیز سوتی چادریں تیار کرنے میں ماہر تھے۔ میر حسین نے مروجہ تعلیم حاصل کی اور تعلیمی سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ محقق جلال الدین دوانی، سلطان یعقوب باندھی کے دربار میں تھے، اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ سلطان باندھی کے دربار میں مولانا اسحاق نیری اور محقق دوانی کے درمیان اکثر مباحثہ رہتا تھا۔ مولانا اسحاق نہایت لسان اور زود گو تھے۔ ایک دفعہ مباحثہ ہوا۔ محقق دوانی نے مدلل اور محققانہ گفتگو کی مگر مولانا اسحاق کی طلاقت لسانی کے سامنے اُن کی ایک نہ گئی۔ میر حسین میبذی مجلس مباحثہ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھے انہوں نے اپنے استاد کی بے بسی دیکھتے ہوئے کہا کہ مولانا اسحاق کو میرے اُتار سے پہلے مجھ سے گفتگو کرنی چاہیے۔ میبذی نے ایسی عمدہ گفتگو کی کہ مولانا اسحاق کی تمام فصاحت و بلاغت بیکار ہو گئی اور حاضرین مجلس عیش عیش کر اُٹھے۔

میر مجلس قاضی صفی الدین عیسیٰ تبریزی نے میر حسین میبذی کے وطن اور خاندان کے بارے میں دریافتِ حال کے بعد یزد اور اُس کے طلقات کا عہدہ قضا اُن کے سپرد کرنے کی سفارش کی۔ بادشاہ نے میبذی کو خلعتِ فاخرہ سے نوازا اور یزد کے قاضی مقرر کئے گئے۔

میبذی علمی زندگی گزار رہے تھے کہ شاہ اسماعیل صفوی نے دشمنی کی بنا پر ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۵ء میں قتل کروا دیا۔

تالیفات :-

میںڈی سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ شرح ہدایت الحکمت :- اثیر الدین اپہری کی تالیف "ہدایت الحکمت" کے تین علوم (منطق، طبیعیات، انہیات) میں سے صرف آخری قسموں کی حامل المقتن شرح ہے۔

میںڈی برصغیر میں آئے اور نہ ان کا کوئی شاگرد ہی آیا لیکن "شرح ہدایت الحکمت" جو ان کے نام پر "میںڈی" مشہور ہے، یہاں آئی اور ملا نظام الدین سہالوی کی نگاہ انتخاب میں آگئی اور مدارس عربیہ میں پڑھائی جانے لگی۔

شرح ہدایت الحکمت کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ آج تک حکمت و فلسفہ کی اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔ متعدد علماء نے اس پر حواشی لکھے ہیں چند معروف حاشیہ نگاریہ ہیں :-

✦ مولانا عین القضاة

✦ امام الدین الریاضی صاحب "نہایت الحکمت"

✦ مفتی اسماعیل بن وجیہ الدین مراد آبادی (م ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء)

۲۔ جام گیتی نما (فلسفہ)

فارسی زبان میں فلسفیانہ مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔

۳۔ حاشیہ طوابع الانوار۔
۴۔ حاشیہ رسالہ تفسیر۔

حسین بن عبداللہ توقانی

حسین بن عبداللہ جو حسام الدین کے لقب سے بھی معروف ہیں۔ یڑے نیکوکار اور زاہد بزرگ تھے۔ عمر بھر تدوین و تالیف میں مشغول رہے۔ ایک عرصہ منصب قضا کو بھی رونق دی۔ ان کے اساتذہ میں عبدالرحمان مؤید زادہ کا نام ملتا ہے۔ ان کی تصنیفات سب ذیل ہیں۔

- ۱۔ شرح مائتہ عامل۔
 - ۲۔ حواشی شرح وقایہ۔
 - ۳۔ حواشی شرح تجرید (سید شریف جرجانی)۔
 - ۴۔ تعلیقات بر اسباب قوس قزح۔
 - ۵۔ رسالہ در جواز ذکر جہر۔
 - ۶۔ استخلاف الشطیب۔
- حسین بن عبداللہ ۹۲۶ھ/۲۰۱۹-۱۵۱۹ء میں قسطنطنیہ میں فوت ہوئے۔

حمد اللہ سندیلوی

سندیلو ضلع ہر دوتی (بھارت) کا ایک قدیم اور مردم خیز قصبہ ہے۔ لکھنؤ سے تیس میل کے فاصلے پر مراد آباد جانے والی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ اس کی قدامت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ تاریخ فیروز شاہی (شمس سراج عصفیہ) میں اس کا ذکر موجود ہے اور ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس قصبہ کے مسلمانوں کا خیال ہے کہ اسے شاہ نصیر الدین چراغ دہلی (م ۷۵۷ھ) کے خلیفہ مخدوم سید علاء الدین (م ۷۶۲ھ) نے آباد کیا تھا۔

عبد معلیہ ہیں سندیلو ایک مشہور شہر تھا۔ اس دور کی اکثر تاریخوں میں سندیلو کا ذکر ہے۔ نوابان اودھ کے زمانہ میں اسے خاص اہمیت حاصل تھی۔ حکومت کا انتظامی عہدہ دار یہاں رہتا تھا اور اس کے ساتھ فوج بھی۔ اس وقت سندیلو کی آبادی تقریباً بائیس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔

حمد اللہ بن حکیم شکر اللہ بن شیخ دانیال بن پیر محمد صدیقی تھیں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم شکر اللہ، حاذق حکیم تھے اور علم و ادب سے دلچسپی رکھتے تھے۔

حمد اللہ نے ملا کمال الدین فتح پوری اور ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ) سے اکتساب فیض کیا تھا۔ مولانا فضل امام خیر آبادی لکھتے ہیں۔

”ازتلا زندہ ملا کمال الدین است مگر فاتحہ فراغ۔ ازتلا نظام الدین خواند“

تعلیم سے فراغت کے بعد تدریس کا شغل اختیار کیا اور "سندیلہ" میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ مدرسہ کے مصارف کے لئے بادشاہ وقت کی طرف سے اراضی وقف تھی۔ وہ اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے پیش نظر "فضل اللہ خاں" کے خطاب شاہی سے نوازے گئے۔ درس و تدریس میں مشغول ۱۱۶۰ھ تا ۱۲۷۷ھ میں بمبئی میں وفات پائی اور حضرت قطب الدین اوشی کے مزار کے جنوب مغرب میں مدفون ہوئے۔

تلامذہ: ۱۔ مولف "تذکرہ علمائے ہند" کے ان کے چند معروف تلامذہ کے نام لکھے ہیں۔

- | | |
|----------------------------------|---|
| ۱۔ قاضی احمد علی سندیلوی (داماد) | ۲۔ ملا باب اللہ جوہپوری۔ |
| ۳۔ حیدر علی سندیلوی (فرزند) | ۴۔ احمد حسین لکھنوی۔ |
| ۵۔ محمد اعظم قاضی زادہ سندیلوی | ۶۔ عبداللہ بن زین العابدین مخدوم زادہ سندیلوی |

تصنیفات:

ملاحظہ اللہ سے حسب ذیل تصنیفات یادگار ہیں۔

- ۱۔ شرح تصدیقات سلم العلوم معروف بہ "حمد اللہ"۔ یہ شرح نہایت گنجگاہ ہے۔ حیدر علی سندیلوی اور حکیم شریف خاں دہلوی (م ۱۲۱۳ھ) اور مفتی عبداللہ ٹونکی نے حواشی لکھے ہیں مفتی عبداللہ ٹونکی کے حاشیہ کو کافی شہرت حاصل ہے۔
- ۲۔ حاشیہ شمس بازغہ
- ۳۔ حاشیہ صدر۔
- ۴۔ شرح زبیرۃ الاصول عاملی۔

حمید الدین

ملا حمید الدین بن ملا غازی الدین بن ملا محمد غوث بن ملک ابوالخیر۔ ۲ رمضان ۱۱۳۲ھ / ۲۶ جولائی ۱۷۱۹ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے۔ اُن کے خاندان میں کئی نسلوں سے علم و تقیہ کی روایت چلی آرہی ہے۔ اُن کے والد ملا غازی الدین بلند پایہ عالم تھے اور دادا ملا محمد غوث قناری عالمگیری کے مرتبین میں شامل تھے۔

ملا حمید الدین کی عمر چھ سال تھی کہ اُن کے والد ایک بھگڑے میں مارے گئے۔ ملا نے شاہ محمد وارث کاکوری اور مولوی محب الرحمان کاکوری سے تعلیم حاصل کی تکمیل تعلیم کے بعد وہلی گئے اور دوبارہ مغلیہ سے منسلک ہوئے اور اپنے خاندان کا منصب حاصل کر لیا تاہم وہلی میں اُن کا قیام زیادہ طویل نہ رہا۔

ملا محمد غوث نے کاکوری میں ایک مدرسہ کی تعمیر کے لئے حکومت وقت سے زمین طلب کی تھی جس کی معافی کا فرمان جاری ہو چکا تھا مگر وہ اپنی زندگی میں مدرسہ کی تعمیر نہ کر سکے ملا حمید الدین نے مدرسہ تعمیر کیا اور تعلیمی و تدریسی خدمات میں منہمک ہو گئے۔

ملا جلد مروجہ علوم میں ماہر اور علامہ عصر تھے۔ علم ریاضی میں بہترین معلومات رکھتے تھے۔ فارسی اور عربی نثر و نظم پر قادر تھے اور تذکرہ شاہیر کاکوری کے نزول کے بقول "انہیں مخزن لیاقت و معدن قابلیت کہنایے جا نہیں" متواضع اور متقی بزرگ تھے۔ خاندان قلندریہ کے ممتاز بزرگ قاضی محمد تقی قلندر سے بیعت تھے۔ یکم ذی قعدہ

۱۲۱۵ھ/۱۶ مارچ ۱۸۰۱ء کو وفات پائی۔ مادہ تاریخ یہ ہے ۶
درو فاشس بے سرو پا گشتہ اند

علم و نظر و شعر و فہم و شرع دین

۱۲۱۵ھ (ال + ظ + ع + ہ + ی)

شاعری:

نواب علی حسن خاں سلیم نے تذکرہ صبح گلشن میں ان کے بارے میں لکھا ہے۔

”ہر چند بشعر و شاعری میث نبود لیکن اجیاناً بموزون طبع کلام

موزوں اندز بانس ظہور می نمودیہ

ان کے دو فارسی اشعار بطور نمونہ یہ ہیں۔

باخط شبرنگ ویدم رمنے اورا بے حجاب

می توں دیدن بوقت شام سوئے آفتاب

جائے آرام کن درین گلشن عہد آسار سیدم و رفتم

تصنیفات

ملا محمد الدین سے حسب ذیل رسائل یادگار ہیں:

۱۔ رسالہ منشعب

۲۔ اخلاق حمیدی۔ انگ سلی خلق عظیم پر نفیس، مختصر اور مفید رسالہ ہے۔

سدید الدین کاشغری

سدید الدین کاشغری کے حالات زندگی پر معاہدہ کروں سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں زندہ تھے۔ اُن کی تالیف ”مینیۃ المصلیٰ وغنیۃ المبتدی“ فقہ حنفی کی متداول کتاب ہے جس پر کئی ایک علماء نے شرحیں لکھی ہیں۔

شرح مینیۃ المصلیٰ۔

۱۔ غنیۃ المستملی (کبیری)۔ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی (م ۱۰۹۵ھ) کے رشحات قلم میں سے ہے۔

۲۔ صغیری۔ متذکرۃ الصدر شرح کی تلخیص خود شارح نے کی ہے اور صغیری کے نام سے معروف ہے۔

۳۔ حلیۃ المحلی وغنیۃ المہتدی۔ ابن امیر حاج محمد بن محمد حنفی (م ۱۰۸۷ھ) سے یادگار ہے۔

۴۔ شرح مینیۃ المصلیٰ عمر بن سلیمان نے ۱۲۷۵ھ میں مکمل کی۔

سراج الدین سجاوندی

ابوظہر سراج الدین محمد بن محمد بن عبدالرشید سجاوندی کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ اور شارحین سراجی نے اُن کے بارے میں چند سطروں سے زیادہ کچھ نہ لکھا، حاجی خلیفہ چلی نے سراجی کے شارحین میں "ابوالحسن حیدر بن عمر الصغانی (م ۳۵۸ھ)" کا ذکر کیا ہے۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ مؤلف "سراجی" سراج الدین سجاوندی چوتھی صدی سے پہلے کے مؤلف ہیں۔ لیکن سراجی کی کوئی شرح آٹھویں صدی سے پہلے کی دستیاب نہیں ہے۔ حاجی خلیفہ کی رائے محل نظر ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ سجاوندی چھٹی صدی کے آخر میں یا ساتویں صدی کے وسط میں تھے۔ اس کی تائید "کفای القنوع" سے ہوتی ہے کہ

«السراجیہ۔ لسراج الدین محمد السجاوندی بنع فی القرن السابع تقریباً»
سجاوندی سے حسب ذیل دو کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ سراجی یا سراجیہ۔

علم میراث (فرائض) میں معروف و متداول متن ہے۔ اہل علم نے اس پر کثرت سے شرحیں اور حواشی لکھے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے چالیس سے زائد شرحوں کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ کتاب تجنیس فی الحساب (فن جبر و مقابلہ)

سعد الدین تفتازانی

سعد الدین مسعود تفتازانی خراسان کے شہر تفتازان میں صفر ۷۲۲ھ / ۱۳۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ تفتازانی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ عقد الدین ایچی (م ۷۵۶ھ) اور قطب الدین رازی (م ۷۶۶ھ) سے بھی استفادہ کیا۔ انہوں نے مروجہ علوم میں مہارت تلمذ حاصل کی اور ان کی شہرت جلد ہی دور دور تک پھیل گئی۔ طلبہ ان سے استفادہ کے لئے رجوع کرنے لگے۔

تفتازانی کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ وہ جام، ہرات، سرخس، سمرقند، جبرون، ترکستان اور خوارزم میں مقیم رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تفتازانی نے مظفریہ حکمران فارس شاہ شجاع کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ تیمور نے ۷۸۰ھ یا ۷۸۱ھ میں خوارزم پر حملہ کیا اور شاہ شجاع کی سلطنت متاثر ہوئی۔ اس زمانہ میں ملک محمد سرخسی نے اپنے بھتیجے محمد بن غیاث الدین کو لکھا جو اس وقت تیمور کا درباری تھا کہ تیمور کی اجازت سے علامہ تفتازانی کو سرخس بھیج دیا جائے چنانچہ تفتازانی ملک محمد سرخسی کی دعوت پر سرخس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد امیر تیمور علامہ تفتازانی کے علم و فضل سے آگاہ ہوا تو انہیں واپس سمرقند بلا بھیجا۔ علامہ نے پہلے تو فخر کیا کہ وہ حجاز جانے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر مکرر طلبی پر سمرقند گئے اور تیمور کے دربار میں صدرِ صدور کی حیثیت حاصل کی۔

۷۸۹ھ / ۱۳۸۷ء میں شیراز فتح ہونے پر علامہ سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ) بھی امیر تیمور کے دربار میں آگئے۔ دونوں حکماء میں معاندانہ چشمک پیدا ہوئی اور درباری

ماحول نے اسے مزید بڑھایا۔ جرجانی کی تالیفات میں علامہ تفتازانی کے افکار و نظریات پر گرفت ملتی ہے۔

دونوں حضرات کے درمیان اکثر علمی مباحثے اور مناظرے ہوتے تھے ۱۵۹۱ھ / ۱۳۸۹ء میں ایک اہم مباحثہ ہوا۔ موضوع علامہ جبار اللہ زرخشتری (م ۵۳۸ھ) کا یہ قول تھا کہ "اولئک علی ہدی من ربہم" میں استعارہ تبعیہ اور استعارہ تشبیہ دونوں جمع ہو گئے ہیں۔ نعمان الدین خوارزمی حکم تھے۔ سید شریف جرجانی کا پتہ بھاری رہا۔ اس طرح ایک دفعہ موضوع مباحثہ یہ تھا "غصہ جذبہ انتقام کا باعث بنتا ہے یا انتقام کا جذبہ غصہ کا سبب ہے" علامہ جرجانی نے پہلی شق اور علامہ تفتازانی نے دوسری شق اختیار کی شیخ منصور گزرونی کہتے ہیں کہ سید شریف جرجانی کے دلائل زیادہ وزنی تھے۔

کہا جاتا ہے کہ اسی طرح کے ایک مناظرہ میں علامہ تفتازانی نے زک اٹھائی اور اسی صدمہ سے ۲۲ محرم ۵۹۲ھ / ۱۳۹۰ء کو سمرقند میں فوت ہو گئے۔ میت سرخس منتقل کی گئی اور وہیں تدفین عمل میں لائی گئی۔

علامہ تفتازانی سے سینکڑوں افراد نے اکتساب فیض کیا ہو گا مگر ان کے شاگردوں میں صرف چند نام ملتے ہیں اور ان میں حام الدین الحسن بن ابی وروی اور برہان الدین حیدر کے نام نمایاں ہیں۔

تصنیفات :-

علامہ تفتازانی نے سولہ سال کی عمر میں پہلی کتاب لکھی اور آخر دم تک قلم ہاتھ سے نہ رکھا۔ ان کی کتابیں خاصی زیادہ ہیں۔ آرمینیس ڈیمبرے نے ایک قول نقل کیا ہے کہ "اس کی کتابوں کی تعداد اُس کی عمر کے سالوں سے زیادہ بیان کی جاتی ہے" علامہ ابن خلدون

(۱۸۰۸ء) نے مصر میں علامہ تفتازانی کی چند کتابیں دیکھیں تو ان کا ذکر ایک "زبردست فاضل" کے لقب سے کیا۔

علامہ تفتازانی کی معروف تصنیفات یہ ہیں :-

صرف و نحو :-

۱۔ شرح التصريف العزى - عز الدين عبدالوهاب بن ابراهيم زنجاني کی کتاب "التصريف" کی شرح ہے۔ شعبان ۱۲۳۸ھ میں سولہ سال کی عمر میں تالیف کی۔ چونکہ "التصريف" کے مولف عزالدین زنجانی ہیں اس لئے ان کے نام کی نسبت سے اسے زنجانی بھی کہتے ہیں اور شرح "زنجانیہ" کے نام سے معروف ہے۔

۲۔ رسالۃ الارشاد - حاجی خلیفہ نے اسے ارشاد الہادی لکھا ہے۔ عربی زبان کے نحو کی یہ کتاب علامہ نے اپنے بیٹے کے لئے لکھی تھی۔ ۱۲۶۴ھ میں مکمل ہوئی۔ اس پر کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

معانی و بیان :-

علامہ تفتازانی نے اس موضوع پر سکاکی کی تالیف "مفتاح العلوم" کے تیسرے حصہ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ تین کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے دو "تلخیص المفتاح" کی شرحیں ہیں اور تیسری براہ راست "مفتاح العلوم" کی شرح ہے۔

۳۔ مطول :- عام طور پر شرح المطول مشہور ہے۔ ہرات میں ۱۲۴۸ھ/۱۳۴۶ء میں لکھی گئی۔

۴۔ مختصر المعانی؛ تلخیص المفتاح کی نسبتاً مختصر شرح ہے۔

۵۔ شرح القسم الثالث فی المفتاح؛ مفتاح العلوم کے تیسرے حصہ کی یہ شرح سوال ۱۲۸۶ھ میں سمرقند میں مکمل ہوئی۔ اسے مطول یا مختصر المعانی جیسی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔

کبھی بھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی البتہ اس کے مخطوطات بعض کتب خانوں

میں ملتے ہیں۔

منطق

۴۔ شرح رسالہ شمسہ / شرح شمسہ : نجم الدین عمر بن علی الکاتبی : القروینی (م ۵۶۷۵) کی کتاب رسالہ شمسہ کی شرح ہے۔ جام میں جمادی الاخریٰ ۱۲۵۲ھ / ۱۲۵۱ء میں مکمل ہوئی۔

۵۔ تہذیب المنطق و الکلام : کتاب کا پورا نام "غایت تہذیب الکلام فی تحریر المنطق و الکلام" ہے یہ اہم کتاب رجب ۱۲۸۹ھ / ۱۲۸۷ء میں مکمل ہوئی۔ کتاب کا پہلا حصہ منطق اور دوسرا علم کلام میں ہے۔ پہلا حصہ علماء کی توجہ کا باعث بنا اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

۸۔ ضابطہ انتاج الاشکال۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

علم کلام و ما بعد الطبیعات :-

۹۔ شرح المقاصد۔ علامہ تفتازانی نے علم کلام میں ایک رسالہ "مقاصد الطالبین"

لکھا بعد میں اس کی شرح ذوالقعدہ ۱۲۸۴ھ / ۱۲۸۳ء کو سمرقند میں لکھی۔

"تہذیب المنطق و الکلام" کا دوسرا حصہ بھی کلام کے موضوع پر ہے۔

۱۰۔ شرح عقائد نسفی :- عمر بن محمد نسفی کی تالیف "عقائد نسفی" کی شرح ہے۔ جو خوارزم

میں شعبان ۱۲۶۸ھ / ۱۲۶۷ء میں مکمل ہوئی۔ علامہ تفتازانی کی یہ شرح مزید شرحوں اور

حاشیوں کا باعث بنی۔ خیالی اس کی معرفت شرح ہے جس پر علامہ عبدالکیم سیالکوٹی

نے حاشیہ لکھا۔

۱۱۔ ایک رسالہ میں شیخ اکبر ابن عربی (م ۵۶۳۸) کی تالیف "فصوص الحکم" پر محاکمہ

کیا ہے۔

اصول فقہ :-

۱۲۔ التلویح الی کشف حقائق النفع، صدر الشریعت اول کی تالیف "تنقیح الاصول"

کی شرح ذوالقعدہ ۱۲۵۸ھ / ۱۲۵۷ء میں مکمل ہوئی۔

۱۳۔ شرح شرح المختصر فی الاصول یا شرح الشرح۔

ابن حاجب (م ۷۴۴ھ) نے اصول فقہ مالکی میں رسالہ "المختصر المنہج" لکھا جس کی شرح عضد الدین ایچی (م ۷۵۶ھ) نے لکھی۔ اس شرح کی مزید شرح ہے۔

قانون:-

۱۴۔ المفتاح۔ فقہ شافعی کی فروع پر ایک کتاب ہے۔ جو ہنوز شائع نہیں ہوئی۔

۱۵۔ فتاویٰ حنفیہ، ذوالقعدہ ۷۹۹ھ/۱۳۶۸ء میں یہ فتاویٰ مرتب ہوا۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ یہ فتاویٰ معدوم ہو چکا ہے۔

۱۶۔ اختصار شرح الجامع الکبیر، الجامع الکبیر، امام محمد شیبانی (م ۲۵۶ھ) کی

معروف تالیف ہے۔ الخلاطی نے اس کا اختصار کیا۔ پھر اس پر شرح لکھی گئی۔ یہ شرح کا نام مکمل اختصار ہے۔

تفسیر قرآن

۱۷۔ کشف الاسرار و عداۃ الابرار۔ فارسی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ اس

نام کی ایک تفسیر خواجہ عبداللہ انصاری (م ۶۸۱ھ) نے بھی لکھی تھی جو ۷۸۰ھ میں طہران سے شائع ہوئی ہے۔

۱۸۔ شرح (یا حاشیہ) کشف، علامہ جلال اللہ زعزعی (م ۵۲۸ھ) کی تفسیر

کشف کا نام مکمل حاشیہ (یا شرح) ہے جو ۸۰۰ھ ربیع الاولیٰ ۷۸۶ھ/۳۰ اپریل ۱۳۸۴ء میں سرخس میں لکھی گئی۔

حدیث:-

۱۹۔ شرح اربعین نووی، شارح ایضاً مصحح المسلم امام نووی (م ۷۶۶ھ) کی مرتبہ

اربعین کی کثرت سے شرحیں لکھی گئی ہیں۔ ایک شرح علامہ تفتازانی سے بھی منسوب ہے۔

لسانیات و ادب :-

۶۰۔ النعم السوانج فی شرح الکلام النوانج، علامہ زبیر محسنی (م ۱۵۵۲۸) کی کتاب
النوانج کی شرح ہے۔

۶۱۔ ترجمہ برستان سعدی، سعدی شیرازی (م ۱۵۶۹۱) کی شہرہ آفاق کتاب کا ترکی
زبان میں ترجمہ ہے۔



سید شریف جرجانی

جرجان یا گرگان ایک چھوٹا سا صوبہ بحر خزر کے مشرق میں واقع ہے اس کا دارالحکومت بھی جرجان نامی ایک شہر ہے جسے اب "مین گرگان" کہتے ہیں۔ سید شریف اس صوبہ میں "طاغوث" نامی بستی میں ۲۲ شعبان ۱۲۴۰ھ / ۲۲ فروری ۱۸۲۰ء کو پیدا ہوئے ان کا نام علی، کنیت ابوالحسن یا ابوالحسین اور لقب سید شریف تھا۔ والد کا نام محمد تھا۔ تذکرہ نگاروں نے شجرہ نسب یہ لکھا ہے:

"علی بن محمد بن علی السید زین ابوالحسن الحسینی"

تیرہویں پشت میں سلسلہ نسب محمد بن زید الداعی سے مل جاتا ہے۔

سید شریف نے ابتدائی تعلیم وطن میں پائی اور "مفتاح العلوم" خود اس کے شارح نورالطاؤسی سے پڑھی۔ چارالشہ زمخشری (م ۵۲۸ھ) کی کثافت کا مطالعہ بھی نورالطاؤسی کے زیر نگرانی کیا۔ سید شریف کو اس بات کا شوق تھا کہ کتاب خود اس کے مؤلف سے پڑھی جائے۔ انھوں نے دورانِ تعلیم میں "شرح مطالع" بار بار پڑھی تھی مگر خود مصنف سے پڑھنے کا شوق انھیں مؤلف کتاب قطب الدین کے پاس بہارت لے گیا اس زمانہ میں قطب الدین ضعیف ہو چکے تھے اور بہارت زائل ہونے کی وجہ سے تدریس چھوڑ چکے تھے تاہم انہوں نے اپنے عزیز شاگرد مبارک شاہ کے نام رقم لکھ

دیا اور سید شریف کو مصر جانے کا مشورہ دیا۔ تحصیل علم کا شوق انہیں خراماں خراماں مصر لے گیا۔ مبارک شاہ مصر میں مدرس تھے انھوں نے استاد کے سفارشی رقعہ پر سید شریف کو وقت دے دیا اور "شرح مطالع" کا درس شروع ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ مبارک شاہ کا گھر مدرسے سے متصل تھا۔ ایک دفعہ رات کو مدرسہ میں آیا تو سید شریف ان الفاظ میں مطالب ذہن نشین کر رہے تھے۔ "قال الشارح كذا فقال الاستاذ كذا وانا اقول كذا" اور ساتھ ہی نہایت باریک اور دقیق نکات بیان کر رہے تھے۔ مبارک شاہ اپنے شاگرد کی ذہانت اور دقیقہ منجی سے بے حد متاثر ہوا اور سید شریف کو اپنے خاص شاگردوں میں شامل کر لیا۔ دورانِ تعلیم میں سید شریف نے "شرح مطالع" کا حاشیہ لکھا تھا۔ مبارک شاہ سے قاضی عضد الدین ایچی (م ۱۷۵۶ھ) کی تالیف "مواقف" بھی سبقتاً پڑھی اور "شرح مواقف" لکھی۔ سید شریف مصر میں چار سال رہے۔ مصر کے جید حنفی فقیہ محمد بن محمود البرکاتی کے حضور زانوئے تلمذتہ کیا اور ان سے "ہدایہ" کا درس لیا۔ طائش کپری زادہ (م ۱۷۶۸ھ) نے "الشقائق النعمانية" میں یہ روایت بھی درج کی ہے کہ سید شریف نے شیخ جمال الدین محمد بن محمد اقسرائی (م ۱۷۹۱ھ) کی شہرت سن کر ان کی تالیف "شرح الايضاح في المعاني والبيان" کا مطالعہ کیا، انہیں کتاب پسند نہ آئی تاہم انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اقسرائی کا انداز تدریس، ان کی تحریر سے زیادہ دلکش ہے۔ چنانچہ وہ اقسرائی کے وطن گئے جو ریاست قرمان (ترکی) کے مشہور شہر قونیہ اور قیصری کے درمیان واقع ہے۔ وہاں جا کر انہیں معلوم ہوا کہ اقسرائی وفات پا چکا ہے تو اقسرائی

۱۔ شیخ جمال الدین محمد بن محمد اقسرائی، امام فخر الدین رازی (م ۱۲۰۶ھ) کے پڑپوتے تھے انہوں نے مصر میں فقہ و طب کی تعلیم پائی بعد ازاں واپس وطن آئے اور شغل تدریس اپنا یا۔ ۱۷۹۱ھ/۱۳۸۸ء میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں سے "حل التوجزی فی الطب" اور "شرح الايضاح" زیادہ مشہور ہیں۔

کے مشہور شاگرد ملا شمس الدین الفتناری (م ۱۳۲۴ھ) سے مذاکرات کئے اور واپس چلے آئے۔

مذکرۃ الصدر روایت محل نظر ہے کیوں کہ جس زمانہ میں جرجانی کا سفر اسرائیٰ مذکور ہے وہ اُس زمانہ میں سمرقند میں مشغول تدریس تھے۔ اگر طاش کپری زادہ کی اس شاذ روایت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ سفر حصولِ تعلیم کی غرض سے نہیں سمجھا جاسکتا اس کا باعث باعث و مذاکرہ ہو سکتا ہے۔
تدریس:-

سید صاحب نے تکمیلِ تعلیم کے بعد بلادِ روم کا سفر کیا اور پھر شیراز میں سکونت اختیار کر لی اور درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ طلبہ کی ضرورت کے مطابق درسی کتب پر حواشی اور اُن کی شرحیں لکھیں۔ شیراز میں مظفریہ حکمرانِ فارس شاہ شجاع اُن کا قدردان تھا اور اُن کی طرف سے مدرسہ دارالشفاء کی مسندِ تدریس پر فائز ہے۔ سید شریف نے کم و بیش بیس برس تک یہ خدمت انجام دی۔
سید صاحب اور تفتازانی:-

شاہ شجاع کے دربار میں اُن کی ملاقات، علامہ سعد الدین تفتازانی (م ۶۹۳ھ) سے ہوئی۔ روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ سید شریف ۷۷۰ھ میں شاہ شجاع کے دربار میں بارہ باب ہوئے۔ اُن کا تعارف یہ کہہ کر کیا گیا کہ نو وار و میرانہ از می اور حربی امور میں ماہر ہے۔ علامہ تفتازانی نے تعارف کا فریضہ انجام دیا تھا۔ بادشاہ نے فنِ حرب پر گفتگو شروع کی تو سید صاحب نے نبل میں دبائے ہوئے کاغذات نکالے جن میں علماء و فضلاء کے انکار پر جرح و قدح اور اعتراضات کی صورت میں تیر اندازی

کی گئی تھی۔ شاہ شجاع کو اپنی تالیفات بنا کر کہا کہ یہ میرے تیر ہیں اور یہی میری صنعت و مہارت ہے۔ شاہ شجاع نے اس لطیف پیرایہ اظہار سے متاثر ہو کر ادب و احترام سے دربار میں ملازم رکھ لیا۔

سلطان تیمور نے ۱۳۸۹ء میں شیراز پر حملہ کیا اور اپنی روایات کے مطابق تخت و تاج کی مگر اپنے وزیر کی سفارش پر سید شریف کو امان دی۔ تیمور سید صاحب کے علم و فضل سے اس قدر متاثر ہوا کہ انھیں ماورالنہر جانے کے لئے آمادہ کیا چنانچہ سید صاحب تیمور کے دارالحکومت سمرقند چلے گئے اور ایک عرصہ تک سمرقند میں علم و فضل کی روشنی پھیلاتے رہے۔

سمرقند میں سید صاحب اور علامہ تفتازانی دونوں تیمور کے دربار میں تھے۔ تفتازانی شاہی مجلس علماء کے صدر نشین تھے۔ بایں ہمہ تیمور سید شریف کو تفتازانی پر ترجیح دیتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ دونوں حضرات علم میں برابر ہیں البتہ سید شریف کا نسب موجب ترجیح ہے۔ دونوں فضلاء میں معاصرانہ چٹمک تھی۔ جرجانی کی تالیفات میں تفتازانی کے افکار و نظریات پر کڑی گرفت ملتی ہے دونوں کے درمیان اکثر مباحثے اور مناظرے ہوتے رہتے تھے۔

وفات :-

تیمور کی وفات (م ۱۳۰۵ء) کے بعد سید شریف واپس شیراز آگئے اور دوبارہ شیراز کی علمی محفلوں کی رونق بڑھ گئی۔ آخر دم تک تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۶ ربیع الآخری ۸۱۶ھ / ۶ جولائی ۱۴۱۳ء کو وفات پائی اور شیراز میں مدفون ہوئے۔

تالیفات :-

سید شریف نے دوران طالب علمی میں درسی کتابوں پر حواشی لکھنا شروع کر دیئے

تھے بعد میں طلبہ کی ضرورت کے پیش نظر بھی حواشی اور شروح لکھی گئیں۔ ان کے علاوہ مستقل کتابیں بھی لکھیں۔ سید شریف کے سوانح نگاروں نے ان کی کتابوں کی جو فہرست دی ہے ان میں باہم تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک تذکرہ نگار کسی کتاب کو ان کی تالیف قرار دیتا ہے تو دوسرا تذکرہ نگار تردید کرتا ہے۔ ذیل میں مختلف کتابوں سے ایک منتخب فہرست دی جاتی ہے۔

قرآنیات :-

ترجمہ قرآن (فارسی)

جرجانی نے قرآن کریم کا فارسی ترجمہ کیا جو غلط طور پر ان کے ہم وطن شیخ سعیدی شیرازی (م ۱۵۹۱ھ) کی طرف منسوب ہے۔ مولانا عبدالحق حقانی صاحب "تفسیر حقانی" لکھتے ہیں۔

"جس کو آج کل جبلاہ سعیدی کا ترجمہ کہتے ہیں وہ دراصل سید شریف کا ترجمہ ہے۔ صاحب مطبع نے میرے سامنے رواج دینے کے لئے سعیدی کی طرف منسوب کر دیا۔"

۳۔ حاشیہ تفسیر کشاف

۶۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی

اصول حدیث و حدیث :-

۴۔ حاشیہ مشکوٰۃ یا خلاصۃ الطیبی

طیبی نے مشکوٰۃ المصابیح پر حاشیہ لکھا۔ سید شریف جرجانی نے اس کی تلخیص کی اور اپنی طرف سے بہت کم حک و اضافہ کیا۔ علامہ سخاوی نے اسے جرجانی کی تالیف قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری کے نزدیک یہ حاشیہ ان کا نہیں ہے۔

۵۔ رسالہ فی اصول الحدیث: قطیبی کے رسالہ اصول الحدیث کا خلاصہ ہے علامہ عبدالحی لکھنوی نے اس کی شرح "ظفر الامانی" لکھی ہے۔ بعض تذکرہ نگار اسے بیہ شریفیت کی تالیف نہیں سمجھتے۔

اصول فقہ وفقہ

۶۔ حاشیہ شرح مختصر ابن حاجب: ابن حاجب (م ۶۷۶ھ) مؤلف کا لقب ہے "مختصر المنتہی" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ قاضی عبدالدین ایچی (م ۷۵۶ھ) نے اس کی شرح لکھی اور بیہ شریفیت نے اس شرح پر حاشیہ لکھا۔
۷۔ شرح سراجیہ۔

منطق:

۸۔ شرح ایسا غوجی۔

۹۔ صغریٰ کبریٰ: منطق کی ابتدائی اصطلاحات کی توضیح میں یہ رسالہ متداول ہے اور مدارس عربیہ میں شامل نصاب ہے۔

۱۰۔ شرح قطبی (میر قطبی) علامہ قطب الدین رازی کی "شرح التسمیہ" (قطبی) کی شرح کی ہے اور میر قطبی کے نام سے معروف ہے۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے "حکائے اسلام" میں صرف "شرح تسمیہ" کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے جو درست نہیں۔
۱۱۔ حاشیہ شرح مطالع۔

صرف و نحو:

۱۲۔ صرف میر۔

۱۳۔ نحو میر۔

دونوں رسائل عربی زبان کے مبتدیوں کے لئے فارسی میں لکھے گئے ہیں۔
مدارس عربیہ میں نصاب میں شامل ہیں۔

۱۴۔ شرح کافیه۔ ابن حاجب (م ۶۴۶ھ)

۱۵۔ شرح وافیہ۔ وافیہ، کافیہ ابن حاجب کی شرح ہے۔ اس شرح پر شرح لکھی گئی۔

بلاغت :-

۱۶۔ حاشیہ مطول۔

فلسفہ :-

۱۸۔ حاشیہ شرح حکمت العین

۱۷۔ آداب الشریف

علم کلام :-

۱۹۔ شرح مراقف (امور عامہ) سید شریف کی یہ شرح سات آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اس پر علامہ نے بکثرت حواشی لکھے ہیں۔

۲۰۔ حاشیہ شرح تجرید قدیم

”تجرید العقائد والکلام“ محقق طوسی کی تالیف ہے۔ یہ کتاب شیعہ علم کلام میں معتبر ترین متن ہے لیکن شیعہ علماء سے زیادہ اہل سنت نے اس پر شروع و حواشی لکھے۔ اس کی شرحیں مدارس میں متداول رہی ہیں۔

شرح تجرید حلی (م ۲۶-۵) اب بھی بعض شیعہ مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

شرح تجرید (شمس الدین محمود بن عبدالرحمان اصفہانی۔ م ۴۶۶-۵) ترکی کے

مدرسوں میں داخل نصاب رہی ہے۔

ان کے بعد علماء الدین علی بن محمد القوشچی (م ۸۷۹-۵) نے شرح تجرید لکھی۔ اہل

سنت کے تعلیمی حلقوں میں اصفہانی کی شرح کو ”شرح قدیم“ اور قوشچی کی شرح کو ”شرح

تجرید جدید“ کہا جانے لگا۔

شرح تجرید قدیم (از اصفہانی) پر سید شریف جرجانی نے حاشیہ لکھا اور یہ

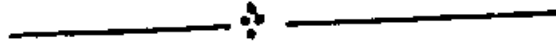
حاشیہ اتنا مقبول ہوا کہ خود شرح مانڈپڑ گئی۔ میر سید شریف کے حاشیہ پر حواشی لکھے

جانے لگے۔

شرح جدید (از قوشچی) پر علامہ دوانی نے حاشیہ لکھا۔

منقرقات :-

- ۲۱۔ شریفیہ (فن مناظرہ)
۲۲۔ شرح تذکرہ طوسی
۲۳۔ التعرلیات۔ فقہاء محدثین، متکلمین اور صوفیہ کی اصطلاحات کی تشریح ہے



صفی الدین ردولی

شیخ صفی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین، امام اعظم ابوحنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے۔ اُن کے جد امجد نظام الدین تاتار گردی کے زمانہ میں غزنی سے ترک سکونت کر کے برصغیر میں وارد ہوئے۔ اور دہلی میں قیام کیا۔ کچھ عرصہ بعد امیر تیمور کے حملہ کا خطرہ پیدا ہوا۔ تو دہلی سے سلطنتِ شرقی (جونپور) کا رخ کیا۔ اُن کے ساتھ قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۱۷۴۸) بھی دہلی سے جونپور چلے گئے۔ دونوں حضرات کے درمیان اخوت و دوستی کا رشتہ استوار تھا قاضی صاحب نے اپنی دختر کی شادی نظام الدین کے صاحبزادے نصیر الدین سے کر دی۔ ان سے تین صاحبزادے صفی الدین، فخر الدین اور رضی الدین پیدا ہوئے۔

صفی الدین نے اپنے نانا قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے علومِ مروجہ کی تحصیل کی سفارح التحصیل ہو کر تدریس میں مصروف ہو گئے اور اپنے دور کے تھم علماء میں شمار ہوتے تھے۔ صفی الدین کے بھائی رضی الدین ردولی میں عہدہ قضا پر فائز تھے۔ وہ اُن کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ شاہ اشرف جہانگیر سمانی ردولی آئے صفی الدین اُن کے پاس گئے اور تعلق بیعت، استراکد، ثولف "حیاتِ غوثِ العالم" واقعہ بیعت کا ذکر کرتے ہیں کہ:

”حضرت غوثِ العالم کا گزر قصبہ ردولی میں ہوا اور حضرت نے وہاں کی جامع مسجد میں قیام فرمایا۔ اس خبر کو پاتے ہی حضرت شیخ صفی الدین ردولی، حضرت غوثِ العالم کی خدمت بابرکت میں پہنچے اور کمال ادب

کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت نے اُن پر ایک نظر التفات کی
حضرت شیخ نے حضرت غوث العالم سے بیعت و ارادت حاصل کی۔
حضرت نے اپنے دست مبارک سے مصری کی ایک ڈلی اُن کو کھلائی
اور ان کی اولاد و احفاد کے لئے دعائیں فرمائیں۔ حضرت شیخ کی خاطر سے
حضرت شیخ العالم نے چالیس دن قصبہ ردولی میں قیام فرمایا۔ اور اسی اثنا
میں حضرت شیخ کو لباس خرقہ اور اجازت و خلافت سے نوازا۔ حضرت
شیخ نے اپنے فرزند شیخ اسماعیل کو جن کی پیدائش کو چالیس روز ہوئے
تھے حضرت غوث العالم کے قدموں پر لاکر ڈال دیا۔ حضرت نے
انہیں دیکھ کر فرمایا: ”اوہم مرید ما است“۔

حضرت تید اشرف جہانگیر اپنے مرید کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

”در بلاد ہند کسی را کہ بفنون درخشنده
غرائب و شئون عجائب پیراستہ دیدم، وی بودہ“۔

تصنیفات :-

شیخ صفی الدین سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ دستورالہبتدی۔ یہ رسالہ مولف نے اپنے بیٹے ابوالمکارم اسماعیل کے

لئے لکھا تھا جو مدارس عربیہ میں شامل نصاب ہے۔

۲۔ جل ترکیب کافیه
۳۔ غایۃ التحقیق (شرح کافیه)

عاجی خلیفہ نے اس کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ مولف نے اس میں بہت تحقیق سے

کام لیا ہے۔

وفات :- ۱۳ ذی قعدہ ۸۱۹ھ / ۲ جنوری ۱۴۱۷ء کو وفات پائی۔

عبدالحق خیر آبادی

عبدالحق خیر آبادی، خیر آباد کے مشہور علمی گھرانے کے چہم و چہراغ تھے۔ اُن کے والد ماجد مولانا فضل حق خیر آبادی اور دادا مولانا فضل امام خیر آبادی کی علمی خدمات پر اُن کے تذکرہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔
ابتدائی زندگی :-

مولانا عبدالحق خیر آبادی ۱۲۴۲ھ/۲۹-۱۸۲۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اُس وقت دہلی کے علمی اُفق پر مولانا مملوک علی نانوتوی (م ۱۲۶۰ھ/۱۸۵۱ء) مولانا رشید الدین (م ۱۲۶۹ھ/۱۸۳۳ء) اور شاہ محمد اسحاق دہلوی (م ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء) جیسے ستارے جگمگا رہے تھے۔ ادیبوں اور شاعروں میں غالب و صہبائی اور آزرده و مومن کا ڈکناج رہا تھا۔ جملہ اہل علم سے مولانا فضل حق کے روابط تھے۔ عبدالحق کو لڑکپن میں ان میں سے اکثر علمی ہستیوں کو قریب سے دیکھنے اور اُن کا اثر قبول کرنے کا موقع ملا۔
مولانا عبدالحق کی تعلیم گھر پر ہوئی۔ مولانا فضل حق جیسے یگانہ روز عالم نے اپنے بیٹے کی تعلیم میں کیا کوئی دقیقہ فرد گزاشت کیا ہوگا؟ سولہ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہوئے اور علمی مسائل پر مجتہدانہ گفتگو کی صلاحیت رکھتے تھے۔
ملازمت :-

مولانا فضل حق جن دنوں ریاست الود سے منسلک رہے تھے۔ مولانا عبدالحق

والد کے ساتھ دربار ریاست میں جاتے تھے۔ بہار جہ اور مولانا عبدالحق کی علمی گفتگو سے خاصا متاثر تھا چنانچہ جب مولانا فضل حق رامپور چلے گئے تو بہار جہ نے مولانا عبدالحق کو عمائد سلطنت میں شامل کر لیا۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ آزادی کے وقت دہلی میں مقیم تھے۔ مولانا فضل حق فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے کے الزام میں گرفتار ہوئے تو ان کی رہائی کے لئے قانونی چارہ جوئی کی تاہم قانونی چارہ جوئی کے باوجود مولانا فضل حق کو بطور سزا انڈیمان بھیج دیا گیا۔

مولانا فضل حق کو سزا ہوئی تو آبائی گاؤں خیرآباد چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد نواب ٹونک نے اپنے ہاں بلا لیا۔ پھر گورنمنٹ نے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے لئے ان کی خدمات حاصل کیں مگر کلکتہ کی آب و ہوا اس نہ آئی اور نواب کلب علی خاں (م ۱۸۸۷ء) کے اصرار پر رامپور تشریف لے گئے۔ رامپور میں ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء سے ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء تک حاکم مافوق اور پرنسپل مدرسہ عالیہ کے عہدوں پر فائز رہے۔

حقیقت رامپور کے ضمیمے میں مولوی محمد ضیاء الحق نے ان کا عہدہ ملازمت ڈائریکٹر تعلیمات شرقی لکھا ہے۔

نواب کلب علی خاں کی وفات کے بعد واپس وطن خیرآباد آئے کچھ عرصہ کے لئے حیدرآباد تشریف لے گئے۔ نواب حامد علی خاں (م ۱۹۳۰ء) کی فرمائش پر دوبارہ رامپور گئے اور ایک سال قیام کے بعد مستقل طور پر خیرآباد آ گئے اور آخری دم تک یہیں رہے۔

اخلاق و عادات :-

مولانا عبدالحق کی عمر کا بڑا حصہ نوابوں کے درباروں میں گزرا اور اہم عہدوں پر فائز رہے اس لئے ان کی طرز بود و باش ریشہ مندی، خوش پوشاک اور خوش خوراک تھے

دن میں دو تین بار کپڑے بدلتے تھے۔ پوسے ریشمان رعب واپ کے ساتھ مدرسہ جاتے تھے۔ اس کے ساتھ رحمدل، مہربان اور بردبار شخصیت کے مالک تھے۔

خطاب شمس العلماء :-

حکومتِ برطانیہ نے مولانا کی علمی وجاہت کے پیش نظر انھیں "شمس العلماء" کا خطاب دیا تھا۔ موصوف نے اس خطاب کے باوجود کوئی مادی فائدہ حاصل نہ کیا حتیٰ کہ اپنی اس آبائی جائداد کے لئے چارہ جوئی نہ کی جو ۱۸۵۷ء میں ضبط ہو گئی تھی۔ کہا کرتے تھے کہ باپ کو انڈیمان میں مارا اور بیٹے کو "شمس العلماء" کے خطاب سے خوش کرنے کی کوشش کہ

وفات :-

آخری عمر میں مولانا عبدالحق کو کئی بیماریوں نے گھیر رکھا تھا اور پھر سب سے بڑی بیماری تو نوزد بڑھا پا تھا۔ صینق النفس اور استسقاء کے مریض تھے۔ ۲۳ شوال ۱۳۱۶ھ / ۵ مارچ ۱۸۹۹ء کو عالم جاوداتی کو کوچ کر گئے اور دادا افضل امام کے پہلو میں دفن ہوئے۔ منشی امیر احمد میٹانی نے تاریخ وفات کہی۔

شمس العلماء زکلیت دہر

چو تیراز ابریرہ بر جست

بر لوح مزار امیر نویس

آرام گہ امام وقت است

۱۳۱۶ھ

تصنیفات :-

مولانا عبدالحق سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ حاشیہ غلام یحییٰ

۲۔ شرح ہدایت الحکمت

۳۔ تسبیل الکافیہ :- علامہ سید شریف جرجانی کی فارسی شرح کافیہ کا عربی ترجمہ ہے۔

- ۴۔ جواہر غالبیہ
۵۔ حاشیہ قاضی مبارک۔
۶۔ حاشیہ میرزا بہادر عامر
۷۔ رسالہ تحقیق تلامزم
۸۔ شرح مسلم الثبوت
۹۔ شرح سلاسل الکلام
۱۰۔ حاشیہ محمد اللہ
۱۱۔ تحفہ وزیریہ (نحو) نواب وزیر الدولہ
والمنی ٹونک کی دعوت پر ٹونک گئے اور نحوی مسائل پر مشتمل یہ رسالہ لکھا ہے
تلامذہ :-

مولانا عبدالحق سے فیض اٹھانے والوں کی تعداد بلابالغہ سینکڑوں میں ہوگی مگر
اس سلسلہ میں بعض حضرات کو غلطی سے اُن کے شاگردوں میں شمار کر لیا گیا ہے شیخ
محمد اکرام نے اُن کے تذکرہ میں لکھا ہے۔
”وہ عبدالحق خیر آبادی (علامہ شبلی کے اُتاد اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔“
اس کے برعکس مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ علامہ شبلی علامہ عبدالحق سے
استفادہ نہ کر کے تھے اور رامپور میں انھوں نے مولانا ارشاد حسین مجتہدی کے درس
میں شرکت کی تھی۔“

عبدالرحمان جامی

عبدالرحمان بن نظام الدین احمد بن شمس الدین محمد کا لقب نور الدین اور تخلص جامی تھا۔ اُن کے آباؤ اجداد صہبان کے محلہ دشت میں رہائش رکھتے تھے بعد میں ترک سکونت کر کے "جام" میں سکونت اختیار کی۔ جام کے فوجی گاؤں "خرجرد" میں ۲۳ شعبان ۵۸۱ھ / ۲ نومبر ۱۱۸۴ء کو جامی پیدا ہوئے۔ جام کی نسبت سے "جامی" تخلص کیا۔ لکھتے ہیں ۶

مولدِ جام و رشوحِ قلم
جرعہ جامِ شیخ الاسلامی است
لاجرم و درجہٴ اشعار
ہر معنی تخلصِ جامی است

مولانا جامی کے دادا اور والد ماجد جام کے عہدہ قضا پر فائز تھے اُن کا سلسلہ نسب امام محمد بن حسن شیبانی (م ۵۲۵ھ) سے ملتا ہے جو امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) کے ممتاز شاگرد تھے۔

تعلیم ۱۔

مولانا جامی کے والد ماجد جام بے ہرات چلے گئے۔ وہیں انھوں نے قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ مدرسہ نظامیہ میں مولانا جنید اصولی سے تلخیص المفتاح اور کطول کا درس پایا۔ بعد ازاں پھر قندگشے جہاں سید شریف جرجانی کے شاگرد خواجہ علی سمرقندی سے علوم عقلیہ کی تحصیل کی۔ علامہ تفتازانی کے شاگرد شہاب الدین محمد

کے درس میں حاضر ہوئے لیکن ان سے کوئی خاص استفادہ نہ کر سکے۔ سمرقند میں ایک مشہور عالم و مدرس قاضی روم تھے جو فنِ ہیئت میں یدِ طولی رکھتے تھے۔ اُن سے "شرح تذکرہ" شروع کی لیکن جامی کو یہ اتنا درس نہ آسکے۔ پہلے روز ہی بحث چھڑ گئی قاضی صاحب نے شرح تذکرہ پر ایک حاشیہ لکھ رکھا تھا اور تمام طلبہ کو یہی پڑھاتے تھے۔ جامی نے اس مسلم حاشیہ پر اعتراضات کئے اور ہر روز قاضی صاحب کو ایک دو جگہ اصلاح کی ضرورت پڑنے لگی۔ قاضی روم اس سے بہت خوش تھے اور کہا کرتے تھے کہ جب سے سمرقند آیا ہوں۔ کوئی ایسا ذہین اور طباع آدمی آج تک دریائے آمون کے اس پار نہیں آیا۔

علم ہیئت کی تحصیل مولانا علی قوشچی سے کی۔ وہ بھی مولانا جامی سے بہت متاثر تھے اُن کا قول ہے: "جامی کو دیکھ کر مجھے یقین آیا کہ ابھی دنیا میں نفوسِ قدسیہ موجود ہیں۔" مولانا جامی نے طالبِ علمی کا زمانہ فارغ البالی اور آرام و آسائش میں گزارا۔ اُن کی طبیعت میں شروع سے خودداری تھی۔ بہرات اور سمرقند کے اکثر علما۔ جب قاضی روم اور خواجہ علی سمرقندی کی سواری کے ساتھ پاپیادہ روزا کرتے تھے وہ اس طرزِ عمل کو پسند نہ کرتے تھے۔

صوفیائے کرام سے تعلق۔

مولانا جامی کے والد صوفی منش انسان تھے اور صوفیائے کرام کی محفلوں میں اکثر حاضر فرمایتے تھے۔ خواجہ محمد پارسا ۸۲۲ھ میں بہرات تشریف لے گئے۔ اُس وقت مولانا جامی کی عمر پانچ برس تھی وہ بھی والد ماجد کے ساتھ خواجہ محمد پارسا کی محفل میں حاضر ہوئے۔ "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں۔

"ساتھ سال گزر گئے لیکن خواجہ کی ذرا نی شکل اب تک میری نظروں

میں ہے اور اُن کے دیدار کی لذت آج بھی میرے دل میں تازہ ہے

کچھ تعجب نہیں کہ اُن کی نظرِ فیض ہی کا اثر ہو کہ مجھے خواجگانِ نقشبند کے
ساتھ عقیدت و محبت ہے۔“

مولانا جامی نے خواجہ سعد الدین کاشغری، خواجہ برہان الدین، ابوالصہب پارسی، شیخ
بہاء الدین عمر، مولانا فخر الدین، خواجہ شمس الدین کوسوی اور خواجہ عبید اللہ احرار سے
اکتابِ فیض کیا۔

خواجہ عبید اللہ احرار (م ۸۹۶ھ) کے بارے میں "یوسف زلیخا" میں لکھتے ہیں۔

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد

بہ تدبیر عبید اللہی آمد

اور خواجہ عبید اللہ احرار کو بھی مولانا جامی سے اس قدر تعلق خاطر تھا کہ جو لوگ خراسان
سے اُن کے پاس جاتے تھے انہیں کہا کرتے تھے: مولانا جامی جب وہاں موجود ہیں تو تم
لوگ یہاں اُنے کی کیوں تکلیف اٹھاتے ہو۔ عجیب بات ہے کہ دریائے نر تو خراسان میں
موجزن ہے اور لوگ چراغ کی روشنی حاصل کرنے یہاں دوڑے چلے آتے ہیں۔“

مولانا جامی کو سلسلہ نقشبندیہ سے اس قدر گہرا تعلق تھا کہ کسی دوسرے سلسلے میں بیعت
نہیں ہوئے۔ خواجہ سعد الدین کاشغری (م ۸۶۲ھ) کی وفات پر اُن کے جانشین ہوئے
معاصر مؤرخین کی رائے کے مطابق، ہجومِ خلائق رہتا تھا۔

سفر حج ۳۔

۱۶ ربیع الاول ۸۷۷ھ کوچ کی غرض سے ہرات سے روانہ ہوئے۔ نیشاپور، سبزوار،
بسطام، دامغان، سمنان اور قزوین ہوتے ہوئے ہمدان پہنچے۔ وہاں کے بادشاہ میرزا منوچہر
نے عقیدت و احترام سے شہر کے باہر استقبال کیا۔ تین دن تک ضیافت کی۔ ہمدان سے
بغداد گئے۔ سفر کے پُر خطر ہونے کی وجہ سے میرزا منوچہر بھاری فوج لے کر سز حد تک پہنچا کہ
واپس ہوا۔ جمادی الاخریٰ کے وسط میں بغداد پہنچے۔ یہاں چار ماہ قیام رہا۔ عبید العطر کی

نازاد اکر کے مدینہ منورہ کی راہ لی۔ ذوالقعدہ کے آخری ہفتہ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ شروع
ذوالحجہ میں مکہ معظمہ گئے اور ناسک حج ادا کئے۔

حج سے فراغت پا کر شام گئے۔ دمشق میں چالیس روز قیام کیا۔ قاضی القضاة اور
محدث وقت قاضی محمد سے سند حدیث حاصل کی۔ دمشق سے حلب گئے۔

سلطان محمد فاتح کو جب معلوم ہوا کہ مولانا جامی حج سے فارغ ہو کر شام کی سیاحت کر
رہے ہیں تو خواجہ عطا اللہ کرمانی کو پانچ ہزار اشرفیاں دے کر دمشق روانہ کیا کہ مولانا جامی کو
قسطنطنیہ لائے۔ اتفاق سے خواجہ کرمانی دمشق اُس وقت پہنچے کہ مولانا جامی حلب روانہ ہو
چکے تھے۔ حلب سے تبریز ہوتے ہوئے وطن پہنچے اور عمائدین شہر نے اُن کا شایان
شان استقبال کیا۔

مولانا جامی درویش صفت انسان تھے اور بہرات کے قریب مزار خیابان کی خانقاہ
میں سکونت رکھتے تھے۔ اُن کی پرکشش شخصیت ہمے پیش نظر عوام و خواص جوق در جوق
ان کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

شایان وقت کی نیاز مندی۔

مولانا جامی کے زمانہ میں اسلامی دنیا میں کئی ایک خود مختار حکمران واد حکومت دے
رہے تھے۔ ایران کے مشرقی حصہ پر تیموری خاندان کی حکومت تھی۔ اس علاقہ کا آخری
حاکم، سلطان حسین باقر تھا۔ ایران کے جنوب اور مغرب میں ترکمانوں کا اقتدار تھا۔
افغانستان، عراق اور خراسان پر ابوالقاسم قابض تھا۔ یہ سب ہی فرمانروا مولانا جامی
کے عہدت مند تھے۔

سلطان ابوسعید حبیب کی سلطنت کی حدود ایک طرف چین سے ملتی تھیں اور
دوسری طرف برصغیر سے ملتی تھیں، مولانا کا مرید تھا۔ سلطان قسطنطنیہ نے انہیں اپنے ہاں
آنے کی دعوت تھی جس کا ذکر سفر حج میں کیا جا چکا ہے۔

اولاد:

مولانا کی اہلیہ خواجہ سعد الدین کا شعری کی پوتی اور خواجہ کلاں کی صاحبزادی تھیں۔ اُن سے چار بیٹے پیدا ہوئے لیکن صرف ایک ضیاء الدین یوسف طبعی عمر کو پہنچ کر فوت ہوا۔ اور اُن ہی سے مولانا کی نسل آگے بڑھی۔ باقی تینوں بچے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔

وفات:

۱۳ محرم ۸۹۸ھ کو بیمار ہوئے۔ ہر چند دارود واکیا گیا مگر بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور ۱۸ محرم کو روحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ہزاروں افراد نے بہ چشمِ نم تجہیز و تکفین کی مزارِ خیابان میں اپنے مرشد خواجہ سعد الدین کا شعری کے پہلو میں وفاتے گئے کسی نے مادۂ تاریخ کہا ہے ۶ و من دخلہ کات امنہ۔

تصنیفات:

مولانا جامی کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ ایک رائے کے مطابق اُن کی تصنیفات کی تعداد ۹۹ ہے۔ "قاموس المصابیر" میں یہ تعداد چوالیس سے زائد بتائی گئی ہے۔ یہ رائے بھی دی جاتی ہے کہ اُن کی کتابوں کی تعداد لفظ "جامی" کے اعداد کے برابر یعنی ۵۴ ہے جناب محمد حسین نسبی نے "لوائح" کے مقدمہ میں حسب ذیل کتابیں گنائی ہیں:

- ۱۔ تفسیر قرآن (تا آیت وایای فارہون)
- ۲۔ شواہد النبوت (منشور۔ فارسی)
- ۳۔ اشعة اللمعات۔ شرح لمعات شیخ فخر الدین ابراہیم ہمدانی عراقی
- ۴۔ شرح فصوص الحکم۔
- ۵۔ لوامع فی شرح الخمریہ (منظوم و منشور)
- ۶۔ شرح بعض ابیات تائیہ فارسیہ

۷۔ رسالہ شرح رباعیات (در توحید و معرفت ذات حق، فارسی)

۸۔ لوائح (منثور و منظوم)

۹۔ شرح بیسی چند از مثنوی مولوی (یا رسالہ النائیہ)

۱۰۔ شرح حدیث ابی ذر غفاری۔

۱۱۔ رسالہ فی الوجود۔

۱۲۔ ترجمہ اربعین حدیث (یا چہل حدیث منظوم، فارسی)

۱۳۔ رسالہ لا الہ الا اللہ

۱۴۔ مناقب خواجہ عبداللہ انصاری۔

۱۵۔ رسالہ تحقیق مذہب صوفی و تکلم حکیم۔

۱۶۔ رسالہ سوال و جواب ہندوستان۔

۱۷۔ رسالہ مناسک حج (یا رسالہ ارکان الحج۔ فارسی منثور)

۱۸۔ سلسلہ الذہب (فارسی۔ منظوم)

۱۹۔ سلمان و البسال (فارسی۔ منظوم)

۲۰۔ تحفۃ الاحرار (فارسی۔ منظوم) ۲۱۔ سجدۃ الابرار (فارسی۔ منظوم)

۲۲۔ یوسف و زلیخا (فارسی۔ منظوم) ۲۳۔ لیلیٰ و مجنون (فارسی۔ منظوم)

۲۴۔ خردنامہ اسکندری (فارسی۔ منظوم)

۲۵۔ رسالہ در فن قافیہ دیا: الرسالۃ الوافیہ فی علم القافیہ: منثور)

۲۶۔ دیوان اول ۲۷۔ دیوان ثانی

۲۸۔ دیوان ثالث ۲۹۔ رسالہ منظومہ

۳۰۔ بہارستان (منظوم و منثور) ۳۱۔ رسالہ کبیر در معانی بحلیہ جمل (منثور)

۳۲۔ رسالہ متوسط ۳۳۔ رسالہ صغیر در معانی (منظوم)

- ۳۴۔ رسالہ اصغر و درمما
۳۵۔ رسالہ عروض
۳۶۔ رسالہ موسیقی
۳۷۔ منشآت و فارسی منظوم
۳۸۔ فوائد الجبناشیم فی شرح الکافیہ ابن حاجب۔
۳۹۔ شرح بعضی از مفتاح الغیب (منظوم و منشور)
۴۰۔ نقد النصوص فی شرح نقش العصوص (منشور)
۴۱۔ نفحات الانس من حضرات القدس (فارسی، منشور)
۴۲۔ رسالہ طریق صوفیاں۔ (یا: رسالہ در طریق خواجگان)
۴۳۔ شرح بیت خسرو بلوی۔ ۴۴۔ مناقب مولوی۔
۴۵۔ سخنان خواجه پارسا (منشور، فارسی)
۴۶۔ تجنیس اللغات (یا: تجنیس الخط منظوم، فارسی)
۴۷۔ شرح ابی رزین عقیلی
۴۸۔ رسالہ فی الواحد
۴۹۔ صرف فارسی منظوم و منشور
۵۰۔ دیوان قصائد غزلیات
جناب محمد حسین بیسی کی مندرجہ ذیل کتابیں بھی دستی نہیں ہے تلاش و جستجو سے چند مزید کتابوں کا اضافہ ہو سکتا ہے مثال کے طور پر پندرہ اس کی سرکاری لائبریری میں ان سے منسوب ایک کتاب منتخب شونہی علی ہے۔

عبدالرحمان جلال الدین سیوطی

عبدالرحمان بن شیخ کمال الدین ابی بکر بن محمد بن سابق الدین کا لقب جلال الدین ،
کنیت ابوالفضل ، عرف ابن الکتب اور صفت نسبتی سیوطی اور خضیری ہے۔

کنیت "ابوالفضل" کے بارے میں روایت ہے کہ علامہ سیوطی ایک بار اپنے استاد
شیخ عزالدین احمد کفانی شافعی (م ۸۷۶ھ) کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے علامہ سیوطی
سے کنیت دریافت کی۔ علامہ نے جواب دیا کہ کوئی کنیت اختیار نہیں کی۔ شیخ کفانی نے
فرمایا تمہاری کنیت ابوالفضل ہے اور اپنے قلم سے یہ کنیت لکھ دی چنانچہ یہی کنیت
مشہور ہو گئی۔

"ابن الکتب" کے عرف کی وجہ نہایت عجیب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ علامہ سیوطی
کے والد نے اپنی بیوی کو کسی کتاب کے اٹھالانے کے لئے کہا۔ وہ کتاب لینے گئیں اتنے
میں دروازہ شروع ہوا اور ان کی ولادت ہو گئی اس لئے "ابن الکتب" عرف ہو گیا۔ غالباً
علمائے اسلام میں صرف علامہ سیوطی ہی اس عرف سے مشہور ہوئے ہیں۔

صفت نسبتی خضیری اور سیوطی کے بارے میں واضح ہے کہ ان کا خاندان
بنداد کے محلہ خضیریہ میں رہا تھا۔ وہاں سے اسیوط منتقل ہوا جو دریائے نیل کے
مغربی کنارے ایک زرخیز شہر تھا۔ ان ہی مقامات کے حوالے سے خضیری اور اسیوطی
یا سیوطی کہے جاتے ہیں۔

ابتدائی زندگی :-

علامہ سیوطی ۱۴۹۲ھ / ۲۰ رجب ۸۴۹ھ - ۱۴۴۵ھ / ۱۰ اکتوبر ۱۴۴۵ھ کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان

وینی اور دنیوی دونوں حیثیتوں سے ممتاز تھا۔ اُن کے والد شیخ کمال الدین بلند پایہ اویس، نامور مدرس اور صاحب حیثیت شخص تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے۔ قاہرہ آنے سے پہلے ایسوط کے قاضی تھے اور بعد میں خلیفہ متکفی باللہ کے امام ہوئے۔

علامہ سیوطی کی عمر بھی پانچ سال سات ماہ تھی کہ ۵ صفر ۵۸۵ھ / ۹ مایچ ۱۲۵۱ء کو اُن کے والد کا انتقال ہو گیا۔ شیخ کمال الدین مرحوم نے علامہ سیوطی کی تعلیم و تربیت کے لئے شیخ شہاب الدین ابن طباطبائی اور شیخ کمال الدین ابن ہمام کو بھی بنایا۔ چنانچہ علامہ سیوطی کو جامع شیخونہ (قاہرہ) میں داخل کر دیا گیا۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور قاہرہ کے علمائے وقت میں سے تقریباً ہر بڑی شخصیت سے استفادہ کیا۔ جن محلّہ فی اجبار مصر و القاہرہ میں اپنے شاخ کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہوتے ہیں۔ چند اساتذہ یہ ہیں:-

- ۱- قاضی القضاة علم الدین صالح بلعینی (م ۵۶۸۶) سے فقہ کی تعلیم پائی۔
- ۲- شیخ شرف الدین یحییٰ سناری (م ۵۸۶۱) سے تفسیر بیضاوی پڑھی۔
- ۳- شیخ تقی الدین احمد ثمنی حنفی (م ۵۸۶۲ / ۱۲۶۶) سے حدیث اور عربیت کی تعلیم

حاصل کی۔

۴- شیخ سیف الدین حنفی (م ۵۸۸۱ / ۱۲۶۶) سے کثافت، توضیح تلخیص المفتاح اور رسالہ عضدیہ وغیرہ پڑھے۔

۵- شیخ شہاب الدین الشارحی (م ۵۸۶۵ / ۱۲۶۱) سے علم قرآن کی تحصیل کی۔

۶- محمد بن ابراہیم شروانی رومی سے علم طب کا درس لیا۔

سیاحت بہ

علامہ سیوطی کے ذوق علم نے انہیں دوسرے ممالک کے دیکھنے کا بھی موقع بہم پہنچایا

اور انہوں نے شام، یمن، حجاز، بلادِ مغرب اور برصغیر کے سفر کئے۔ برصغیر میں کب آئے اور کس حقہ میں آئے؟ اس بارے میں علامہ سیوطی نے خود کچھ نہیں لکھا اور وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

تدریس و افتاء۔

تحصیل علم کے بعد ۱۲۶۷/۵۸۷۲ء میں علامہ سیوطی نے تدریس شروع کی اور اس سال علامہ بلقینی کی کوشش سے جامع شیخونہ میں اپنے والد کی جگہ پر کام شروع کیا۔ اُن کے والد اس جامع میں مشیختہ الحدیث کا منصب رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ جامع ابن طولون میں مسند درس کو زینت بخشی جس سے اُن کی شہرت دُور و دُور تک پھیل گئی جامع ابن طولون میں قدامت کے طریقہ اِمام کو زندہ کیا مگر معاصرین کی مخالفت سے یہ سلسلہ بند کر دیا۔

۱۲۸۶/۵۸۹۱ء میں بیبرسیہ میں شیخ جلال الدین بکری کی وفات کے بعد خانقاہ بیبرسیہ میں مشیختہ المقصود کے منصب پر فائز ہوئے لیکن وہاں ایک جماعت سے اختلاف ہو گیا اس لئے ۱۲۹۰/۵۹۰۶ء میں الگ کر دیئے گئے۔

علامہ سیوطی نے تدریس شروع کرنے سے پہلے ۲۱ سال کی عمر میں ۵۸۷۱ء سے افتاء نویسی کا آغاز کیا مگر احتیاط کا یہ عالم تھا کہ بزمِ عم خود مجتہد ہونے کے، فتویٰ مذہبِ شافعی کے مطابق دیتے تھے۔ بیبرسیہ کے زمانہ قیام میں قاضی القضاة بنا دیئے گئے تھے۔

آخری زمانہ حیات۔

۱۲۹۰/۵۹۰۶ء میں غلوت نشین ہو گئے اور اپنا وقت عبادت و ریاضت میں گزارنے لگے۔ آخری زمانہ حیات میں دائیں بازو میں درد ہوا اور دم آ گیا۔ تکلیف بڑھتی گئی اور اسی مرض میں ۱۹ جمادی الاول ۱۱۹۱/۵۰۵ء کو اپنے مکان

واقعہ روضۃ المقیاس میں وفات پائی۔

سیرت و کردار۔

علامہ سیوطی زاہد و عابد، صابر و شاکر اور مستقل مزاج تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ان کی طبیعت کی تیزی کا ذکر بھی کیا ہے۔

غیر معمولی حافظہ کے مالک تھے اور علوم اسلامیہ پر وسیع نظر رکھتے تھے۔ شعر و سخن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ ان کی کتابوں میں کہیں کہیں اشعار مل جاتے ہیں۔ ان کی شاعری زیادہ تر علمی فوائد اور دینی نصائح پر مشتمل ہوتی تھی۔

تصنیفات :-

علامہ سیوطی کثیر القانیف تھے۔ ان کا زمانہ جمع، شرح اور تفسیر کا زمانہ ہے۔ ایجاد و ابداع کا نہیں۔ جمع و شرح میں انہوں نے کمال پیدا کیا ہے جو من مستشرق بردکلمان نے مطبوعہ و غیر مطبوعہ تالیفات کی تعداد ۴۱۵ بتائی ہے۔ مولانا عبدالحی فرنگی علی پانچ سو سے زائد بتاتے ہیں۔ اور فلوگل نے کشف القنون کے آخر میں جو فہرست مہیا کی ہے اس میں پانچ سو اسی کتابیں مذکور ہیں۔ یہ واضح ہے کہ ان میں ضخیم تصنیفات کے ساتھ مختصر رسالے بھی ہیں۔

علامہ سیوطی کی تصنیفات کو ان کی زندگی ہی میں مقبولیت حاصل ہو گئی تھی اور ہر دور میں علماء نے ان کی کتابوں سے اعتناء کیا ہے۔ علامہ سیوطی جامع العلوم تھے لیکن سات علوم میں انہیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ یہ سات علوم تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع ہیں۔

اس مختصر سے معنون میں یہ تو ممکن نہیں کہ علامہ سیوطی کی تمام تصنیفات کا احاطہ کیا

جائے۔ صرف قرآن مجید سے متعلق اہم کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱- الاتقان فی علوم القرآن

۲- الذیلمنثور فی التفسیر الماثور۔ علامہ سیوطی نے قرآن مجید کی ایک مبسوط و

مفصل تفسیر بنام "ترجمان القرآن فی التفسیر المسند" کے نام سے لکھی بعد میں اس کا اختصار
الذیلمنثور کر دیا۔ یہ اختصار بھی چھ جلدوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اصل تفسیر "ترجمان القرآن
فی التفسیر المسند" کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۳- تفسیر جلالین :-

اس تفسیر کا نصف حصہ سورۃ الکہف تا والناس اور سورۃ فاتحہ علامہ جلال الدین
علی شافعی (م ۵۸۶ھ) نے لکھا تھا۔ باقی حصہ جلال الدین سیوطی نے لکھ کر ۵۸۷ھ میں مکمل کی۔
جلالین کے دونوں مؤلف شافعی المذہب تھے لیکن کتاب کو اس قدر مقبولیت
حاصل ہوئی کہ ہر مکتب فکر کے علماء نے اس سے اعتناء کیا شرحیں اور حواشی لکھے اور نصاب
میں شامل کی۔ برصغیر پاک و ہند کے مدارس میں پڑھائی جا رہی ہے اور یہاں کے علماء نے
بکثرت حواشی لکھے ہیں چند اہم حواشی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حواشی تفسیر جلالین :-

۱- کمالین حاشیہ جلالین ۔

شیخ سلام اللہ (م ۵۱۲۲۹ھ) بن شیخ الاسلام محمد دہلوی کا یہ حاشیہ پہلی مرتبہ ۱۲۸۷ھ
میں شائع ہوا۔ یہ حاشیہ جلالین کے متن کی طرح نہایت مختصر ہے۔

۲- الہلالین حاشیہ جلالین ۔

مولانا ترازب علی لکنوی (م ۵۱۲۸۱ھ) نے تفسیر جلالین کے آخری پارہ پر حاشیہ لکھا۔
ڈاکٹر زبید احمد کی رائے کے مطابق یہ حاشیہ کمالین کی نسبت زیادہ جامع ہے۔

نہ۔ تعلیقات الجلالین ۱۔

؛ مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ) کا یہ حاشیہ ۱۲۸۷ھ میں علی گڑھ سے چھپا
کتاب کے دیباچہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ علوم کے بڑے بڑے پہاڑ اس کتاب پر
پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور بظاہر ان پر کسی مزید امانے کی ضرورت نہ تھی تاہم

وقد بقیتے عوامضہ علی حالہا کان لم یبظرا الحی اشکالہا
فاردتہ انہما کتبہ ...

یعنی بیت سی گیتیاں بے سلجھی ہوئی رہ گئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان
اشکال کی طرف ان کی نظر نہ گئی۔ اس لئے میں نے کچھ لکھنے کا اوار کیا،
۴۔ ترویج الارواح: روح اللہ صغریٰ نقشبندی (م ۱۳۱۷ھ) نے یہ حاشیہ لکھا،

۵۔ زلالین حاشیہ جلالین ۱۔

محمد ریاست علی صغریٰ نے زلالین کے نام سے حاشیہ لکھا جو مطبع نو لکٹور لکھنؤ
سے ۱۳۴۲ھ میں کمالین کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

عبدالرشید دیوان

شمس الحق عبدالرشید بن محمد مصطفیٰ بن عبدالحمید ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔
وہ ۱۸۹۱-۹۲ء میں جو نپور کے ایک نواحی گاؤں بروہہ میں پیدا ہوئے یہ اُن کے
والد ماجد اپنے وقت کے مزاج عام اولیاء اللہ میں سے تھے جو ایک واسطہ سے
نظام الدین امیٹھوی کے مرید تھے۔

تعلیم و تربیت :-

ابتدائی تعلیم حضرت شمس نور بروہی (م ۱۰۴۷ھ) سے پائی جب شمس نور بروہی شاہزادہ
پروہی کی تعلیم کے لئے الہ آباد تشریف لے گئے تو ملا محمد افضل جو نپوری کے سامنے زانوئے
تلمذ تہہ کیا۔

تدریس

انھوں نے بروہہ کی سکونت ترک کر کے جو نپور میں سکونت اختیار کر لی اور درس و تدریس
کا شغل اختیار کیا۔

سلسلہ بیعت اور تہجد :-

عبدالرشید اپنے والد سے بیعت تھے طریقہ قلندریہ میں شیخ عبدالقدوس بن عبدالسلام
قلندر جو نپوری سے بیعت کی تھی۔ اسی طرح شیخ طیب بارسی (م ۱۰۴۲ھ) اور بعض دوسرے

۱۔ سید سلیمان ندوی مرحوم نے لکھا ہے کہ اُن کا اصل وطن قصبہ نظام آباد (ضلع غم گڑھ) ہے جو سرگم پور

سے دس ہل بہانہ مشرق واقع ہے۔ (حیات شہد ۵۵) ۲۔ لکھنؤ میں تاملتھنری تاثرات قلندر: ۱۷۳ ۵

جمہوریاء سے بھی تعلق ارادت رکھتے تھے۔

کچھ عرصہ درس و تدریس کا شغل اختیار رکھنے کے بعد تہجد کی زندگی اختیار کی۔ سامرا،
اغنیاء کی مجالس سے پرہیز کرتے تھے اور زیادہ وقت اپنی خانقاہ میں گزارتے تھے۔
شاہجہان نے اُن کا علمی شہرہ سنا تو ملاقات کا شوق لئے حاضر ہوا لیکن شاہ کے اصرار
کے باوجود ملاقات کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ اس زمانہ میں محی الدین ابن عربی کی
تصنیفات زیر مطالعہ رہیں۔

وفات :-

روایت ہے کہ فجر کی سنتوں کے بعد فرض شروع کر رہے تھے کہ تجسیم تحریمہ کہتے
ہی روح قاضی عسقلانی سے پرواز کر گئی۔ یہ حادثہ فاجعہ ۹ رمضان المبارک ۱۰۸۳ھ/ ۲۹
دسمبر ۱۶۷۲ء کو وقوع پذیر ہوا۔ مزار محلہ رشید آباد جو پور میں ہے۔

تصنیفات :-

دیوان صاحب سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

- ۱۔ رشیدیہ (فن مناظرہ)
- ۲۔ شرح اسرار المخلوقات شیخ اکبر
- ۳۔ مقصود الطالبین (اوراد و وظائف)
- ۴۔ حاشیہ شرح مختصر عضدی
- ۵۔ رسالہ حکوم مربوط
- ۶۔ زاد السالکین (فارسی)
- ۷۔ حاشیہ کافیہ ابن حاجب (فارسی)
- ۸۔ بہت خوان (مجموعہ کلام فارسی)
- ۹۔ خلاصۃ النحو (عربی)
- ۱۰۔ شرح ہدایت الحکمت (عربی)

نمونہ کلام :-

موصوف فارسی میں شعر کہتے تھے۔ "اور شمس تخلص کرتے تھے۔ اُن کے چند

منشور ہیں۔

ہر گناہ اور عاٹے دیگر است
پچھت زلفش بلاٹے دیگر است
من بیک دم سیر عالم میسکنم
روح را دستے و پائے دیگر است
پر بدن صد زخم خنجر گرزنی
کے پیرم جاں بجائے دیگر است

دیوان عبدالرشید کے ملفوظات شیخ نصرت بن جمال ملتانی (م ۱۰۹۰ھ) نے "گنج
ارشدی" کے نام سے جمع کئے تھے۔

عبدالحکیم سیالکوٹی

علامہ عبدالحکیم بن شمس الدین کی تاریخ ولادت کے بارے میں اکثر تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ عہد عالمگیری کے مؤرخ بھٹا درخان نے اُن کا سال ولادت ۸۸ھ بتایا ہے۔
تاریخ تولدش لفظ حفظِ گفتہ اند

قرائن سے بھی اُن کی تاریخ ولادت کا یہی زمانہ متعین ہوتا ہے۔

علامہ سیالکوٹی نے مولانا کمال الدین کشمیری سے اکتسابِ علم کیا۔ مصروف اپنے دور کے جید عالم اور مصوفی تھے۔ ۱۰۱۷ھ/۹-۱۰۸۰ھ میں لاہور میں فوت ہوئے کسی نے خوب مصروف تاریخ کہا ہے

ملق حق تطب و تاج الاولیاء ملام کمال

ملا کمال الدین کے درس میں اپنے وقت کے تین عظیم سپر ت یکجا ہو گئے تھے اور یہ تھے نواب سعد اللہ خاں، شیخ احمد سرہندی معروف بہ محبہ والفت ثانی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، علامہ سیالکوٹی نے علامہ السلام (ساکن دیوہ) سے بھی استفادہ کیا تھا۔
عملی زندگی

اکبر کے معاصر تذکروں اور تاریخی کتابوں میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا غالباً اسی دنوں علامہ مصروف کا شہرہ زیادہ نہیں تھا اور وہ لاہور میں مصروف درس و تدریس تھے۔

مآخذ اللہ سندیاوی (م ۱۱۶۰ھ) شاسح سلم العلوم نے اُن کے قول کو قال الفاضل اللہ جہری کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔

جہانگیر کے زمانہ میں شاہی دربار کی نظر میں آئے، جہانگیر نے انہیں ایک معقول جاگیر عنایت کی اور اُن کا شمار اہل حشمت میں ہونے لگا۔ شاہجہان برسر اقدار آیا تو انہیں اکبر آباد کے مدرسہ میں مدرس اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اسی مدرسہ میں دربار شاہجہان کے مشہور شاعر حاجی محمد جان تہسی مشہدی بھی مدرس تھے۔

سند تدریس سے علامہ سیالکوٹی دربار تک پہنچے شاہجہان اُن کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ اُنہیں "ملک العلماء" کا خطاب دیا۔ اور دو بار چاندی سے تلو اکراں کے وزن کے برابر چھ ہزار روپے نقد عطا کئے۔ شاہجہان جن علماء سے مشورہ کرتا تھا اُن میں علامہ سیالکوٹی شامل تھے۔ علامہ سیالکوٹی کے مشورہ سے شاہجہان نے بعض غیر شرعی رسوم مثلاً سجدہ کورنش وغیرہ ختم کیا تھا۔

بیعت :-

روایت ہے کہ علامہ سیالکوٹی نے نوشہ گنج بخشؒ (م ۱۰۶۲ھ) سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی لیکن حضرت نوشہؒ نے اُن کے پاس سے کہا۔

دشما خاطر جمع دارید کہ نصیب شامہرۃ دین و دنیا شدہ است و شما در کار خود مشغول باشید از شما عالم فیضیاب خواہد شد یہ

چنانچہ حضرت نوشہؒ سے بیعت نہ ہو سکے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ علامہ سیالکوٹی

۱۷ اکبر آباد کا یہ عالیشان مدرسہ اکبر نے تعمیر کرایا تھا۔ اُس کی کچھ عمارت شروع انگریزی عہد میں موجود تھی۔ اب دہتر روزمانہ کی نذر ہو چکی ہے۔ اس جگہ آبادی ہو گئی ہے اور ایک بڑا محلہ آباد ہے۔

بحوالہ مدرسہ مشہور سے (مضامین از آئندہ قریب: ۲۷-۲۴) ج ۱ رسالہ الامانہ (نسخہ خطی) ۲۵۲۱۴-۲۵۲۱۵

۱۰۲۲ھ/۱۹۱۳ء میں سیالکوٹ سے سرہند گئے اور حضرت مجدد الف ثانی سے شرف بیعت حاصل کیا اور حضرت کے مجدد الف ثانی ہونے کے اثبات میں ایک رسالہ "اول الف تجدیہ" کے نام سے لکھا۔

وفات :-

علامہ سیالکوٹی ۱۶ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ/۱۹۵۶ء کو فوت ہوئے ماثر الکرام کے مولف نے ۱۶ ربیع الاول کے بجائے ۱۲ ربیع الاول لکھا ہے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے ۱۰۶۸ھ لکھا ہے جو درست نہیں۔

علامہ سیالکوٹی میں فوت ہوئے تھے اور میں دفن ہوئے۔ اُن کا مزار عمدہ شاہجہاں کے طرز تعمیر پر بنایا گیا تھا۔ سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھر استعمال کئے گئے تھے۔ سکھ گردی کے زمانہ میں سنگ مرمر اکھیریا گیا اور عمارت کی شان و شوکت جاتی رہی۔ دسمبر ۱۹۳۴ء میں علامہ اقبالؒ نے لکھا۔

..... افسوس کہ اُن کا مزار جو تالاب کے کنارے ہی واقع ہے

نہایت کس مہر سی کی حالت میں اہل سیالکوٹ کی بے حس اور مردہ دلی
کا گلہ گزار ہے!

اولاد :-

علامہ سیالکوٹی کے بیٹے عبداللہ المقطبؒ بہ اللیب علم و فضل کے اعتبار سے فخر زمانہ باپ کے نامور فرزند تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر اُن کے علم و فضل کا قدردان تھا۔ اور اُن سے ہدایہ پر حاشیہ یادگار ہے۔

تصنیقات :-

طاہد الحکیم سیالکوٹی اپنے دور کے باکمال عالم تھے۔ اکثر معاصر تذکرہ نگار اور مورخ اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے انہیں "آفتاب پنجاب"

قراردیا تھا۔

علامہ صالح کنہوہ لکھا ہے :-

ہے بیرونے کمالات خدا اور نہایت معرفت بمبدأ و معاد برکتب معتبرہ
کہ ہنگی از تصانیف استادان پاستانت ہواشی خرد پسند معنی
طراز تعلیم آردہ

علامہ علی آزاد بلگرامی نے لکھا ہے :-

علامہ زمان و افتخار زمانیاں است، الحق در جمیع فنون درسی مثل

ادار زمین ہند بزنہ خاست

حافظ عبدالرحمان امرتسری نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ عراق، شام اور
ترکی کی متعدد دورسگاہوں میں ان کی تصنیفات داخل نصاب ہیں۔ برصغیر سے باہر
علمی حیثیت سے جو شہرت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو حاصل ہے اُسے کوئی دوسرا مصنف
حاصل نہیں کر سکا۔ ملا عبدالحکیم سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

تفسیر قرآن :-

۱۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی -

تفسیر بیضاوی پر پہلے پونے دو پاروں کا حاشیہ ہے اور طلبہ میں متداول ہے۔

۲۔ حاشیہ علی الکشاف (غیر مطبوعہ)

فقہ و اصول فقہ :-

۳۔ حاشیہ مقامات اربعہ تلویح (مطبوعہ)

۴۔ حاشیہ علی المحاسمی (")

کلام :-

۵۔ حاشیہ علی شرح عقائد جلالی (مطبوعہ)

۶۔ حاشیہ علی شرح مواقف (مطبوعہ)

۷۔ حاشیہ بر حاشیہ خیالی (مولوی خیالی)

”عقائد نسفی“ کی شرح امام تفتازانی نے لکھی جو شرح عقائد النسفیہ کے نام سے معروف ہے۔ احمد بن موسیٰ معروف بہ خیالی نے اس شرح پر حاشیہ لکھا۔ عبدالحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ پر حاشیہ تحریر کیا جو مولوی خیالی کے نام سے طلبہ میں پھیلنا جاتا ہے۔ اس حاشیہ کے بارے میں ایک شعر مشہور ہے کہ

خیالات خیالی بس عظیم است

برائے حل او عبدالحکیم است

حاشیہ مطبوعہ ہے۔

۸۔ الرسالة الخاقانیہ یا الدر الثمینہ فی علم الواجب تعالیٰ

علامہ سیالکوٹی کی جملہ کتابوں میں اس رسالہ کو سب سے زیادہ اہمیت

حاصل ہے۔

شاہجہان نے امیرجان نثارخان کی قیادت میں ایک سفارت ایران بھیجی۔

اس وفد میں دربار کے دو عالم۔ محمد فاروق مشرف اور محب علی بھی شامل تھے معقولات

کے اہم مسائل علم واجب تعالیٰ اور حشر اجساد کے بارے میں وزیر ایران سے اُن

کی بحث ہوئی۔ جو بذاتِ خود اہل علم میں سے تھا۔ وزیر نے اُن سے گفتگو کی کہ امام

غزالی نے ان مسائل کے بارے میں ابو نصر فارابی اور ابن سینا کے خیالات کی تاویل

کی ہے۔ دربار ہند کے عالموں سے شافی جواب نہ بن سکا۔

سفارت کی واپسی پر شاہجہان اس صورت حال سے آگاہ ہوا۔ اُس کے

ایام پر ملا سعد اللہ خاں نے علامہ سیالکوٹی کو ان مسائل پر اظہار رائے کی دعوت دی تاکہ

وزیر ایران کو ان مسائل پر کوئی مدلل جواب بھیجا جاسکے۔

علامہ سیالکوٹی نے یہ رسالہ ۵ ربیع الاخریٰ ۱۰۵۷ھ کو لکھنا شروع کیا اور اسی ماہ کی ۱۲ تاریخ کو مکمل کر دیا۔ اس میں تین مسائل اعدوث و قدوم، حشر اجساد، علم باری تعالیٰ از بحث آئے ہیں۔ اس رسالہ انفا قانیہ تصحیح متن کے ساتھ اور نٹیل کالج میگزین میں چھپ چکا ہے۔ مؤلف روڈ کوثر نے لکھا ہے کہ اس رسالے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے اسے دربار شاہجہانی میں باریابی کے وقت پیش کیا یہ روایت درست نہیں ہے کیوں کہ رسالہ کا سال تالیف ۱۰۵۷ھ ہے جبکہ اس سے پانچ سال پہلے ملا عبدالحکیم کو چاندی میں تلوا یا جا چکا تھا۔

۹۔ زبدۃ الافکار (غیر مطبوعہ)

منطق :-

۱۰۔ حاشیہ علی میر قطبی (غیر مطبوعہ)

۱۱۔ حاشیہ علی حاشیہ مطالع الاوار (مطبوعہ)

۱۲۔ حاشیہ علی قطبی (غیر مطبوعہ)

منجور :-

۱۳۔ تکلمہ حاشیہ عبد الغفور علی شرح الجامی (مطبوعہ)

معانی :-

۱۴۔ حاشیہ علی المطول -

تراجم :-

۱۵۔ ترجمہ غنیۃ الطالبین (فارسی)

یہ ترجمہ انہوں نے شاہ بلاول قادری لاہوری (م ۱۰۴۶ھ) کی فرمائش پر کیا تھا۔

ڈاکٹر مخدومی محمد شفیع مرحوم نے ترجمہ غنیۃ الطالبین کو عبداللہ سیالکوٹی (فرزند عبدالحکیم سیالکوٹی) کی کاوش بتایا ہے۔ جو درست نہیں۔ عبداللہ سیالکوٹی نے والد ماجد کی وفات کے بعد ترجمہ پر مقدمہ لکھا تھا۔ غالباً اسی مقدمہ نگاری سے ڈاکٹر صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔

ناپید تصنیفات ۱۔

تذکرہ نگاروں نے علامہ سیالکوٹی کی مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے مگر ان کے مخطوطات تک موجود نہیں۔

- | | |
|------------------------------|------------------------------|
| ۱۔ حاشیہ شرح حکمت العین۔ | ۲۔ حاشیہ بر شرح مراح الارواح |
| ۳۔ حاشیہ شرح عقائد تفضال انی | ۴۔ القول المحیط (منطق) |
| ۵۔ حاشیہ شرح تہذیب (منطق) | ۶۔ کتاب مشہود |
| ۷۔ حاشیہ شریطیہ | ۸۔ دلائل التجدید |

مخالفت ۱۔

علامہ کی اس شہرت و منزلت کے باوجود بعض لوگ ان کی آزاد خیالی کے شاک ہیں چنانچہ ملا عبدالرزاق کاشمیری نے ان کے اکثر حواشی کا رد لکھا ہے۔ ملا کاشمیری شاہجہان کی طرف سے مدرسہ کابل کے مدرس تھے۔

رفاہی یادگاریں ۱۔

ملا سیالکوٹی کو تعمیراتی اور رفاہی کاموں کا بہت شوق تھا انھوں نے سیالکوٹ میں ایک عظیم الشان مدرسہ اور مسجد تعمیر کی تھی۔ اس مدرسہ میں ملک کے مختلف حصوں کے طلبہ علمی استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے مسجد جو ۱۰۵۲ھ میں تعمیر کی گئی تھی

آج بھی تحصیل بازار سیالکوٹ میں موجود ہے۔
مسجد اور مدرسہ کے علاوہ ایک کاروان سرائے، حمام، ایک وسیع و عریض تالاب
اور ایک شاندار عید گاہ بھی ملا موصوف کی یادگار تھیں، ان میں سے عید گاہ اور تالاب
تاحال موجود ہیں۔



عبد العلی محمد بحر العلوم

خاندانِ فرنگی محل کے گوہرِ شبِ چراغ مولانا عبد العلی محمد بحر العلوم ۱۱۴۴ھ / ۱۷۳۲-۱۷۳۱ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد ملا نظام الدین سے حاصل کی اور فاتحہ فراغ ملا کمال الدین سے پڑھا۔ سترہ سال کی عمر میں علومِ مروجہ کی تحصیل کر لی۔ اس سال لاکھوری کے ایک معزز خاندان میں شادی ہو گئی اور چھ ماہ بعد اُن کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔

ہجرت شاہجہا پور۔

لکھنؤ میں ایک عرصہ سے سنی شیعہ بحث چلی آرہی تھی۔ نواب شجاع الدولہ ۱۱۶۹ھ - ۱۱۹۰ھ کے ابتدائی عہد میں تعزیر کا جلوس نکالنے پر جھگڑا ہوا۔ اس میں ملا عبد العلی اور فرنگی محل کے دوسرے علماء نے فطری طور پر سنیوں کی تائید کی جس کی وجہ سے انہیں لکھنؤ چھوڑنا پڑا۔

اس وقت روہیلکھنڈ میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۲ء تا ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء کی حکومت تھی جو شجاع الدولہ کے سخت مخالف تھے۔ انہوں نے ملا عبد العلی کو اپنے ہاں بلا لیا اور شاہجہا پور کے سرکاری مدرسہ میں اُن کا تقرر کر دیا۔ ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء اپریل ۲۳ء کو حافظ الملک جنگ میں کام آگئے تو ملا عبد العلی محمد شاہجہا پور سے

لہ ملا نظام الدین کا انتقال ۱۱۶۱ھ میں ہوا۔ اور اس وقت ملا عبد العلی محمد کی عمر سترہ سال تھی اس طرح ان کا سال ولادت ۱۱۴۴ھ بنتا ہے۔ نکاحی بلا لینی نے سال ولادت ۱۱۵۲ھ لکھا ہے (قاموس المشاہیر ج ۲: ۶۵) یہ درست نہیں ہے۔

رامپور چلے گئے۔

قیام رامپور۔

رامپور میں نواب فیض اللہ خاں (م ۱۲۰۸/۱۳۹۳ء) سرکاریائے سلطنت تھے۔ انہوں نے رامپور کے مدرسہ عالیہ کی مسند تدریس سپرد کی۔ ملا کی شہرت سن کر دور و نزدیک سے طلبہ جوق در جوق رامپور آنے لگے تو نواب صاحب نے طلبہ کے داخلہ پر کچھ پابندیاں عائد کر دیں۔ وہ ایک مقررہ حد تک ہی مدرسہ عالیہ کے اخراجات برداشت کرنا چاہتے تھے۔ اس کے برعکس ملا موصوف کی رائے یہ تھی کہ جو بھی تعلیم کے لئے آتا ہے اُسے داخلہ ملنا چاہئے۔ اور ریاست کو اس کے اخراجات پورے کرنا چاہئیں۔ چنانچہ نواب صاحب اور ملا موصوف کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ رامپور سے رخصت ہونے کا پروگرام بنانے لگے۔

قیام بہار:

اسی زمانہ میں منشی صدر الدین (م ۱۲۱۱/۱۳ مارچ ۱۷۹۶ء) نے بردوان کے قریب بہار کے قریب میں مدرسہ جلالیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ جب انہیں ملا اور نواب کے درمیان اختلافات معلوم ہوئے تو انہوں نے چار سو روپے ماہوار مشاہرہ پر بہار آنے کی دعوت دی۔ ایک سو طلبہ کا خرچ برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ رامپور میں پانچ سال گزار کر ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء میں ملا عبدالعلی محمد اہل وعیال سمیت بہار آگئے۔

ملا مدرسہ جلالیہ، سید جلال تبریزی (م ۱۲۴۴/۱۳۴۴ء) کی یاد میں ۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء میں قائم کیا گیا تھا اس کے اخراجات کے لئے بانئیں بناری پرگنہ کی آمدنی وقف تھی۔ مدرسہ کے ساتھ ایک عمدہ کتب خانہ تھا جو بہار، بہار، تبریزی کے نام سے موسوم ہوا اور ۱۹۰۴ء میں حکومت کے حوالہ کر دیا گیا۔ یہ ذخیرہ کتب مکان بالکلکتہ میں محفوظ کیا گیا۔ اس کی فہرست بزبان انگریزی شائع ہو چکی ہے۔

ملا موصوف جہاں میں علمی و تعلیمی سرگرمیوں میں منہمک تھے کہ بعض مفصلوں اور مطلب پرستوں نے منشی صدرالدین اور ان کے درمیان کچھ رنجش پیدا کر دی جس کی وجہ سے ملا موصوف دل برداشتہ ہو گئے۔ نواب محمد علی والا جاہ (م ۱۷۹۵ء/ ۱۲۰۹ھ) نے انہیں مدراس آنے کی دعوت دی تو وہ ۲۴ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ کو مدراس آ گئے۔ نواب محمد علی والا جاہ نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ ملا موصوف کی پالکی کو خود سہارا دے کر اپنے محل میں اتروایا اور ان کے شایان شان خاطر مہارت کی۔

قیام مدراس

مدرسہ کلاں مدراس کی صدر مدرس کی منصب پر فائز ہوئے اور ایک ہزار روپے ماہوار مشاہرہ مقرر ہوا۔ لیکن ملا موصوف نے یہ مشاہرہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی ضروریات پر بھی خرچ کیا۔

نواب کے دربار میں انہیں عزت و احترام کا مقام حاصل تھا۔ اولین نشست پر بیٹھتے تھے۔ تمام سرکاری دعوتوں اور رسموں میں ان کی شمولیت ضروری خیال کی جاتی تھی۔ نواب محمد علی والا جاہ نے ہی انہیں بحر العلوم کے خطاب سے نوازا تھا۔

نواب محمد علی والا جاہ کی وفات کے بعد ان کا فرزند نواب عمدة الامراء گدی نشین ہوا۔ دس دن بعد الربیع الاخریٰ ۱۲۱۰ھ/ ۲۲ دسمبر ۱۷۹۵ء کو خطابات تقسیم کئے گئے تو ملا موصوف کو عمدة الامراء نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ملک العلماء کا خطاب دیا۔

۱۲۱۶ھ/ ۱۸۰۱ء میں نواب عمدة الامراء بھی فوت ہو گیا۔ اس کی وفات پر جانشینی

کا مسئلہ پیدا ہوا۔ دستور کے مطابق عمدة الامراء کے بیٹے کو گدی نشین ہونا چاہیے تھا مگر

انگریزوں کی شرائط نہ ماننے کی بنا پر انہیں اقتدار سے محروم کر کے نیر محمد علی والا جاہ

نواب عظیم الدولہ کو گدی پر بٹھانے کی تیاریاں شروع کی گئیں اس موقع پر ملا موصوف

نے ایک فتویٰ شائع کیا جس پر مختلف علماء کے دستخط تھے کہ تاج و تخت کے حقیقی وارث

کے ہوتے کسی دوسرے کو تخت پر بٹھانا شرعاً اور عرفاً ناجائز ہے مگر انگریزوں نے اس فتویٰ کی کوئی پرواہ نہ کی۔ نواب عمدة الامراء کے بیٹے تاج الامراء کے سپاہیوں کے ہتھیار چھین لئے گئے اور نواب عظیم الدولہ کو گدی پر بٹھا دیا گیا۔

اس فتویٰ کے بعد ملا موصوف سے انگریزی حکومت بدظن ہو گئی اور ان کی اولاد کو دی ہوئی جاگیریں اور مراعات بعد میں چھین لی گئیں

نواب عظیم الدولہ کے زمانہ میں مدرسہ کے اخراجات کی طرف توجہ نہ دی گئی اور طلبہ کے مسائل بڑھتے چلے گئے تاہم ملا موصوف قناعت پسند تھے اور مشکل حالات میں بھی طلبہ کو پہلے کی طرح پڑھاتے رہے۔

آخر ابریس کی عمر میں ۱۲ رجب ۱۲۲۵ھ / ۱۳ اگست ۱۸۱۰ء کو مدراس میں وفات پائی اور دوسرے دن مسجد والا جاہسی کے صحن سے ملحق سیدھے جانبِ دفن کئے گئے مختلف شعراء نے تاریخ وفات کے قطعات کہے۔ مولوی ارتضاعلی خاں کا ایک قطعہ ہے۔

چورفت از جہاں فاضل نامور
کہ بودہ است کاشمس بین النجوم
خرد یافت تاریخ سال وفاتش
بہر زمین رفت گنج علوم

۱۲۲۵ھ

خراجِ تحسین :-

ملا موصوف کی علمی خدمات کے پیش نظر ان کے معاصرین اور بعد میں آنے والے اہل علم نے انہیں بھرپور خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ فضلِ امام خیر آبادی ان کی قوت

یادداشت کے بارے میں کہتے ہیں۔

”قوتِ حافظ جناب مولوی صاحب بدرجہ آنست کہ عبارت اکثر کتب

درسی از پرستہ لہ

سید سلیمان ندوی نے انہیں ابن خلدون اور شاہ ولی اللہ کے زمرے میں شمار

کیا ہے جنہوں نے دورِ متاخرین میں اجتہاد اور دقت نظری کی خوبی قائم رکھی۔

تصنیفات۔

صرف ۱۔

۱۔ ہدایت الصرف (فارسی۔ مطبوعہ)

فقہ و اصول فقہ:

۲۔ رسائل الارکان یا الارکان الاربعہ جنفی نقطہ نظر کے مطابق فقہی مسائل کا استنباط

کیا گیا ہے۔ یہ کتاب بعض عربی مدارس میں نصاب میں شامل رہی ہے۔ (مطبوعہ)

۳۔ مسائل متعلقہ حق و حرمت نان پاؤڈرائفون و جوزونگ۔

یہ درحقیقت ایک استفتاء کے جوابات ہیں جو بحر العلوم، شاہ عبدالعزیز محدث

دہلوی (م ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۴ء) اور شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) نے دیئے

تھے مطبع مصطفائی کانپور سے عربی مع بین السطور فارسی ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئے ہیں۔

۴۔ فاتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت (سن تالیف ۱۱۸۰ھ) مطبوعہ

۵۔ تنویر المنار شرح منار الانوار (فارسی۔ مطبوعہ)

۶۔ تکلمہ (حاشیہ) شرح تحریر الاصول۔ اصول فقہ میں کمال الدین محمد المشہور بہ ابن

الہام صاحب ”فتح القدر“ کی ”تحریر الاصول“ بہت اہم سمجھی جاتی ہے اور اس کی متعدد شرحیں

لکھی گئی ہیں۔ ملا نظام الدین سہالوی نے اس کی شرح لکھنا شروع کی تھی کہ اجل کا بلافا
آگیا ان کی نامکمل شرح کو تکمیل تک پہنچایا
۷۔ شرح الدائر فی الاصول

حدیث :-

- ۸۔ رسالہ فی تقسیم الحدیث (مخطوطہ۔ رضا لائبریری رامپور)
۹۔ رسالہ اصول الحدیث (عسکت خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ)

عقائد و کلام :-

- ۱۰۔ احوال قیامت (مخطوطہ۔ فارسی)
۱۱۔ رسالہ توحید
۱۲۔ شرح فقہ اکبر (مطبوعہ۔ فارسی)
۱۳۔ الحاشیہ علی حاشیہ میرزا ہد علی شرح المواقت (مطبوعہ)

تصوف :-

- ۱۴۔ تنزیلات بستہ۔ اس رسالہ کا اردو ترجمہ سماہی اقبال ریویو بابت جولائی
۱۹۴۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔
۱۵۔ الرسالۃ الصغریٰ فی السلوک (مخطوطہ۔ رضا لائبریری رامپور)
۱۶۔ شرح فصیح نوحی من فصوص الحکم
۱۷۔ شرح شنوی مولانا روم (فارسی۔ مطبوعہ)
۱۸۔ وحدت الوجود (فارسی)

منطق :-

- ۱۹۔ الحاشیہ علی حاشیہ میرزا ہد علی رسالۃ القطبیہ (مطبوعہ)
۲۰۔ الحاشیہ علی حاشیہ میرزا ہد ملا جلال ()

- ۲۱۔ الحاشیہ علی ضابطہ التہذیب (مطبوعہ)
- ۲۲۔ شرح مُسلم العلوم (")
- ۲۳۔ شرح الضابطہ (")
- فلسفہ و حکمت۔۱
- ۲۴۔ تعلیقات علی الافق المبین (مخطوطہ، رضا لائبریری رامپور)
- ۲۵۔ الحاشیہ علی الصدر (مطبوعہ)
- ۲۶۔ الحاشیہ علی المشاة بالکفریہ (مخطوطہ)
- ۲۷۔ حاشیہ شمس البازغہ (")
- ۲۸۔ العجالة النافه (" - رضا لائبریری رامپور)
- مبیت۔۱
- ۲۹۔ شرح المجمعلی (مخطوطہ - رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال)
- متفرق۔۱
- ۳۰۔ شرح مقامات المبادی (" - آصفیہ حیدرآباد)

عبدالغفور لاری

رضی الدین عبدالغفور لاری، حضرت سعد بن عبادہ کی اولاد میں سے تھے۔ عبدالرحمان جانی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ جانی بہت کم لوگوں کو مرید کرتے تھے لیکن لاری کے بارے میں ان کا قول ہے

”ایک مریدِ کامل یعنی لاری ہزاروں مریدوں سے بہتر ہے۔“ اور ان کے بارے میں اکثر یہ شعر لگنا یا کرتے تھے۔

آنجا کہ فہم و دانش مرغ بود شکاری

باز لیت تیز رفتار عبد الغفور لاری

مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر (م ۱۵۳۰ء) اپنی توڑک میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”ملا عبد الغفور نامی ایک اور عالم بھی بہت ممتاز تھے۔ ملا عبد الرحمان جانی کے مرید تھے اور شاگردِ رشید بھی۔ ملا جانی کی اکثر تصانیف اپنے استاد سے پڑھی تھیں۔ بڑے عالم اور زاہد بزرگ تھے بہت شکستہ المزاج اور شریف آدمی تھے۔ کسی بھی عالم کے سامنے کتاب کھول کر بیٹھ جانے میں عاز نہ سمجھتے تھے جس فقیر اور درویش کی آمد کا حال سنتے اُس کے پاس جا پہنچتے اور اُس سے کسب فیض کرنے میں قطعاً شرم محسوس نہ کرتے۔“

وفات :-

۵ شعبان ۱۲۹۱ھ / ۲۱ دسمبر ۱۹۰۶ء کو انتقال کیا اور خیابان ہرات میں ملاحامی کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ تاریخ وفات مالک مخدوم قطب، جناب خواجہ لاری اور عارف پیر حق لاری سے برآمد ہوتی ہے۔

تصنیفات :-

لاری نے اپنے استاد و مرشد عبدالرحمان جامی کی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں۔

۱۔ حاشیہ نغمات الانس

۲۔ حاشیہ فوائد الیقینیہ۔ کافیہ کی شرح "فوائد الصیغیہ" پر حاشیہ مکمل نہ ہو سکا

بعد میں ملا عبدالحکیم یالکوٹی نے اس کا تتمہ لکھا۔ یہ حاشیہ برصغیر میں معروف و متداول ہے۔

آرمینیس و میبرے نے لکھا ہے کہ ملا عبد الغفور کی شرحیں زیادہ مشہور نہیں ہیں

مگر قدر و قیمت میں کم نہیں ہیں۔ لہ



عبدالقاسم جرجانی

عبدالقاسم بن عبدالرحمان جرجانی کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہیں۔ انہوں نے محمد بن حسین فارسی (م ۵۴۶) سے تعلیم پائی تھی کسی دوسرے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا۔ انہوں نے زندگی بھر کوئی سفر نہ کیا۔

جرجانی مذہباً شافعی اشعری تھے اور علم بیان اور نحو میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے

۵۴۶/۱۰۷۸ء یا ۵۴۴/۱۰۸۱ء میں فوت ہوئے۔

جرجانی سے حسب ذیل تصنیفات یادگار ہیں۔

۱۔ یعنی شرح الصراح

۲۔ مقصد فی شرح اعجاز القرآن

۳۔ مائتہ عامل

۴۔ ولائل الاعجاز (معانی)

۵۔ اسرار البلاغت (بلاغت)

مؤخر الذکر دو کتابوں کے بارے میں مولوی ذوالفقار کا بیان ہے کہ یہ دو کتابیں آیت کبریٰ وید بیضا ہیں ان دو علموں میں متاخرین کا علم ان دو کی طرف منتهی ہوتا ہے۔



عبدالوہاب بن ابراہیم زنجانی

عزالدین ابوالمعالی عبدالوہاب بن ابراہیم بن عبدالوہاب الخزرجی زنجانی عربی ادب و انشائیں بلند مرتبہ کے مالک ہیں۔ حالاتِ زندگی کے بارے میں متداول تذکرے خاموش ہیں۔ غالباً شافعی الملک تھے۔ تاج الدین سبکی (م ۱۰۷۱ھ) نے اُن کے والد کو شافعی المذہب لکھا ہے۔

بناد میں ۱۰۶۵ھ/۱۱۵۷ء میں وفات پائی۔

زنجانی سے حسب ذیل تصنیفات یادگار ہیں:

۱۔ التصریف العزلی (زنجانی) علم صرف کی متداول عربی تالیف ہے متعدد علماء نے

اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ علامہ تفتازانی کی شرح بہت معروف ہے۔

۲۔ معیار النظائر فی علوم الاشعار (مخطوطہ)

۳۔ البادی فی النحو۔

عبداللہ نسفی

ابوالبرکات کینت، حافظ الدین لقب اور عبداللہ نام ہے۔ نسب نامہ یہ ہے
ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی۔ اُن کا اصل وطن ایندج (اصفہان)
تھا مگر نسبت میں سکونت اختیار کر لینے کے سبب نسفی مشہور ہوئے۔

ابوالبرکات نے فقہ کی تعلیم شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردوری (م ۵۶۴۲) حمید الدین
ضریر اور بدر الدین خواہر زاوہ سے حاصل کی۔

اپنے دور کے امام اور جلیل القدر حنفی فقیہ گزرے ہیں۔ اُن کے تفصیلی حالات
زندگی نہیں ملتے۔ کافی عرصہ بخارا میں سکونت پذیر رہے۔

۱۰۷۰ھ / ۱۳۱۰ء میں وفات پائی۔ خیر الدین زرکلی نے اُن کی مندرجہ ذیل تصنیفات
کے نام لکھے ہیں۔

۱۔ مدارک التنزیل۔ قرآن مجید کی معرود و متداول تفسیر ہے علامہ نے اس پر حواشی
لکھے ہیں۔

۲۔ وافی فی الفروع (فقہ) ۳۔ کافی (فقہ) وافی فی الفروع کی شرح ہے۔

۴۔ کنز الدقائق (فقہ) وافی کی تلخیص ہے۔ بجزت شروح و حواشی لکھے گئے ہیں۔

۵۔ المنار (اصول فقہ)

۶۔ کشف الاسرار (اصول فقہ) المنار کی شرح ہے۔

۷۔ المصنفی۔ ابو حفص نسفی (م ۵۵۳۷) کی نظم کی شرح ہے مخطوطات کی صورت میں بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔ ۸۔ عمدۃ العقائد۔

”سیر الاحناف“ میں ان کی مندرجہ ذیل مزید کتابوں کا ذکر ہے۔

۹۔ مستصفیٰ شرح فقہ النافع

۱۰۔ منتخب انکشی کی دو شرحیں

۱۱۔ عقیدہ حافظیہ

کنز الدقائق کے تراجم :-

فارسی :- شاہ ولی اللہ کے بھائی شاہ اہل اللہ نے یہ ترجمہ کیا۔

اردو :- مولانا محمد احسن نانوتوی نے اپنے بھائی مولوی محمد منیر کی فرمائش پر ۱۲۸۴ھ/

۱۸۶۷ء میں فارسی سے اردو ترجمہ کیا اور احسن المسائل نام رکھا۔ توضیح و تشریح کے لئے

حاشیہ لکھا ہے اور حسب ضرورت متن میں اضافہ کیا ہے۔

۲۔ کنز الدقائق کا دوسرا ترجمہ مولانا ظہیر احمد ظہیری سہوانی نے ظہیر الحقائق کے

نام سے کیا ہے۔

تشریح کنز الدقائق :-

عربی :- کنز الدقائق میں مسائل اس تائنت اور اختصار کے ساتھ بیان کئے

گئے ہیں کہ اس نے قبول عوام حاصل کر لیا۔ اس کی بے شمار شرحیں لکھی گئی ہیں جن کا احاطہ

مقصود نہیں۔ صرف اہم شرحوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ تبیین الحقائق۔ فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زلیعی (م ۷۲۲/۵۷۲ھ/۱۳۲۲ء)

۲۔ رمز الحقائق۔ بدر الدین محمود بن احمد صنیعی (م ۸۵۵/۱۲۵۱ء)

۳۔ البحر الرائق۔ نہایت بسوط شرح ہے۔ زین الدین بن نجیم مصری (م ۱۰۷۰ھ) نے شروع کی مگر پاپیہ تکمیل کو پہنچنے سے پہلے اُن کا انتقال ہو گیا بعد میں ان کے بھائی سراج الدین عمر نے مکمل کی۔

۴۔ النہر الفائق۔ سراج الدین عمر نے البحر الفائق کا اختصار کیا ہے۔

۵۔ شرح کنز الدقائق۔ ملا مسکین معین الدین

۶۔ شرح کنز الدقائق۔ قاضی عبدالبر بن محمد حلبی (م ۱۰۲۱ھ/۱۵۱۵ء)

۷۔ شرح کنز الدقائق۔ قاضی زین الدین بن عبدالرحیم بن محمود عینی (م ۱۰۸۴ھ/۱۶۷۹ء)

۸۔ الفوائد فی حل المسائل والقواعد (شرح مراد خانیہ)

مولانا مصطفیٰ بن بابی (بابی زادہ) نے ۱۰۳۶ھ میں مکمل کی۔

۹۔ شرح کنز الدقائق۔ شیخ قوام الدین ابو الفتح مسعود بن ابراہیم کرمانی (م ۱۰۴۸ھ)

(۱۳۴۷ء)

۱۰۔ شرح کنز الدقائق۔ ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عمر صالحی حنفی دمشقی مفتی شام (م ۱۰۹۵ھ)

(۱۵۴۳ء)

۱۱۔ شرح کنز الدقائق۔ عزالدین یوسف بن محمود رازی طہرانی نے زیلعی (م ۱۰۴۲ھ/۱۳۴۷ء)

کی شرح کا اختصار کیا۔ قاہرہ میں ۷ اشوال ۷۷۳ھ کو مکمل ہوئی۔

۱۲۔ المطلب الفائق۔ علامہ شیخ بدرالدین محمد بن عبدالرحمان عیسیٰ دیروزی کی سات جلدوں

میں بسوط شرح ہے

۱۳۔ شرح۔ ابو حامد محمد بن احمد بن ضیاء بکلی (م ۸۵۸ھ)

۱۴۔ المستخلص۔ ابراہیم بن محمد قاری حنفی نے ۹۰۷ھ میں مکمل کی۔

فارسی:-

۱۵۔ معیار الحقائق۔ ضیاء الدین محمد الحسینی۔

عبداللہ یزدی

ملا عبداللہ یزدی شہ آبادی بن شہاب الدین حسین نے علوم مروجہ کی تحصیل جمال الدین محمود (شاگرد جلال الدین دوانی) سے کی۔ اُن کے ہم درسوں میں مرزا جان شیرازی اور ملا مقدس اردبیلی شامل تھے۔ پیرتینوں ہم جماعت علوم عربیہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ اردبیلی نے فقہ و اصول میں نام پیدا کیا۔ عبداللہ یزدی اور مرزا جان نے ادب اور منطق کے فنون میں کار ہائے نمایاں انجام دیئے۔

ملا عبداللہ یزدی ۱۲۹۸ھ / ۱۸۷۳ء میں فوت ہوئے۔ حاجی خلیفہ چلبی نے ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۵ء لکھا ہے جو درست نہیں۔ عبداللہ کی حسب ذیل کتابیں ملتی ہیں۔

۱۔ حاشیہ مطول

۲۔ حاشیہ مختصر المعانی (تالیف - ۱۲۹۲ھ)

۳۔ حاشیہ بر حاشیہ مطول - ملا نظام الدین عثمان خطائی (م ۱۲۹۰ھ) نے مطول پر حاشیہ لکھا۔

اس پر مزید حاشیہ ہے۔

۴۔ حاشیہ بر حاشیہ مختصر المعانی۔ یہ بھی خطائی کے حاشیہ پر مزید اضافہ ہے۔

۵۔ حاشیہ بر حاشیہ مطول - سیّد شریف جرجانی کے حاشیہ مطول پر اضافہ ہے۔

۶۔ شرح تہذیب المنطق۔

عبداللہ بن عمر بیضاوی

”بیضا“ مضافات شیراز میں ایک بستی ہے۔ یہیں ابو سعید (ابوالخیر) عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ ولادت کسی تذکرہ نگار نے نہیں لکھی۔ قیاس چلتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری کے نصف اول میں پیدا ہوئے۔

وہ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد ماجد ابو بکر بن سعد کے عہد میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن مالوف میں حاصل کی بعد میں تہرت چلے گئے۔ تاج الدین بسکی کا بیان ہے کہ تہرت میں ایک علمی مجلس میں علامہ بیضاوی شریک ہوئے چونکہ اس شہر میں غیر معروف تھے اور کسی سے شناسائی نہ تھی اس لئے مجلس کے اواخر میں بیٹھے۔ مدرس نے دورانِ تدریس میں ایک لطیف نقطہ بیان کیا اور سامعین سے اس کی وضاحت کے لئے استفسار کیا۔ بیضاوی اپنی جگہ سے اٹھے اور اس عمدگی سے بحث کی کہ خود مدرس انگشت بدنداں رہ گئے۔ مدرس نے کہا کہ ان ہی لفظوں میں ایک بار پھر بحث دہرا دیجئے چنانچہ بیضاوی نے گفتگو دہرا دی اور بطور استفسار فرمایا کہ اس بحث میں ایک غلطی ہے۔ ذرا آپ اس کی تصحیح کیجئے۔ مدرس لاجواب ہو گئے۔ اہل علم کی اس مجلس میں وزیر مملکت موجود تھا اس نے بیضاوی کو قریب بلایا۔ احوال دریافت کئے۔ علامہ بیضاوی نے مہدہ قضا کے لئے درخواست کی۔ وزیر نے خلعتِ فاخرہ سے نوازا اور عہدہ قضا پر فائز ہوئے۔

شیخ محمد بن محمد سے ارادت کے بعد عہدہ قضا سے الگ ہو گئے اور تصنیف و
تالیف میں مصروف رہنے لگے

تبریزیہ میں ۵۶۸۴ یا ۵۶۸۵/۱۲۸۵ء یا ۱۲۸۶ء میں وفات پائی اور اپنے شیخ کے
پہلو میں دفن ہوئے۔

تصنیفات :-

امام بیضاوی سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ شرح مصابیح امام البغوی (حدیث)

۲۔ طوابع الانوار فی اصول الدین (علم کلام)

۳۔ المصباح فی اصول الدین (علم کلام۔ طوابع الانوار کا اختصار ہے)

۴۔ الايضاح فی اصول الدین۔

۵۔ شرح المحصول (اصول فقہ۔ امام فخر الدین رازی کی تالیف "المحصل" کی شرح ہے)

۶۔ شرح المنتخب (اصول فقہ)

۷۔ مرصاد الاصلنام الی مبادی الاحکام یا "شرح مختصر ابن حاجب" (اصول فقہ)

۸۔ منہاج الوصول الی علم الاصول (اصول فقہ)

۹۔ شرح التبینة للبی اسحاق الشیرازی ۴ جلد۔

۱۰۔ النایة القصوی فی درایت الفتوی۔

۱۱۔ التہذیب والاخلاق فی التصوف۔

۱۲۔ شرح الکافیہ (ابن حاجب کی متداول تالیف کی شرح ہے)

۱۳۔ کتاب فی المنطق ۱۴۔ مختصر فی البہبہ

۱۵۔ لب اللباب فی علم الاعراب۔ ۱۶۔ موضوعات العلوم وتعارفہا

۱۷۔ انوار التنزیل و اسرار التاویل۔

یہ تفسیر علامہ بیضاوی نے اپنے شیخ محمد بن محمد کے ایما پر تالیف کی۔ اس کی بنیاد علامہ جلال اللہ زحمتی کی "کشاف پر ہے۔ زحمتی چونکہ معتزلی تھے اس لئے تفسیر میں اعتزال رہ پایا۔ علامہ بیضاوی نے مسلک شافعی کے مطابق ترتیب نوکردی اور زحمتی کے اعتزال پر شدید گرفت کی۔

تفسیر بیضاوی برصغیر پاک و ہند اور مصر کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔

حواشی تفسیر بیضاوی

۱۰ انوار التنزیل و اسرار التاویل پر علماء نے بکثرت حواشی تحریر کئے ہیں۔ ان میں سے بعض ایک دوسرے کی نقل ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے علماء کے معروف اور اہم حواشی کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ مولانا مصلح الدین لاری، سندھ کے حاکم مرزا شاہ حسن کے استادوں میں سے تھے۔ ۱۹۵۱ء میں مکہ معظمہ چلے گئے۔ ان سے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ یادگار ہے۔
۲۔ ابوالفضل گارونی (م ۱۹۵۹ء) ملا جلال الدین ودانی کے شاگرد اور ملا مبارک ناگوری کے استاد تھے۔ انہوں نے بیضاوی پر حاشیہ لکھا۔

۳۔ شیخ محمد احمد آبادی (م ۱۹۸۲ء) ابوصالح محمد بن احمد میاں جی کے نام سے معروف ہیں۔ انہوں نے عربی زبان میں تفسیر محمدی لکھی۔ اس کے ساتھ تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھا۔
۴۔ وجیہ الدین علوی (م ۱۹۹۸ء) شاگرد ملا عماد طاری نے بھی ایک حاشیہ تحریر کیا ہے۔

۵۔ قاضی نور اللہ شوستری شیعی نے بھی ایک حاشیہ تحریر کیا۔

۶۔ عبدالسلام لاہوری (م ۱۰۳۷ھ) شاگرد میر فتح اللہ شیرازی کی تالیفات میں حاشیہ بیضاوی کا ذکر ملتا ہے۔

۷۔ تعلیق الحادی علی تفسیر البیضاوی کے نام سے شیخ عبدالحق دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے تفسیر کے کچھ اجزاء پر حواشی لکھے۔ انہوں نے تفسیر بیضاوی کے معتبر اور مؤثر حصوں پر قلم اٹھایا ہے۔

۸۔ عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) کا حاشیہ معروف ہے صرف سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ پر حاشیہ ہے۔

۹۔ عبد السلام ساکن دیرہ نے اپنے استاد ملا عبد السلام لاہوری کی پیروی میں ایک حاشیہ تحریر کیا۔

۱۰۔ جلال الدین بن نصیر چنابی (م گیارہویں صدی ہجری) نے حاشیہ تفسیر بیضاوی لکھا۔

۱۱۔ حافظ امان اللہ بناری (م ۱۱۳۳ھ) سے بھی ایک حاشیہ یادگار ہے۔

۱۲۔ نور الدین احمد آبادی (م ۱۱۵۵ھ) تفسیر سے خاص نفع رکھتے تھے۔ دوسری تفسیری کتابوں کے ساتھ ساتھ بیضاوی پر حاشیہ کیا۔

۱۳۔ محمد عابد لاہوری (م ۱۱۶۰ھ) نے بھی ایک حاشیہ لکھا۔

۱۴۔ ملا حامد بن عبد الرحیم جوہپوری نے بھی تعلیقات و حواشی تحریر کئے۔

۱۵۔ عبدالحکیم لکھنوی (م ۱۲۸۸ھ) بحر العلوم عبد العلی لکھنوی کے پوتے تھے۔ ان سے

کئی دوسری اہم کتابوں کے علاوہ حاشیہ تفسیر بیضاوی بھی یادگار ہے۔

۱۶۔ محمد اسراہیل سلہٹی نے حاشیہ تفسیر بیضاوی لکھا۔

نظام التواریخ ۱۔

یہ تاریخ علامہ بیضاوی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ ابتداء نے آفرینش سے لے کر

سلطان ابو سعید کے زمانہ (۱۶۱۶ھ-۱۶۳۶ھ) تک ایران کی مغل تاریخ ہے۔ ۱۹۳۰ء میں

حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔

مؤلف نے اس تاریخ میں اپنا نام ابو القاسم عمر البیضاوی لکھا ہے جب کہ علامہ بیضاوی (مفسر قرآن) کی کنیت ابو سعید اور ابو الخیر ہے۔ نیز یہ کتاب ۷۱۹ھ میں تالیف ہوئی۔ مؤلف کے اپنے الفاظ ہیں۔

”الی یومنا هذا وهو حادی العشرین ذی القعدہ سنہ تسع عشر و سبعمائتہ ہجریہ“

جب کہ علامہ بیضاوی (مفسر قرآن) کی وفات ۶۸۵/۱۲۸۶ء میں ہو چکی تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق وہ ۷۱۶/۱۳۱۶ء میں فوت ہوئے۔ اور غالباً یہ دوسری روایت بھی نظام التواریخ کے عمدتاً تالیف کے حوالہ سے متعین کرنے کی کوشش ہوئی ہے اس لئے اسے علامہ بیضاوی کے بجائے کسی دوسرے بیضاوی کی تالیف سمجھنا چاہئے۔

عبد اللہ بن مسعود

صدر الشریعت ثانی عبید اللہ بن مسعود بن محمود بن احمد الجبوی بخاری حنفی بلند پایہ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کے دادا تاج الشریعت مولف وقایہ "سراۃ وزنگار" تھے والد ماجد صدر الشریعت اول کے لقب سے معروف تھے اور خود صدر الشریعت ثانی مشہور تھے۔

۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء میں وفات پائی اور اپنے اسلاف کے قبرستان شرع آباد (مضاف بخارا) میں دفن کئے گئے۔ اُن سے حسب ذیل تصنیفات یادگار ہیں۔

۱۔ التفتیح (اصول فقہ) ۲۔ التوضیح - التفتیح کی شرح ہے۔

۳۔ نقایہ مختصر الوقایہ - عبید اللہ بن مسعود کے دادا تاج الشریعت محمود (م ۵۶۷۳)

کی تالیف "وقایہ الروایۃ" کا اختصار ہے۔ نقایہ پر کابر علماء نے شرحیں لکھی ہیں۔

۴۔ شرح وقایہ الروایۃ

شروح نقایہ (مختصر الوقایہ)

۱۔ کمال الدیایہ فی شرح النقایہ - شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن محمد شمعی (م ۵۸۷۲)

۲۔ شرح - علاء الدین علی بن محمد مصنفک (م ۵۸۷۵)

۳۔ شرح - شیخ قاسم بن قطلوبغا محدث حنفی (م ۵۸۷۹) یہ شرح ناتمام رہی۔

۴۔ شرح وقایہ - ملا عبد العلی برجنڈی نے ۱۹۳۲ء میں مکمل کی۔

۵۔ شرح وقایہ - محمود بن الیاس رومی نے ۸۵۱ھ میں مکمل کی۔

۶۔ شرح وقایہ - ملا عبدالرحمان جامی (م ۵۸۹۸) نے فارسی زبان میں یہ شرح لکھی ہے۔

۷۔ شرح وقایہ۔ ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد نے ۷۹۰ھ میں تالیف کی۔

۸۔ جامع الرموزہ شمس الدین محمد خراسانی قہستانی (م ۷۹۶۲)

۹۔ فتح باب العنایہ۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ)

حواشی شرح وقایہ:-

شرح وقایہ پر اکابر فقہاء نے بیش قیمت حواشی لکھے ہیں جن کا ذکر مولانا عبدالحمی
لکھنوی نے اپنے ”حاشیہ“ میں کیا ہے۔ چند اہم حواشی یہ ہیں۔

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ۔ یوسف بن جنید توقانی المعروف بہ انخی چلی کا حاشیہ متداول ہے

محمی نے ۷۸۹ھ میں یہ حاشیہ لکھنا شروع کیا اور ۷۹۰ھ میں فارغ ہوا۔

۲۔ حاشیہ مولانا عصام الدین ابراہیم بن محمد اسفرائینی (م ۷۹۹۴ھ) یہ حاشیہ صرف

کتاب البیع تک ہے۔

۳۔ حاشیہ علامہ سید شریف جرجانی (م ۷۸۱۶ھ)



قاضی عضد الدین ایچی

قاضی عضد الدین عبدالرحمان بن احمد بن عبدالنقار بن احمد ۵۶۸/۸۲-۱۲۸۱ء میں شیراز کے ایک نواحی گاؤں "اتج" میں پیدا ہوئے۔

قاضی عضد الدین نے اپنے دور کے نامور اساتذہ اور مولانا زین الدین (شاگرد علامہ ناصر الدین بیضاوی) سے اکتسابِ فیض کیا۔

عبد علائی (۵۶۹۵ تا ۷۱۵ء) کے آخری ایام میں برصغیر پاک و ہند میں آئے اور دیپال پور میں قیام کیا۔ یہاں محمد بن تغلق کو تعلیم دی۔ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے لکھا ہے کہ ان ہی کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا کہ محمد تغلق نے روشن خیالی اختیار کی۔ کچھ عرصہ بعد موصوف واپس شیراز چلے گئے اور ابو سعید والئی شیراز نے انہیں قاضی کا منصب دیا۔ محمد بن تغلق ۷۲۵ء میں تخت نشین ہوا تو اس نے دہلی کے مشہور عالم مولانا مصعب الدین عمراتی کو چالیس لاکھ روپیہ دے کر قاضی صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ یہ رقم بطور ہدیہ پیش کر کے شیراز سے برصغیر آنے کی دعوت دیں قاضی موصوف نے رضامندی کا اظہار کیا مگر ابو سعید نے بعد منت و سماجت روک لیا۔ مولوی رحمان علی کا بیان ہے۔

چوں پادشاہ شیراز از ماجرا واقف گشت
بجائی قاضی راضی نشد بلکہ از جمیع املاک سلطنت
برآمدہ بخدمت قاضی آمدہ التماس نمود کہ شتا

بر تخت سلطنت نشینید من خدمت شما کنم
جز منگوہ خود ہرچہ دارم اناں شماست، قاضی
چوں این ہمہ مروت و ہمت از وی بدید فتح عزیمت
دیار ہند نمود^۱

محمد قاسم فرشتہ کی روایت ہے کہ

مولانا عضد الدین استاد خود را چہل لک تنگہ در یک روز نے بخشیدے^۲
اس عبارت سے یہ تاثر ملتا ہے کہ قاضی موصوف عہد محمد بن تغلق میں برصغیر میں آئے
تھے۔ یہ تاثر درست نہیں۔

قاضی موصوف معقولات کے امام تھے۔ حافظ شیرازی نے اُن کے بارے میں کہا۔

وگر شہنشاہ دانش عقد کہ در بینش

بنائے کار موافقت بنام شاہ نہاد

قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دولت و ثروت سے بھی نوازا تھا۔ اور طلبہ پر
فیاضانہ رقم خرچ کرتے تھے۔ اُن کے دامن علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں شمس الدین
کرمانی، ضیاء الدین عیضی اور سعد الدین تفتازانی جیسے فخر روزگار عطا شامل ہیں۔ اشیر الدین
ابہری مولف ہدایت الحکمت اُن کے معاصر تھے اور اُن سے مناظرہ کرتے رہتے تھے
وقات۔

آخر عمر میں معتوب اقتدار ہو گئے تھے اور قلعہ درمیان میں قید کر دیئے گئے تھے۔
دوران قید ہی میں ۵۶/۱۳۵۵ء کو انتقال ہوا۔

^۱ بحوالہ آئینہ حقیقت نا۔

^۲ تذکرہ علماۃ ہند ۲۲۸-۲۲۹

^۳ حکمائے اسلام جلد دوم ۴: ۲۶۲

تصنیفات :-

خیر الدین زرکلی نے ان کی مندرجہ ذیل تصنیفات کا ذکر کیا ہے۔

- ۱۔ مواقف۔
- ۲۔ عقائد عضدیہ۔
- ۳۔ جواہر الکلام (غیر مطبوعہ)
- ۴۔ شرح مختصر ابن حاجب۔
- ۵۔ رسالہ عضدیہ
- ۶۔ الفوائد النبیاتیہ (معانی و بیان)
- ۷۔ اشرف التواریخ (غیر مطبوعہ)۔
- ۸۔ المدخل فی علم المعانی والبیان والبدیع۔



علی اکبر الہ آبادی

قاضی علی اکبر حسینی حنفی الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ بلند پایہ عالم دین تھے۔ علامہ سعد اللہ خاں نے انہیں اپنے فرزند لطف اللہ کا معلم مقرر کیا تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ تباہ شاہت میں شاہزادہ محمد اعظم کی تعلیم پر مامور رہے۔ جب عالمگیر کو ان کی فتاویٰ اور باغ نظری کا علم ہوا تو لاہور کا عہدہ قضا ان کے سپرد کر دیا۔ قاضی صاحب نے نہایت محنت اور دیانت داری سے اپنی ذمہ داریاں پوری کیں۔

”فتاویٰ عالمگیری کے چوتھائی حصہ کی انہوں نے نگرانی کی ۱۰۹۰ھ/۱۶۷۸ء میں لاہور کے گورنر قوام الدین اصفہانی کے اشارے پر کوئٹوال شہر نے انہیں قتل کر دیا۔ عالمگیر کو جب علم ہوا تو کوئٹوال شہر کو قصاص میں قتل کر دیا گیا اور گورنر کو شیخ الاسلام کے حوالے کر دیا گیا جو قاضی صاحب کے لواحقین کے معاف کرنے پر جان بچا سکا۔

قاضی صاحب بلند پایہ قواعد دان تھے۔ ان سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ فصول اکبری (فارسی)

اس میں عربی زبان کی صرف کے قواعد بیان کئے گئے ہیں۔ مدارس عربیہ میں مبتدی طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے

فصول اکبری کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ ایک شرح ملا علاء الدین فرنگی علی (۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء) سے یادگار ہے۔ دوسری عمدہ اور نفیس شرح شاہ حمایت علی

تقدیر کا کوئی دم ۲۵ رجب ۱۲۲۶ھ / ۱۶ اگست ۱۸۱۱ء نے رکانا اصول کے نام سے
لکھی ہے جو کئی بار طبع ہو چکی ہے

۲۔ اصول اکبری یا اصول الاکبریہ (عربی)

فصول اکبری کے موضوع پر ہی عربی زبان میں یہ کتاب تالیف کی ہے

۳۔ گہر منظوم (فارسی، عربی زبان کے قواعد صرف کو فارسی نظم میں بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ رسالہ لامیہ۔ اس رسالہ میں الف لام (حرف تفریق) کے استعمال اور

معانی پر بحث ہے۔

عمر بن محمد — نجم النسفی

ابتدائی زندگی

نخشب۔ ماورالنہر کا مردم خیر شہر ہے۔ عرب اس کو نسف کہتے ہیں۔ یہیں ۱۶۱ھ / ۱۰۶۸ء میں عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل بن محمد بن علی بن لقمان پیدا ہوئے۔ اُن کی کنیت ابو حفص، لقب نجم الدین اور صفت نسیتی، نسفی اور سمرقندی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نسفی نے حدیث و فقہ وغیرہ کی تحصیل کے لئے ساٹھ پانچ سو شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اُن کے شیوخ میں صدر الاسلام محمد بن محمد بن الحسین البزوری (م ۴۹۳ھ) عطاء بن حمزہ السفدی، قاضی ابو علی الحسن بن عبد المالک حنفی اور ابو محمد اسماعیل بن محمد النوحی النسفی جیسے حضرات شامل ہیں۔

علمی سفر۔

نجم الدین نسفی نے ماورالنہر، عراق اور حجاز کا سفر کیا اور ان علاقوں کے اہم شہروں میں قیام کیا۔ مکہ معظمہ گئے تو اس زمانے میں علامہ جلال الدین محمد شری (م ۵۳۸ھ) وہاں مقیم تھے۔ نسفی اُن سے ملاقات کرنے گئے۔ مکان پر جا کر دستک دی۔ آواز آئی

من ہذا؟ (کون)

نسفی نے کہا "عمر"

زعفرانی نے کہا "انصرف" (واپس چلے جاؤ)

نسفی کی شوخ بیعت گدگدائی اور انہوں نے جواب میں کہا "عمر لا ینصرف" (عمر

غیر منصرف ہے)

زخم شری آنے والی کی یاقوت تاڑ گئے اور پولے اڈا کر، یصرف (نکرہ ہو تو منصرف ہوتا ہے)

اس کے بعد ملاقات ہوئی:-

تذریس:-

نسفی سرآمد روزگار علماء میں سے تھے اور طلبہ جوق در جوق اُن سے رجوع کرتے تھے۔ اُن سے بلا مبالغہ سینکڑوں افراد نے تعلیم پائی۔ تذکرہ نگار تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ اُن کے بعض اساتذہ بھی علمی معاملات میں اُن سے مشورہ کرتے تھے۔ اُن کے معروف ترین شاگرد صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی مرغینانی ہیں۔

وفات:-

نسفی نے ۱۲ جمادی الاولیٰ ۷۵۲ھ / ۲ دسمبر ۱۳۴۲ء کو سمرقند میں انتقال کیا۔

اولاد:-

اُن کی اولاد میں صرف ایک بیٹے کا نام ملتا ہے جو باپ کی طرح صاحب علم و فضل اور علمی روایت کے امین تھے۔

تصنیفات:-

نسفی کثیر التصانیف عالم تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تاریخ اور ادب کے موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ اُن کی کتابوں کی تعداد سو سو سو تھی مگر ان میں سے بہت کم ملتی ہیں۔ مولانا امتیاز علی عرشی رامپوری نے اپنے تحقیقی مقالہ میں اکیس کتابوں کا ذکر کیا ہے تفصیل یہ ہے۔

تفسیر و قرأت

۱۔ التیسیر فی التفسیر (جلد ۲) عربی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ اس تفسیر کی جو مثنیٰ

- جلد کتاب خانہ رضائیرامپور میں ہے۔ (مخطوطہ)
۲۔ الاکل والاطول فی التفسیر۔ یہ بھی تفسیر قرآن ہے (مخطوطہ)
۳۔ رسالہ فی الخطاء فی قراة القرآن (مطبوعہ)

حدیث :-

- ۴۔ کتاب ایواقیت فی المواقیت۔ فضائل اوقات پر حدیثوں کا مجموعہ ہے۔
۵۔ تطویل الاسفار لتحصیل الاخبار۔

فقہ :-

- ۶۔ المنظومہ فی الفقہ۔ امام محمد بن حسن الشیبانی کی معروف تالیف "الجامع الصغیر" کی
نسفی نے نظم کیا ہے۔

- ۷۔ المنظومہ السیفیہ فی الخلافات۔
۸۔ کتاب المسارح فی الفقہ۔
۹۔ کتاب اللاتر فی الفقہ۔
۱۰۔ کتاب طلبہ الطلبة۔
۱۱۔ قیالوا وابدلما فیہ من تالیف المشوارو۔
۱۲۔ المختصر فی المسائل۔

تصوّف و اخلاق :-

- ۱۳۔ رسالہ فی بیان مذاہب المتصوّفہ
۱۴۔ المہنہات (مخطوطہ)

تاریخ و تذکرہ :-

- ۱۵۔ تعداد الشیوخ لعمر نسفی نے اپنے شیوخ حدیث کے حالات لکھے ہیں۔
۱۶۔ کتاب القند بمعرفۃ علماء سمرقند۔
۱۷۔ تاریخ بنجارا۔

ادب :-

- ۱۸۔ الاشعار بالمختار من الاشعار (دس جلدیں)

- ۱۹۔ عجالة النخبی لصفیہ المغربی

دائرة المعارف :-

۲۰۔ مطلع النجوم و مجمع العلوم - یہ کتاب متداولہ علوم و فنون کی دائرۃ المعارف ہے۔ اس کا ایک مخطوط کتاب خانہ رضانیہ رامپور میں محفوظ ہے

عقائد

۲۱۔ عقائد السنفی کتاب التوحید و العقائد

عقائد پر مختصر سا رسالہ ہے لیکن اسے جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے بہت کم کتابیں اس کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں اور پھر ان شرحوں پر حواشی لکھے گئے ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

✦ شرح عقائد السنفی - سعد الدین تفتازانی (م ۵۷۹۳)

✦ حاشیہ انجیالی علی شرح عقائد - شیخ احمد بن موسی خیالی (م ۵۸۶۲)

✦ الفوائد السنفیہ - سعد الدین تفتازانی کی شرح پر العصام (م ۵۹۵۱) کا حاشیہ ہے۔

✦ حاشیہ شیشی - خیالی کے حاشیہ پر حاشیہ ہے از شیخ رمضان علی۔

✦ حاشیہ میا لکوٹی - خیالی کے حاشیہ پر حاشیہ ہے جو عبد الحکیم میا لکوٹی (م ۱۰۶۶ھ) نے لکھا اور مولوی خیالی کے نام سے معروف ہے۔

✦ حاشیہ علی حاشیہ میا لکوٹی - از ضیاء الدین خالد البغدادی علامہ میا لکوٹی کے حاشیہ پر ان کے شاگرد کا حاشیہ ہے۔

✦ حاشیہ الاسکندری - خیالی کے حاشیہ پر حاشیہ ہے جو ابو عبد اللہ الاسکندری (م ۱۲۰۰ھ) نے لکھا۔

✦ حاشیہ مصلح الدین - حاشیہ خیالی پر حاشیہ ہے۔

✦ حاشیہ مولوی خادم حسین عظیم آبادی۔

مفتی عنایت احمد کاکووی

مفتی عنایت احمد بن منشی محمد بخش بن منشی غلام محمد بن منشی لطف اللہ
۹ شوال ۱۲۲۸ھ / ۵- اکتوبر ۱۸۱۳ء کو دیوہ (ضلع بارہ بنکی) میں پیدا ہوئے۔ نسباً قریشی
تھے۔ خاندان کے ساتھ ترک سکونت کر کے کاکووی آگئے جو لکھنؤ سے نوسیل جانب
مغرب ایک مردم خیز قصبہ ہے

تعلیم
ابتدائی تعلیم دیوہ میں حاصل کی۔ تیرہ سال کی عمر میں بغرض تعلیم رامپور گئے جہاں
مولوی سید محمد رامپوری، مولوی حیدر علی ٹوٹی اور نورالاسلام سے اکتسابِ فیض کیا پھر دہلی
جا کر محدث عمر شاہ محمد اسحاق (م ۱۲۶۲ھ) سے کتب حدیث سبقتاً پڑھیں اور سند
فقیہت حاصل کی۔

علی گڑھ میں مولانا بزرگ علی مارہروی سے معقولات کا درس لیا۔ مولانا بزرگ علی
شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کے شاگرد تھے اور قلعہ کی جامع مسجد کے مدرسہ
میں درس دیا کرتے تھے۔ یہ مدرسہ عہد محمد شاہ (۱۱۳۱ھ — ۱۱۶۱ھ) میں ...
نواب ثابت خاں گورنر کول (علی گڑھ) نے اپنی تعمیر کردہ مسجد میں بنوایا تھا۔ مولانا
بزرگ علی کا ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۸ء میں انتقال ہوا۔

تدریس: علی گڑھ میں مولانا بزرگ علی کے بعد ایک سال تدریسی خدمات انجام

ویں۔ ان کے اہتمام مدرسہ کو دیکھتے ہوئے لیفٹیننٹ گورنر نے ایک سو روپیہ انعام دیا جس کی رو داڈ اخبار الحقائق و تعلیم الخلائق (اگرہ) میں ان الفاظ میں شائع ہوئی۔

خبر علی گڑھ :- وہاں کے جمیع مشرانہ اور روساء جناب لیفٹیننٹ گورنر بہادر کے شکر گزار ہیں کہ جناب محترم المیہ سے حال درس و تدریس مدرسہ علی گڑھ کمال رضا مند ہوئے۔ سو روپیہ انعام دیئے۔ مولوی مفتی عنایت احمد مہتمم مدرسہ اور مدرسین کی ادب و تحسین کی۔ واقعی میں وہ مدرسہ اور مہتمم محمود اور مدرس سب قابل تحسین و آفرین ہیں کہ ایک عجیب علوم خیز مدرسہ ہے۔

ملازمت :-

تدریسی خدمات کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ پہلے مصنف و مفتی تھے۔ بعد میں صدر امین ہو کر بریلی چلے گئے۔ صدر امین کا عہدہ نصف اور صدر الصدور کے درمیان ہوتا تھا۔ آخر ترقی پا کر اگرہ کے صدر اعلیٰ مقرر ہوئے۔

بریلی کی سکونت کے دوران میں ۲۲ جنوری ۱۸۵۵ء کو ایک کتب خانے کے قیام کے لئے مشرانہ جوائنٹ میجسٹریٹ نے ایک جلسہ کا اہتمام کیا۔ قیام کتب خانہ کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی مفتی عنایت احمد کو علی قدر و منزلت کی بنا پر رکن چنا گیا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء :-

مفتی صاحب صدر اعلیٰ ہو کر اگرہ جا رہے تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا۔ نظام سلطنت کے درہم برہم ہو جانے اور افتخاری کے باعث اگرہ نہ جا سکے بریلی اور رام پور میں قیام رہا۔ نواب خان بہادر خان نے روہیل کھنڈ میں جہاد کا علم

چلا اور عارضی حکومت قائم کر لی۔ اس عارضی فوجی حکومت کی مالیات کے لئے زمینداروں سے طلبہ وصول کیا گیا اور بہاجنوں سے عطیات لئے گئے۔ فوجی حکومت کی امداد کے لئے جتنی بھی صاحب نے فتویٰ دیا تھا یہ

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی بوجہ ناکام ہو گئی اور انگریزی اقتدار پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا۔ مفتی صاحب کا فتویٰ برائے فراہمی مالیات انگریزوں کے ہاتھ لگ گیا۔ مفتی صاحب پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلا اور جس دوام بعبور دریاے شورش کی سزا سنائی گئی۔

انڈیمان کی زندگی:-

جزائر انڈیمان میں "باغیوں" کے لئے جو آسائشیں مہیا ہو سکتی تھیں ان کا ایک بلکاسا تصور مولانا محمد جعفر تھانیسری کی خودنوشت "کالا پانی" اور مولانا فضل حق خیر آبادی کی "ثورة البنہ" سے ہو سکتا ہے۔ قیدیوں کے ساتھ بنایت ذلت آمیز سلوک کیا جاتا تھا اور اس پر مستزاد انڈیمان کی ناقابل برداشت آب و ہوا تھی۔

انڈیمان میں مفتی صاحب کے پاس کوئی کتاب وغیرہ نہ تھی لیکن اجاب کی فرمائش پر محض حافظ کی مدد سے چند کتابیں لکھیں۔ حافظ وزیر علی کی فرمائش پر علم الصیغہ مرتب کی۔ لکھتے ہیں۔

۵۰ این رسالہ ایست در علم صرف کہ با پس خاطر شفیق محسن مجمع محاسن حافظ
وزیر علی صاحب بجزیرہ انڈیمین معروض تحریر درآمد۔ و رد و حقیقہ در آن جزیرہ
از نیزنگ تقدیر بودہ و کتابے از بیچ علم نزد خود نہ داشت بلکہ
۱۲۷۵ء میں حکیم امیر محمد خان سرکاری ڈاکٹر انڈیمان کے ایما پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی سیرت تواریخ جیب اللہ لکھی۔ آغاز کتاب میں رقمطراز ہیں۔

۱۰ راقم حروف نیزنگ تقدیر سے فی الحال جزیرہ پورٹ بلیر انڈیمان میں
وارد ہے اور کوئی کتاب کسی طرح اپنے پاس نہیں رکھتا ہے۔ پاس خاطر
سٹیفن ونگسار و مصدر عنایات بر حال زار حکیم امیر خاں صاحب نیو ڈاکٹر
کے یہ رسالہ بیان "تواریخ حبیب اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم میں ۱۲۷۵ء میں
لکھتا ہے بلہ

پھر ایک انگریز کی فرمائش پر عربی کی ضخیم تالیف "تقویم البلدان" کا ترجمہ کیا جو مدرس
میں مکمل ہوا۔ کہا جاتا ہے یہی ترجمہ ان کی رہائی کا سبب بنا۔
رہائی :-

۱۲۷۷ء میں مفتی صاحب رہا ہوئے تو ان کے شاگرد رشید مولانا لطف اللہ علی گڑھی
نے تواریخ کہی اور خود کاکوری جا کر پیش کی۔

چوں بفضل خالقِ ارض و سما
اوستادم شد ز قیدِ غم رہا

بہر تواریخِ خلاصِ آں جناب
برنو شتم "ان استاذی بنجا"

یہ بھی لکھا

کب تک کروں صیغہ آہ و فغاں کو میں
بہلاؤں کب تک دلِ ناشاد کو میں

انشا اللہ ایک ہفتے کے بعد
آتا ہوں قدم بوسی استاد کو میں

کہا جاتا ہے کہ رہائی کے بعد حکومت نے بجائی ملازمت اور صدر الصدور کے منصب پر ترقی دینے کی پیشکش کی جسے مفتی صاحب نے قبول نہ کیا۔ بالآخر مگر سی انسر کے اصرار پر یہ پروانہ لے لیا مگر جہاز پر سوار ہوتے ہی اسے پھاڑ کر سمندر میں پھینک دیا۔
کانپور میں قیام۔

انڈیان سے واپسی پر مستقل قیام کانپور میں رہا۔ کانپور میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی "فیض عام" کے نام سے اس مدرسہ نے علم و دین کا فیض عام کیا۔ اسی مدرسہ میں مولانا اشرف علی تھانوی مدرس رہے تھے۔ آج کل "مدرسہ فیض عام" "فیض عام انٹرمیڈیٹ کالج" کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

حج بیت اللہ کے لئے روانگی۔

انڈیان کی اسارت کے نہانہ میں "علم الصیغہ" کا اختتام ان الفاظ سے کیا۔

"حقیر گنا بگارسیاہ تبار از مکارہ دنیویہ بر آوردہ"

عافیت تمامہ عنایت فرمودہ، براستانہ خود و آستانہ

حبیب خود برسانہ

حج بیت اللہ کی یہ دیرینہ خواہش پوری ہوئی اور ۱۲۷۹ھ کو حج کے لئے روانہ ہوئے۔ انہیں قافلہ نے نیر حج چن لیا۔

شہادت۔

راستہ میں جہاز ناموافق ہوا کی وجہ سے جٹک گیا اور جدہ کے قریب ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اور علم و فضل کے گوہر تابندہ مفتی عنایت احمد کاکڑی سمندر کی لہروں کی نندہ ہو گئے۔ یہ سانحہ ۱۷ شوال ۱۲۷۹ھ / ۷ اپریل ۱۸۶۳ء کو پیش آیا تھا۔

علم و فضل :-

مؤلف تذکرہ مشاہیر کاکوری نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔
”یہ نہایت ہی متقی و متورع و متبحر فاضل تھے۔ علمائے ربانیین
میں شمار کئے جاتے تھے۔“

مفتی صاحب کی علمی مہارت اور برجستہ گوئی کے کئی واقعات ملتے ہیں۔ یہاں
ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے جس سے ان کے شعری ذوق اور برجستہ گوئی پر روشنی
پڑتی ہے۔

ایک دفعہ کچھ افراد بیٹھے اس مصرعہ کی خوبی سے لطف اٹھا رہے تھے اور گروہ
لگانے کی فکر میں غلطان تھے۔

سحر بر خاستم از خواب دبو سیدم در خود را

اتنے میں مفتی صاحب تشریف لائے۔ انھوں نے مصرعہ سن کر فی البدیہہ پہلا

مصرعہ لگا کر شعر مکمل کر دیا۔

بہ شب در خواب دیدم بر در خود و بر خود را

سحر بر خاستم از خواب دبو سیدم در خود را

مفتی صاحب آخری ایام میں صنعتِ بملہ میں ایک کتاب ”دواعی العلوم و اسرار العلوم“
لکھ رہے تھے۔ اس کے لئے چالیس فنون کے ایک مسئلہ کا انتخاب کیا تھا اور
ہر ایک پر چالیس اوراق لکھنے کا ارادہ تھا۔ تفسیر قرآن میں ”علم آدم الاسماء کلہا“ اور حدیث
میں ”کل مسکر حرام۔ رواہ مسلم“ منتخب کی تھیں۔ افسوس کہ یہ مسودہ پایہ تکمیل کو پہنچنے سے
پہلے ہی ضائع ہو گیا۔

مفتی صاحب حج کے سفر پر روانہ ہوئے تو مسودہ ساتھ تھا اُن کے ساتھ یہ مسودہ بھی غرقاب ہو گیا۔

تصنیفات :-

مفتی صاحب سے انیس کتابیں یاد گار ہیں۔ اُن کی تصنیفات میں خاصا تنوع اور رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ کسی نے آج تک اُن پر بطور اعتراض قلم نہیں اٹھایا۔ تمام کتابوں کے نام تاریخی ہیں۔

۱۔ علم الفرائض (۱۲۶۲ھ - مطبوعہ) ۲۔ ملخصات الحساب (۱۲۶۳ھ - مطبوعہ)

۳۔ تصدیق المسیح (۱۲۶۸ھ)

۴۔ الکلام المبین فی آیات رحمة اللعالمین (۱۲۷۰ھ - مطبوعہ)

۵۔ ضمان الفردوس (۱۲۷۲ھ) صحیح بخاری کی مشہور حدیث کی شرح ہے۔ دو ابواب

پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں زبان کے گناہوں اور دوسرے میں بکاری جیسے گناہوں کا تذکرہ ہے۔

۶۔ رسالہ در مذمت میلہ با (۱۲۷۲ھ)

ہندوؤں کی مذہبی تقریبات اور میلوں، ہول، دیوالی وغیرہ میں مسلمان شریک ہوتے تھے۔ مسلمانوں کے طرز عمل کی اصلاح کے لئے یہ کتابچہ لکھا گیا۔

۷۔ بیان شب قدر (۱۲۷۲ھ - مطبوعہ)

۸۔ محاسن العمل الافضل - در بیان نماز (۱۲۷۲ھ - مطبوعہ)

۹۔ ہدایات الامامی (۱۲۷۲ھ - مطبوعہ)

۱۰۔ فضائل درود و سلام (۱۲۷۲ھ - مطبوعہ)

۱۱۔ الدر الفریدی فی مسائل الصیام والقیام والعبید (۱۲۷۲ھ مطبوعہ)

۱۲۔ احادیث الحبیب المتبرک (۱۲۷۵ھ) ۱۳۔ تواریخ حبیب الہ (۱۲۷۵ھ۔ مطبوعہ)

۱۴۔ نخبہ بہار دشرقاری بہ انداز گلستان (۱۲۷۶ھ)

۱۵۔ وظیفہ کریمیہ (۱۲۷۶ھ مطبوعہ) ۱۶۔ علم الصیغہ (۱۲۷۲ھ۔ مطبوعہ)

۱۷۔ فضائل علم و علمائے دین (۱۲۷۲ھ۔ مطبوعہ)

۱۸۔ ترجمہ تقویم البندان ۱۹۔ نقشہ مواقع النجوم

آخری کتاب بریلی کے دوران قیام میں لکھی گئی تھی۔ عمدۃ الاخبار کی اطلاع کے مطابق مفتی صاحب نے اس کتاب کا ایک ورق (چارٹ) سٹربارن کے مجوزہ کتب خانے کے لئے دیا تھا۔ یہ کتاب جدید علم ہیئت کے مباحث پر حاوی غنی بعض انگریزوں نے اسے بہت پسند کیا۔ یہ روایت بھی ہے کہ لیبٹینٹ گورنر صوبہ نے (جو خود ہیئت کا عالم تھا، اسے خاص طور پر پسند کیا اور مفتی صاحب کو خان بہادر کا خطاب دیا۔ اس روایت کی تصدیق کسی دوسرے ماخذ سے نہیں ہوتی۔ علمی خدمات کی بنیاد پر شمس العلماء جیسا کوئی خطاب ملنا چاہیے تھا نہ کہ خان بہادری کا۔

فخر الدین زرادہی

فخر الدین زرادہی ۶۵۱ھ / ۱۲۵۳ء میں قصبہ سامانہ میں پیدا ہوئے۔ کم سنی میں پڑھنا شروع کر دیا۔ بڑے ہوئے تو دہلی چلے آئے اور مولانا فخر الدین ہانسوی کے سامنے زانوئے علمتہ کیا۔ قاضی کمال الدین ہانسوی اور شیخ نصیر الدین محمود اودھی ان کے ہم درس تھے۔

شیخ نصیر الدین محمود اودھی، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء سے تعلق خاطر رکھتے تھے۔ ان کے ذریعہ سلطان المشائخ کے حضور پہنچے اور سلطان المشائخ کی خدمت میں رہنے لگے۔

عام طور پر حلقہ صوفیاء میں علوم ظاہر کے نشا ورم ہوتے ہیں لیکن مولانا زرادہی اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے بارے میں شیخ عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے۔
در امر دین صلابتی تام داشت و عظمتے دانستہ

حصولِ تعلیم کے بعد سلطان المشائخ کے حلقہ درویشیاں میں شامل ہو گئے۔ اور غیاث پور میں سکونت اختیار کر لی۔ سلطان المشائخ کے انتقال (۱۸ ربیع الآخری ۷۶۵ھ) کے بعد فیروز آباد منتقل ہو گئے۔

سیاحت بہ

مولانا زرادہی ایک عرصہ دنیا کی آلائشوں سے دور جنگل، بیابان اور پہاڑوں

میں یادِ الہی میں مصروف رہے۔ اسی عالم میں حضرت معین الدین چشتی (۱۲۳۸/۵۶۳۶ء) کی زیارت کے لئے اجمیر گئے۔ وہاں سے فرید الدین گنج شکر کے حضور اجودھن (پاک پٹن) حاضر ہوئے۔

زیارتِ حرمین اور وفات :-

محمد بن تغلق نے دہلی کے بجائے دولت آباد کو دار الحکومت بنا یا تو اہل دہلی کو نقل مکانی کرنی پڑی۔ مولانا فخر الدین بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔ دولت آباد سے زیارتِ حرمین کے لئے تشریف لے گئے۔ زیارتِ حرمین سے فراغت کے بعد بغداد میں قیام رہا۔ شیوخ حدیث سے حدیث کی سماعت کی۔ واپسی پر جہازہ سمندر میں ڈوب گیا اور مولانا موصوف تے جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ یہ حادثہ ۱۵۷۸ء/۲۸-۱۳۲۷ء کو واقع ہوا۔

سلطان المشائخ کی نظر میں زرا دی کا مقام :-

مولانا زرا دی "جامع علم و تقویٰ" ہونے کے ساتھ ساتھ خوش طبعی، سخن سنجی اور فصاحت کلام کی بدولت اہل شہر میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان ہی خوبیوں نے انہیں سلطان المشائخ کا منظور نظر بنا دیا تھا۔

بنگال کے عالی استعداد نوجوان سراج الدین عثمان، سلطان المشائخ کے مرید ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ نوجوان بڑی قابلیت رکھتا ہے۔ اگر کچھ علم ظاہر بھی رکھتا تو درویشی میں پختہ ہوتا۔ یہ سن کر مولانا زرا دی نے انہیں اپنی صحبت میں رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سلطان المشائخ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ سراج الدین عثمان نے مولانا زرا دی سے استفادہ کیا اور حضرت سلطان المشائخ کی وفات کے بعد بھی تحصیل علم کے لئے دہلی کے رہے۔

پھر وطن واپس گئے اور سرزمینِ بنگال میں چشتی سلسلہ کی خانقاہ قائم کی۔
سلطان المشائخ نے بیماری میں متعدد مریدوں کو خلافت عطا کی اور اجازت نامے
مرحمت فرمائے۔ ان اجازت ناموں کا مضمون مولانا موصوف ہی نے لکھا اور خود انہیں
بھی سب خلافت دی گئی۔

اخلاق و عادات :-

مولانا موصوف صاف گروہِ خوف اور دین کے معاملہ میں کسی کی پرواہ نہ کرنے والے
تھے۔ مولانا سیرالاولیاء نے محمد بن تعلق سے اُن کی ملاقات کا حال لکھا ہے کہ :-
محمد بن تعلق دولت آباد کو دارالحکومت بنانے کے بعد ترکستان پر حملہ کرنا چاہتا تھا تاکہ
منگولوں کا قلع قمع کیا جاسکے علماء کو طلب کیا گیا کہ وہ عوام کو جہاد کی ترغیب دیں۔ سلطان المشائخ
کے خلع نامے خاص کو بھی بلایا گیا۔ شیخ قطب الدین جو سلطان المشائخ کا راسخ العقیدہ مرید
اور مولانا زرا دی کا شاگرد تھا، مولانا زرا دی کو بادشاہ کے ہاں لے گیا۔

جب مولانا سراپردہ بادشاہ میں داخل ہوئے تو شیخ قطب الدین نے اُن کی جوتیاں
اٹھالیں اور خدمت گاروں کی طرح بغل میں داب کرکھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے مولانا زرا دی
سے گفتگو شروع کی۔ بادشاہ نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ چنگیز خاں کی نسل کا صفایا کروں۔ آپ اس کام میں ہمارا ساتھ
دیں گے۔“ مولانا نے جواب میں صرف ”انشا اللہ“ کہا۔ بادشاہ نے کہا۔ ”یہ شک کا کلمہ ہے“
مولانا نے فرمایا ”مستقبل کے بارے میں ایسا ہی کہا جاسکتا ہے۔“ بادشاہ کو یہ بات
چیت پسند آئی مگر موضوع بدلنے کی خاطر کہا ”مجھے کوئی نصیحت کیجئے“ انہوں نے فرمایا ”غصہ
کو دباؤ۔“ بادشاہ نے کہا ”کیسا غصہ؟“ مولانا نے وضاحت کی ”غضبِ سبعی“ درندوں والا

غصہ اس پر بادشاہ کو مزید تاؤ آیا مگر مصلحتاً خاموش رہا۔
دستر خوان بچپایا گیا۔ بادشاہ اور مولانا نے ایک ہی پلیٹ میں کھایا مگر محسوس ہوتا
تھا کہ مولانا بادشاہ کے ہم پیالہ ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ بادشاہ اظہارِ خاطر کے لئے
بڈھی سے گوشت اتار اتار کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا۔ مولانا نہایت بے ولی سے
تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے۔ دسترخوان اٹھایا گیا اور بادشاہ نے مولانا کو رخصت کیا۔
بروقتِ رخصت بادشاہ نے ایک تھیلی اور ونی پوشاک بطور ہدیہ پیش کی۔ اس
سے پہلے کہ مولانا تھیلی اور خلعت وصول کرتے شیخ قطب الدین نے ہاتھ بڑھا کر
خود لے لیں۔

مولانا چلے گئے تو بادشاہ نے اپنے درباری قطب الدین سے کہا۔
"اے فریبی انسان! تو نے یہ کیا حرکت کی۔ پہلے تو تو نے اُس کی جوتیاں اٹھالیں۔
پھر خلعت اور تھیلی سنبھال لی اور اُسے میری تلوار سے بچالیا اور مصیبت اپنے سر لی۔
قطب الدین نے جواباً کہا "وہ میرے اُستاد اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں۔ میرے
لئے مناسب تو یہ تھا کہ اُن کی جوتیاں بغل میں لینے کے بجائے تعظیماً سر پر رکھ لیتا اور
یہ خلعت اور تھیلی کیا بڑی چیز ہے۔" اس پر بادشاہ نے ڈانٹ ڈپٹ کی۔ بعد میں جب
کبھی بادشاہ کی مجلس میں مولانا زراوی کا ذکر ہوتا تو وہ افسوس کا اظہار کرتا کہ وہ اُس کی
خون آشام تلوار سے پہنچ گیا تھا۔

تصنیفات :-

مولانا زراوی سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ عثمانیہ (زراوی)

یہ رسالہ سراج الدین عثمان کے لئے مرتب کیا گیا تھا اور اُن کے نام پر اسے

"عثمانیہ" نام دیا۔ بعد میں مولف کے نام پر "زراوی" مشہور ہوا۔

۲۔ النخسین مسائل کلام پر ایک رسالہ ہے۔

۳۔ رسالہ اباحتِ سماع۔

۴۔ اصول السماع۔ یہ رسالہ ۱۳۱۱ھ میں مولانا غلام احمد خان بریانی نے مسلم پریس

بھجور سے شائع کیا۔



فضل امام خیر آبادی

امام معقولات فضل امام خیر آبادی کے آبا و اجداد ایران سے ترک سکونت کر کے برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئے اور ان کا خاندان برصغیر کے مختلف شہروں میں منتشر ہو گیا۔ ان کے والد ماجد بدایوں سے خیر آباد چلے گئے تھے اور وہ وہیں پیدا ہوئے۔ مولوی رحمان علی نے انہیں "فاروقی" لکھا ہے۔ شجرہ نسب یہ ہے۔

فضل امام بن محمد ارشاد (ارشاد) بن شیخ محمد صالح بن محمد واجد بن عبدالماجد بن قاضی صدرالدین برگامی۔

تعلیم و تربیت :-

خیر آباد میں سید عبدالواحد خیر آبادی (م ۱۲۱۸ھ) سے علوم مروجہ کی تحصیل کی۔ ایک رائے کے مطابق ملا محمد ولی بن قاضی غلام مصطفیٰ فرنگی محلی سے بھی استفادہ کیا تھا۔ ملازمت :-

فارغ التحصیل ہوئے تو دہلی چلے گئے اور ایٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی۔ پہلے مفتی اور بعد میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

تدریس :-

فرائض منہجی کے ساتھ ساتھ طلبہ کو منطق و فلسفہ کا درس بھی دیتے تھے۔ طلبہ پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ شہور ہے کہ مولانا فضل امام کے ساجزادے

مولانا فضل حق خیر آبادی نے تدریس شروع کی تو مولانا فضل امام نے اُن کے ذمہ ایک بڑی عمر کا طالب علم کر دیا جو گند ذہن بھی تھا۔ انہوں نے اس طالب علم کو کچھ دیر سبق پڑھایا مگر طالب علم کی گند ذہنی سے تنگ آ کر کتاب پھینک دی اور طالب علم کو اٹھا دیا۔ طالب علم نے مولانا فضل امام سے شکایت کی۔ مولانا فضل حق بلائے گئے باپ نے اپنے بیٹے کو اس زور سے تھپڑ مارا کہ دستارِ فضیلت دُور جاگری اور غنیظ اللہ لہجے میں فرمایا۔

”تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا۔ ناز و نعم میں پرورش پائی جس کے سامنے کتاب رکھی اُس نے خاطر داری سے پڑھایا طلبہ کی قدر و منزلت تو کیا جانے۔ اگر مسافرت کرتا، بھیگ مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔ طالب علم کی قدر ہم سے پوچھو:“

شاہ غوث علی پانی پتی فرماتے ہیں۔

”شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور مولانا فضل امام کی شاگردی کا مجھے فخر حاصل ہے۔ آخر الذکر کی جو شفقت میرے حال پر تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ دہلی سے پٹیا لہ بغرض تعلیم چلا گیا میری عمر اٹھارہ برس کی تھی کہ اُستاد فوت ہو گیا۔ میں نے بھی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا کہ: ”یسا شفیق اور قابل اُستاد ملے گا اور نہ پڑھوں گا۔“

مولانا فضل امام، تصوف کے بھی رمز شناس تھے۔ شاہ صلاح الدین گوپاموی

سے بیعت کا تعلق تھا بعد میں ایک دوسرے بزرگ شاہ قدرت اللہ سے بیعت ہوئے۔

وفات :-

ان کی زندگی کا آخری حصہ پیالیہ میں گزارا لیکن وفات آبائی گاؤں خیرآباد میں ۵۔ ذی القعدہ ۱۲۴۴ھ / ۹ مئی ۱۸۲۸ء کو ہوئی۔ مرزا اسد اللہ خان غالب نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کیا۔

گرد سوائے جنت المادھیٰ خیرام!
جنت سال فوت ان عالی مقام
تابنائے تخرجہ گرد مقام
باد آراشگد "فضل امام"

۵-۹۹۲

اسے دروغاً قبضہ اربابِ فضل
چوں ارادت از پے کب شرف
چہرہ بہتی خراشیدم نخت
گفتم اندر "سایہ لطفِ بنی"

۲۵۷

$$۵۱۲۴۴ = ۵ - ۹۹۲ + ۲۵۷$$

اولاد :-

مولانا فضل امام کی نرینہ اولاد میں تین صاحبزادے تھے جن میں سے فضل حق خیرآبادی نے علم و عمل کی دنیا میں خوب نام پیدا کیا۔ باقی دو صاحبزادے فضل عظیم اور فضل الرحمان تھے۔

تالیفات :-

مولانا فضل امام اپنے زمانہ میں معقولات کے امام گئے جانے تھے جلد تذکرہ نگار ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ مولوی رحمان علی کے الفاظ میں "در علوم عقلیہ گوی سبقت ربودہ"۔

۱۲۴۴ھ درج ہے۔ اور عبد الشاہ خاں شروانی نے "بانی بندوستان میں

۱۶۲۰ء سے تذکرہ علاقے بندوستان: ۱۶۲۰ء

۱۶۲۰ء سال وفات بتایا ہے۔

ان سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ مرقات (منطق)

۲۔ شرح اُفق المبین (ملا باقر داماد) مفتی انتظام اللہ شہابی کے کتب خانہ میں

ایک نسخہ موجود تھا ہے

۳۔ تسمیۃ الاذیان فی شرح بدیع المیزان (منطق)

شیخ عبداللہ تلمبنی (م ۱۵۱۶/۵۹۲۲) نے منطق کے موضوع پر ایک مختصر رسالہ

”میزان المنطق“ کے نام سے لکھا جو کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ اس کی شرح خود ہی بدیع

المیزان (عربی) لکھی۔ یہ شرح بھی دہلی سے ۱۲۶۱/۱۸۴۵ء سے شائع ہو چکی ہے۔

بدیع المیزان منطق کی معیاری کتاب ہے۔ ”تسمیۃ الاذیان“ اس کی شرح ہے۔ زہید احمد

نے ”حاشیہ“ قرار دیا ہے ہے

۵۔ حاشیہ الحاشیۃ الزاہد فی قطبیہ

۶۔ آمد نامہ اس مایف کے بارے میں ہمہ گیر غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ ”آمد نامہ“

فارسی زبان کے مبتدیان کے لئے ایک رسالہ بھی ہے جو صفاۃ المصادر کے نام سے

مشہور ہے۔ کئی مشاہیر نے اس ”آمد نامہ“ کو مولانا فضل امام سے منسوب کر دیا ہے مثلاً۔

”آمد نامہ فارسی بھی آپ کی یادگار سے مقبول انام ہے“

سید سلیمان ندویؒ کہتے ہیں۔

”بچوں کا فارسی ابتدائی رسالہ ”آمد نامہ“ ان ہی کی آمد طبع کا نتیجہ ہے“

شیخ اکرام بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

Contribution of Indo-Pak to Arabic

Literature لہ تراجم الفضلہ (دیباچہ) ۵۷

تہ اکل التاریخ طہ اول حاشیہ: ۸۴ ۵ ۵۷ حیات شبلیہ: ۲۰۱

» اُن کا آمد نامہ اب بھی فارسی کے طلبہ استعمال کرتے ہیں۔

بچوں کا آمد نامہ (صفوۃ المصادر) دراصل مصطفیٰ خان ولد حاجی روشن خان مالک مصطفائی پریس کراچی کی آمد طبع کا نتیجہ ہے۔ مولانا فضل امام کا آمد نامہ مکمل صورت میں تاحال شائع نہیں ہوا۔ اس میں فارسی زبان کے قواعد، بدیع اور بیان کے اصولوں سے بحث کی گئی ہے۔ پانچویں باب میں چند نامور علماء کا تعارف ہے جسے انگریزی ترجمہ اور حواشی کے ساتھ پاکستان ہسٹریکل سوسائٹی کراچی نے شائع کیا ہے۔

۴۔ خلاصۃ التواریخ (تاریخ ہند)

۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں مولانا فضل امام نے یہ کتاب تالیف کی اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ گنج بخش بھکرہ تحقیقات فارسی۔ ایران و پاکستان۔ اسلام آباد میں موجود ہے۔ مقدمہ میں مولانا فضل امام نے لکھا ہے۔

» میگوید اضعف عباد اللہ۔ محمد فضل امام
بن محمد ارشد الخیر آبادی . . . کہ روزی بخاطر فاترہ ابن
بندہ خیف گزشت کہ چون دانستن احوال گزشتگان
موجب عبرت و خبرت می باشد . . . این چند
اجزاء از کتب معتبرہ مانند تاریخ فرشتہ و شمشیر
خانی و منتخب التواریخ و دیگر کتب بعبارت سلیس و واضح
انتخاب کرده . . . و بنائے این کتاب بر چند گفتار بنیادہ شد

فضلِ حق خیر آبادی

علامہ فضلِ حق بن فضل امام خیر آبادی ۱۲۱۲ھ / ۱۸۹۸ - ۱۹۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی رحمان علی نے انہیں "عمری، حنفی، ماتریدی، چشتی، لکھنوی" یعنی مولانا کا نسب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے، فقہی مسائل میں حنفی مسلک ہیں علم کلام میں ماتریدی نقطہ نگاہ کے حامل ہیں اور تصوف میں چشتی سلسلہ میں منسلک ہیں۔ وہ دھرم شاہ دہلوی سے تعلق بیعت رکھتے تھے۔

تعلیم و تدریس :-

مولانا فضل حق نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے حدیث کا درس لیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے پہلی استفادہ لیا تھا۔ تیسرے برس کی عمر میں علوم مروجہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔

مولانا فضل حق ناز دہشت میں پڑھے اور درمیانہ ٹھٹھا باٹ سے طالب علمی کا زمانہ گزاریا۔ ان کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ چار ماہ اور کچھ دنوں میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

فارغ التحصیل ہوئے تو تدریس کا آغاز کیا۔ مولوی رحمان علی نے لکھا ہے کہ ۱۲۶۴ھ میں انہیں لکھنؤ میں مولانا فضل حق کی زیارت ہوئی۔ وہ حقہ پی رہے تھے اور شہر سنج بھی کھیل رہے تھے۔ ساتھ ساتھ ایک طالب علم کو افاق المبین کا درس بھی دے رہے تھے۔ اور تمام مطالب بڑی خوبی سے بیان کرتے جا رہے تھے۔

متذکرۃ الصدر بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تدریس کا شغل چونچ سال کی عمر میں بھی

جاری تھا۔

ملازمت :-

والد ماجد کے انتقال (۱۲۴۲ھ) کے بعد وہلی کے ریڈیٹنٹ کے دفتر میں سررشتہ دار ہو گئے۔ مولانا نازک مزاج اور خود دار واقع ہوئے تھے لیکن اس ملازمت میں عزت و احترام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا چنانچہ استفادے کے ذریعہ فیض محمد خاں کے بلائے پر ریاست جھجر چلے گئے۔

جھجر سے اُور گئے جہاں دو سال قیام رہا۔ یہاں سے ٹولک گئے اور آخر ذریعہ یوسف علی خان والشی رامپور کے ایما پر رامپور چلے گئے۔ رامپور میں محکمہ عدل و انصاف سے منسلک رہے۔ تقریباً آٹھ برس رامپور میں قیام رہا۔

رامپور سے لکھنؤ چلے گئے پہلے صدر الصدور بنائے گئے بعد میں کچہری "صنوبرتھیل" کے بہتم بنائے گئے۔ ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۴۱ھ / جولائی ۱۸۵۵ء میں ایک ناگوار واقعہ حادثہ ہنومان گڑھی سے آزر رہا ہو کر دوبارہ ریاست اُور چلے گئے۔

ہنومان گڑھی (مصل اجدو صیا، فیض آباد) کا واقعہ یہ تھا کہ ہندو جوگیوں نے مسلمانوں کو مسجد میں اذان دینے سے روک رکھا تھا اور اگر کوئی مسلمان مسجد میں جانا نکلتا تو اسے زد و کوب کیا جاتا۔ ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۴۱ھ / ۱۸۵۵ء کو مسلمانوں کے خون میں جوش آیا اور انہوں نے اعلیٰ کے کلمۃ اللہ کا ارادہ کر لیا۔ ہنومان گڑھی میں ہندو جوگیوں سے مقابلہ ہوا اور مسجد میں ۲۶۹ مجاہدین شہید ہو گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ مولانا احمد اللہ شاہ مداسی، قیام لکھنؤ کے زمانہ میں اُن سے ملے تھے اور مولانا افضل حق نے ان کے کہنے پر ملازمت ترک کی تھی بلکہ

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

جنگِ آزادی میں مولانا نے حصہ لیا۔ دہلی میں جنگ کے آخری مرحلہ میں تشریف لائے تھے۔ بہادر شاہ ظفر سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ جیون لال کے روزنامچہ میں اُن کی محل میں میں آمد و رفت کے اندراجات ملتے ہیں۔

فتویٰ جہاد

جنگ کے دوران میں علماء کی طرف سے ایک فتویٰ جاری کیا گیا تھا عبدالشاہد خان ثروانی نے "بانی ہندوستان" میں لکھا تھا کہ اس فتویٰ پر مولانا نے دستخط کئے تھے۔ اُن پر اعتماد کرتے ہوئے دوسرے اہل قلم نے بھی اس روایت کو نقل و نقل کیا۔ مولانا امتیاز علی عرشی رامپوری نے اپنے ایک مضمون "مولانا فضل حق خیر آبادی اور ۱۸۵۷ء کا فتویٰ جہاد" میں لکھا ہے کہ "صداق الاخبار میں شائع ہونے والے فتویٰ پر مولانا کے دستخط نہیں ہیں۔ کیوں کہ وہ ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی تشریف لائے تھے اور یہ فتویٰ جولائی ۱۸۵۷ء کی ابتدا یا وسط میں جاری کیا گیا تھا بلکہ آج فتویٰ اور اس پر دستخط کرنے والوں کے نام ہمارے سامنے ہیں جن میں مولانا فضل حق خیر آبادی کا نام نہیں ہے۔"

لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جو افراد فتویٰ پر دستخط نہیں کر سکے انہوں نے جنگِ آزادی میں حصہ نہیں لیا اور جن کے دستخط ہیں اُن میں سے ہر ایک صفتِ اول کا مجاہد اور رہا تھا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی نے جنگ میں حصہ لیا اور اسی "جرم" کے پیش نظر انڈیان میں قید رہے۔

دہلی سے روانگی

۱۹ ستمبر کو شہر دہلی پر انگریزی فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ مولانا کے اپنے بیان کے مطابق

پانچ دن مکان میں بند رہنے کے بعد اہل و عیال سمیت رات کی تاریکی میں وہلی سے نکلے اور راستے کی مشکلات برداشت کرتے ہوئے بھیکم پور (ضلع علی گڑھ) پہنچے۔ وہاں اٹھارہ روز رہے پھر نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمان خان شروانی کے عم محترم نواب عبدالشکور خان رئیس بھیکم پور نے آؤ بھگت کی کچھ عرصہ روپوش رہے۔

گرفتاری :-

ملکہ وکٹوریہ نے یکم نومبر ۱۸۵۷ء کو عفو عام کا اعلان کیا۔ مولانا فضل حق اس اعلان پر اعتماد کرتے ہوئے خیر آباد گئے۔ لکھتے ہیں :-

”مجھے اس بات کا بالکل خیال نہ رہا کہ بے ایمان کے عہد و پیمان پر اعتماد

اور بے دین کی قسم پر بھروسہ کسی بھی حالت میں درست نہیں خاص طور پر جب کہ بے دین جزا و سزا کے آخرت کا بھی منکر ہو۔“

چند روز اطمینان سے گزرے پھر وہ بے ایمان اور فسادی اشخاص نے مخبری کی اور مولانا اپنے مکان سے گرفتار کئے گئے۔ مقدمہ کی پیشی کے لئے لکھنؤ لے جائے گئے۔

رودادِ مقدمہ اور سزا :-

مولانا کے مقدمہ کے بارے میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ جب مولانا کا مقدمہ پیش ہوا تو اتفاق سے جج مولانا کاشا گرو تھا۔ اس نے مولانا کی صدر الصدوری کے زمانہ میں ان سے کچھ کام سیکھا تھا۔ وہ ربا کر دینا چاہتا تھا۔ گواہوں نے جج کی مدد کی اور مولانا کو چھاننے سے انکار کر دیا لیکن مولانا نے برملا کہا کہ ہاں! فضل حق میں ہوں اور میں ہی نے باغیانہ فتویٰ پر دستخط کئے ہیں۔ اس بیان کے بعد جج مجبور تھا کہ مولانا کو سزا دے بعض لوگوں نے مولانا کی معقولیات میں دستک دہ کے پیش نظر مزید داستان بنائی کہ مولانا نے

چند الزام اپنے او پر خود ہی قائم کر لئے اور پھر ان کو تاریکیوں کی طرح توڑ دیا۔
لیکن یہ داستان چنداں قابلِ اعتماد نہیں۔ مولانا فضل حق خود نوشت میں جج کے
بارے میں لکھتے ہیں۔

”میرا معاملہ ایسے ظالم حاکم کے سپرد کر دیا جو مظلوم پر رحم کرنا
ہی نہ جانتا تھا۔۔۔۔۔ اس ظالم نے میری جلا وطنی اور عمر قید
کا فیصلہ کیا۔“

مولانا کے اس ریمارک کے پیش نظر مذکورہ الصدر داستان کو کیوں کر درست
سمجھا جاسکتا ہے۔

بہر حال مولانا کو جنگِ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں جس دوام کی سزا ہوئی
اور جائداد ضبط کر لی گئی۔

مولانا کو انڈیا بھیج دیا گیا۔ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ انڈیا
کب پہنچے البتہ اتنا معلوم ہے کہ ان سے پہلے مفتی عنایت احمد کا کوئی مفتی مظہر کریم اور
کئی دوسرے علماء وہاں پہنچ چکے تھے۔

انڈیا کی زندگی۔

مولانا انڈیا کی آب و ہوا کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”آب و ہوا ناموافق، پہاڑی علاقہ، اس میں دشوار گزار گھاٹیاں
اور راستے، وہاں کی بادِ صبا ٹوسے بھی زیادہ سخت، غذا حفظ سے
زیادہ کڑوی، پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں اور اس
کے سنگریزے بدن کی پھنسیاں“

مولانا نے یہ کوئی شاعری نہیں کی اور نہ انہوں نے اپنی کہانی کو جاذب نظر بنانے کے لئے یہ نقشہ کھینچا ہے۔ موجودہ دور میں بھی کالا پانی کی زندگی اس سے کچھ ہی مختلف ہے اور جس دور کی زندانی زندگی کا مولانا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ ایسے ہی تھے۔

اس ناموافق آب و ہوا اور ماحول کا اثر تھا کہ وہ کئی سخت بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ خارش کے باعث بدن زخموں سے بھر گیا تھا اور ان زخموں کی ٹیمیں روح کو تحلیل کر دیتی تھیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آغا زین مولانا کے ذمے صفائی کی خدمت کی گئی تو کرا اٹھائے کوڑا کرکٹ اٹھاتے رہتے، اُن کے کپڑے اتروا کر تہہ اور چادر دے دی گئی۔ پاؤں سے ننگے رہتے تھے۔ یہ وہ دلخراش منظر تھا جو صرف اس جرم کی پاداش میں دیکھنا پڑا کہ کچھ دیوانے اپنے ایمان کے تحفظ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ — آخر میں مولانا کا علم و فضل کام آیا اور انہیں برائے نام محترمی کا کام سونپ دیا گیا۔

وفات :-

انڈیا ہی میں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ / ۱۹ اگست ۱۸۶۱ء کو اس جہانِ فانی سے عالم بقا کو رخصت ہوئے۔ عبدالشاہد خاں شروانی کا بیان ہے کہ مولانا کا مزار اب تک مرجع خلافت اور زیارت گاہِ نام ہے۔

یہ بھی زمانہ کی نیرنگیوں میں سے کہ جو مجاہد آزادی خیرآباد میں پیدا ہوا۔ وہلی میں جوانی گزاری، لکھنؤ میں بوڑھا ہوا وہ وطن سے دور جزائر انڈیا میں ابدی نیند سو رہا ہے۔

پہن میں ہر طرف بکھری ہے داستان میری

از دلچ و اولاد

مولانا نے دو شادیاں کیں۔ پہلی اہلیہ بی بی وزیرین سے تین صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادی
مولانا عبدالحق تھے جو شمس العلماء ہوئے اور جنہوں نے علمی دنیا میں اپنے خاندان کی روایت
برقرار رکھی۔

دوسری اہلیہ دہلی کی تھیں اُن سے دو لڑکے شمس الحق اور علاء الحق تھے۔

تلامذہ ۵:-

مولانا کے تلامذہ کا شمار ممکن نہیں ہے۔ اُن سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا۔

چند اہم نام یہ ہیں:-

۱۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی (م ۱۳۱۶ھ)

۲۔ ہدایت اللہ خان جو پوری اُستاد مولانا سید سلیمان اشرف۔

۳۔ فیض الحسن سہارنپوری۔

۴۔ جمیل احمد۔

۵۔ سلطان احمد بریلوی۔

۶۔ عبد اللہ بلگرامی۔

۷۔ عبد القادر بدایونی۔

۸۔ شاہ عبدالحق کانپوری

۹۔ ہدایت اللہ بریلوی اُستاد فضل حق رامپوری

۱۰۔ غلام قادر

۱۱۔ خیر الدین دہلوی والد ماجد مولانا ابوالکلام آزاد

علمی و ادبی زندگی ۱۔

مولانا ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور رُنیسا نہ زندگی بسر کرتے
تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ ادبی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ غالب، صدر الدین
آزروہ، امام بخش صہبائی جیسے اہل علم و فکر اُن کے اجاب میں شامل تھے عربی و فارسی دونوں
زبانوں میں شہرت تھی۔ فارسی شاعری میں فرقتی تخلص کرتے تھے اُن کا ایک شعر ہے۔

فرقتی در کعبہ رفتی بارہا تا مسلمان، تا مسلمان ہنوز

عربی زبان میں بیسیوں قصائد لکھے۔ پُرگوئے کہ چار ہزار سے زائد اشعار لکھ ڈالے۔
مرزا غالب سے غایت درجہ کے تعلقات تھے۔ غالب ابتدا میں مشکل اور نامانوس زبان
میں شعر کہتے تھے۔ بعد میں سادہ زبان اور خوبصورت لب و لہجہ اختیار کیا۔ اس بارے میں
مولوی محمد حسین آزاد کی رائے ہے۔

”مولوی فضل حق صاحب فاضل بے عدیل تھے۔ ایک زمانہ میں
دہلی کی عدالت ضلعی میں سررشتہ دار تھے۔ اُسی عہد میں مرزاخان
عرف مرزا خانی صاحب کو توڑالِ شہر تھے۔ وہ مرزا قتبیل صاحب
کے شاگرد تھے۔ نظم نثر فارسی اچھی لکھتے تھے۔ غرض کہ یہ دونوں
بالکمال مرزا صاحب کے دلی دوست تھے۔ ہمیشہ باہم دوستانہ
جلسے اور شعرو سخن کے چرچے رہتے تھے۔ انہوں نے اکثر
غزلوں کو سُنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ
شعر عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے۔ مرزا صاحب نے کہا۔
اتنا کہ چکا اب تدارک کیا ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا خیر ہوا
سو ہوا۔ انتخاب کرو اور مشکل شعرو نکال ڈالو۔ مرزا صاحب نے
دیوان حوالے کیا۔ دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا۔ وہ یہی
دیوان ہے جو آج ہم عینک کی طرح آنکھوں سے لگاٹے پھرتے ہیں۔“
مولانا حالی لکھتے ہیں:-

”مولوی فضل حق کی تحریک سے انہوں (غالب) نے
اپنے اردو کلام میں سے جو اس وقت موجود تھا دو تہائی

کے قریب نکال ڈالا اور اس کے بعد اس روش پر چلنا چھوڑ
دیا۔

اُردو ادب کے شہدائوں پر مولانا فضل حق کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے
غالب کو مشکل پسندی اور بے معنی طرزِ بیان کو چھوڑ کر سادہ کہنے کی ترغیب دی اور غالب
نے آسان کہہ کر اُردو کا دامن بھرا۔ غالب کا متروکہ کلام دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا فضل حق
واقعی "گوہر شناس" تھے۔

شاہ اسماعیل شہید سے "امتناع نظیر خاتم النبیین" کے موضوع پر رسالہ بازی ہوئی۔
یہ ایک علمی مسئلہ تھا جس پر دو بڑے دماغ ٹکرائے مگر بعد میں یہ مسئلہ دو گروہوں میں اختلاف
کا باعث بن گیا مرزا غالب بھی اس بحث میں مولانا فضل حق کے زیر اثر آگئے تھے حالانکہ
طبعاً انہیں ان مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مولانا فضل حق سے حسب ذیل کتب یادگار ہیں۔

- | | |
|------------------------------------|--|
| ۱۔ الجنس العالی شرح جوہر المعالی - | ۹۔ الروض المحمود فی حقیقت وحدت الوجود۔ |
| ۲۔ شرح افق المبین - | ۱۰۔ رسالہ قاطیغور یا س۔ |
| ۳۔ حاشیہ تلخیص الشفا۔ | ۱۱۔ الثورۃ الہندیہ - |
| ۴۔ حاشیہ شرح سلم تاضی مبارک - | ۱۲۔ رسالہ تحقیق حقیقت الاجسام |
| ۵۔ بدیۃ السعیدیہ - | ۱۳۔ قصائد فتنۃ الہند۔ |
| ۶۔ رسالہ تشکیک - | ۱۴۔ مجموعۃ القصائد۔ |
| ۷۔ رسالہ طبعی و کُلّی - | ۱۵۔ امتناع نظیر |
| ۸۔ رسالہ علم و معلوم - | ۱۶۔ تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ۔ |

قاسم بن علی الحریری

ابو محمد قاسم بن علی بن محمد بن عثمان الحریری ۲۴۶ھ/۵۵۷-۱۰۵۴ء میں عراق کے ایک گاؤں مشان میں پیدا ہوا۔ اس نے بصرہ میں تعلیم پائی۔ پست قداور بدصورت ہونے کی وجہ سے لوگوں کے طنز کا نشانہ بنا رہتا تھا لیکن صاحب طرز انشا پرداز اور مقامات نویسی میں یکتائے روزگار تھا۔ تقریباً ستر سال کی عمر میں ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء میں فوت ہوا۔

حریری سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں:

۱۔ مقامات حریری: مقامات نویسی کا آغاز بدیع الزمان احمد بن حسین الہمدانی (م ۳۹۸ھ/۱۰۰۶ء) کی "مقامات ہمدانی" سے ہوتا ہے اور حریری کی کاوشوں سے یہ صنف ادب بام کمال کو پہنچتی ہے۔ یہ کتاب کلام عرب کے متنوع اسالیب، امثال، محاورات اور رموز کلام کا ذخیرہ ہے۔ "مقامات حریری" کے ترجمے تقریباً دنیا کی تمام اہم زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو میں متعدد شرح اور حواشی لکھے گئے ہیں۔

مقامات کی تالیف کے بارے میں حریری کا اپنا بیان ہے کہ ایک روز بصرہ کی جامع مسجد میں ابو زید سروچی نامی ایک جھکاری بھیک مانگ رہا تھا اور لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے رومی سپاہیوں کے ہاتھوں اپنی بیٹی کی فرضی گرفتاری

قطب الدین رازی

ابو عبد اللہ قطب الدین محمد بن محمد رازی "رے" کے ایک گاؤں "دوا" میں پیدا ہوئے
مشائیر وقت سے علوم مروجہ کی تحصیل کی۔ ان کے ابتدائی دور کے اساتذہ میں شیخ جمال الدین
کا نام بہت نمایاں ہے۔ ۷۳۶ھ/۱۳۳۵ء میں سلطان ابوسعید کا انتقال ہوا اور ناموزیر
عباس الدین قتل کر دیا گیا۔ اس افراتفری کے دور میں قطب الدین رازی ترک سکونت
کر کے دمشق چلے گئے۔ دمشق میں قاضی عضد الدین ایچی سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ یہیں
علامہ تاج الدین سبکی کا ان سے تعارف ہوا۔

علامہ قطب الدین رازی کے فقہی مسلک کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں
اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کا سلسلہ نسب چونکہ آل برہ سے ملتا ہے اور آل برہ بالاتفاق
شیعہ تھے اس لئے نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں انہیں شیعہ گردانا ہے۔
بعض تذکرہ نگاروں نے انہیں حنفی المسلک قرار دیا ہے مگر قرین قیاس روایت یہ ہے
کہ وہ شافعی المسلک تھے۔ تاج الدین سبکی نے ان کا تذکرہ "طبقات الشافعیہ" میں لکھا ہے۔
علامہ رازی علوم مروجہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے مگر اپنے رحمان طبع اور منطق و فلسفہ
سے گہرے شغف کی وجہ سے "معقول" مشہور ہوئے۔ علامہ سبکی نے لکھا ہے۔

"میں نے رازی کو منطق و فلسفہ میں امام پایا اور وہ تفسیر و بیان و معانی
کے عالم متبحر ہیں۔"

علامہ رازی کی زندگی کا زیادہ حصہ دمشق میں گزرا۔ ان کی دولت و ثروت کے بھی نیچے
تھے۔ وہ مدرسہ ظاہریہ کے پچھلے حصہ میں رہتے تھے۔ اور مدرسہ کے بالائی حصہ میں ان کے

ہم نام ایک دوسرے عالم رہائش پذیر تھے۔ امتیاز کی خاطر انہیں قطب الدین تختانی کہا جاتا تھا اور دوسرے مدرس قطب الدین فوقانی مشہور تھے۔

۵۷۶ھ/۱۳۶۴ء میں دمشق میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

تصنیفات :-

علامہ رازی سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ شرح مطالع الانوار (منطق)

مطالع الانوار۔ قاضی سراج الدین محمود بن ابی بکر (م ۷۸۹ھ) کی معروف و متداول تالیف ہے مختلف منطقیوں نے اس کی شرحیں اور حواشی لکھے ہیں۔ علامہ رازی نے عیناٹ الدین وزیر کے لئے اس کی شرح "لواع الاسراء" کے نام سے لکھی جو شرح مطالع کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ شرح رسالہ الشمسیہ قطبی (منطق)

عمر بن علی کاتبی قزویٰ معروف بہ نجم الدین (م ۷۶۷ھ/۷۶۷-۱۲۷۵ء) نے منطق میں ایک رسالہ "الشمسیہ" لکھا۔ قزویٰ، نصیر الدین طوسی (م ۷۶۷ھ) کا شاگرد تھا اور ساتویں صدی ہجری کے سرآمد روزگار منطقیوں میں سے تھا۔ علامہ رازی نے اس کی شرح لکھی جو مؤلف کے لقب کی مناسبت سے "قطبی" مشہور ہوئی۔

۳۔ رسالہ قطبیہ (منطق)

تصور و تصدیق کی بحث پر مختصر اور جامع رسالہ ہے۔ میرزا بہرہ روی نے اس کی شرح لکھی جو مدارس عربیہ میں متداول ہے۔

۴۔ محاکات (فلسفہ)

امام فخر الدین رازی نے "اشارات" کی شرح میں شیخ بوعلی سینا پر اعتراضات کئے تھے۔ محقق نصیر الدین طوسی نے اپنی "شرح اشارات" میں ان کے جوابات لکھے۔

علامہ قطب الدین نے دونوں شارحین کے اعتراضات اور جوابات پیش نظر رکھ کر محاکمہ
لکھنؤ فلسفہ کی ایک اہم کتاب خیال کی جاتی ہے۔

۵۔ شرح الحاوی الصغیر۔

چار جلدوں پر محیط نامکمل شرح ہے۔

۶۔ حواشی علی الکشاف۔ علامہ زحمتی (م ۱۳۸۵ھ) کی مشہور تفسیر "کشاف" پر سورہ

طہ تک حواشی ہیں۔



لطف اللہ نسفی

لطف اللہ نسفی معروف بہ فاضل کیدانی کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔ اُن سے فقہ حنفی کے مطابق طریق نماز پر مختصر رسالہ "خلاصہ کیدانی" یا دو کاربے۔ کسی افغانی ملانے تک بندی کی ہے۔

توطیری صلوة کے دانی
گرنہ خوانی خلاصہ کیدانی

خلاصہ کیدانی کا فارسی ترجمہ شیخ جمال نے زیب النساء بیگم کی فرمائش پر کیا۔ جس کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۱۹۷/۸۳ء پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔
پشتو ترجمہ "توضیح المعانی" صوبہ سرحد (پاکستان) کے مشہور صوفی بزرگ حضرت میاں محمد عمر چکنی نے کیا جس کا ایک قلمی نسخہ صاحبزادہ فضل احمد پشاوری کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

محب اللہ بہاری

قاضی محب اللہ بہاری موضع کرا (مضافات بہار شریف) کے ایک نیک خاندان کے چشم و چراغ تھے۔
حالاتِ زندگی :-

ابتدائی درسی کتب اپنے علاقہ کے علماء سے پڑھیں بعد میں ملاً قطب الدین شمس آبادی (م ۱۱۲۱ھ) سے اکتساب فیض کیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انہوں نے قطب الدین سہالوی سے تعلیم پائی تھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد دکن چلے گئے۔ جہاں اورنگ زیب عالمگیر نے شاہی ملازمت میں لے لیا۔ لکھنؤ اور حیدرآباد میں یکے بعد دیگرے قاضی شرع مقرر ہوئے لیکن کسی سبب معتوب ہو کر اس عہدہ سے معزول ہوئے۔
اس عتاب کے کچھ عرصہ بعد عالمگیر نے اپنے پوتے رفیع القدر بن شہزادہ معظم کی تعلیم پر مامور کیا۔

ملہ ملا قطب الدین امیٹی (مضافات لکھنؤ) کے خاندانِ سادات میں سے تھے۔ وہاں سے شمس آباد (تزوج) میں آکر سکونت اختیار کر لی۔ اپنے زمانہ کے نامور عالم تھے۔ ملا قطب الدین سہالی (م ۱۱۰۳ھ) کے شاگرد تھے۔ تمام عمر شمس آباد کی سندہ افتاء مدرس پر فائز رہے۔ ستر سال کی عمر میں ۱۱۲۱ھ

۱۱۲۱ھ سحیحہ المرجان :-

۱۱۲۱ھ وفات پائی :-

۱۱۲۱ھ علماء ہند کا شاندار ماضی جلد اول ص: ۹۰ :-

۱۱۲۱ھ تراجم الفضلاء باب پنجم :-

شاہ عالم رم ۱۱۲۳ھ / ۱۷۱۲ء کے زمانہ میں قاضی القضاة کا عہدہ عطا ہوا اور فاضل
خان کے خطاب سے نوازے گئے۔
وفات :-

۱۱۱۹ھ / ۸ - ۱۷۰۷ء میں انتقال ہوا۔ اور محلہ چاند پور شہر بہار میں مدفون ہوئے
انتقال کی تاریخ اس مادہ سے نکلتی ہے۔

قاضی مولوی محب اللہ

۱۱۱۹ھ

نیز

رفقہ سوسے ارم محب اللہ

۱۱۱۹ھ

مادہ تاریخ ہے۔

علمی مقام :-

ملا محب اللہ بہاری کو جو شہرت نصیب ہوئی ہے وہ بے مثال ہے۔ جسد
تذکرہ نگار اُن کی ذہانت و فطانت اور جلالتِ علمی کا ذکر کرتے ہیں۔ مولوی رحمان علی
نے انہیں ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

بکرے پودازہ سحرِ علوم و بدرے بودین النجومؑ

محب اللہ بہاری منطقی اور فلسفی کے ساتھ اچھے ادیب بھی تھے۔ اُن کی کتابوں میں
ادبی پہلو نمایاں ہے۔ غالباً یہ اس تحریک کا شعوری یا غیر شعوری نتیجہ ہے جو میر باقر داماد

لے تذکرہ ملائے ہند ص ۱۷۵

لے ایضاً بزمِ تیموریہ میں سال وفات ۱۱۱۹ھ درج ہے جو سہو کتابت سے ہے

اور صدر الدین شیرازی کے زیر اثر پیدا ہوئی تھی۔ اُن کے ڈھلے ڈھلائے اور ترشے
ترشائے فقرات ان ہی ایرانی فضلا کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔

تصنیفات :-

قاضی محب اللہ بہاری سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ سلم العلوم (منطق)

فن منطق کی ادق اور مشکل ترین کتاب ہے۔ برصغیر سے باہر منطق کی صرف دو کتابیں
لکھی گئیں جنہیں عالمگیر مقبولیت حاصل ہوئی۔ پہلی کتاب نجم الدین عمر بن علی قرظینی کی
”الشمیہ“ ہے اور دوسری کتاب علامہ سعد الدین قناتزانی کی ”تہذیب المنطق“ ہے۔

ان دونوں کتابوں پر منطقیوں نے شروح اور حواشی لکھے ہیں۔ آج مدارس عربیہ
میں ان کتابوں کے بعد سلم العلوم ”پڑھائی جاتی ہے۔ سلم العلوم مختصر اور جامع کتاب ہے
مؤلف نے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔ تمام اشکالات اور نزاعی مباحث کا احاطہ کیا
ہے۔ محب اللہ بہاری نے سلم العلوم کے دیباچے میں لکھا ہے۔

”میری خواہش ہے کہ سلم درسی کتابوں میں اس طرح چمکے جیسے ستاروں میں

چاندیہ“

مؤلف موصوف کی زندگی ہی میں اُن کی یہ خواہش پوری ہو گئی علامہ نے اس

کی شرحیں لکھنی شروع کر دی تھیں

اولیں شرح :-

مولانا فضل امام خیر آبادی نے قاضی مبارک گو پانٹوی کے ذکر میں لکھا

ہے۔

اول کسیکے حاشیہ بر میرزا ہد

نوشتہ وسلم را شرح کرد، او بودیہ

قاضی مبارک، پہلے شخص ہیں جنہوں نے میرزا ہد پر حاشیہ لکھا اور مسلم کی شرح کی۔
مولانا فضل امام کی یہ رائے درست نہیں۔ قاضی مبارک نے اپنی شرح کے
خاتمہ پر ترقیم لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے

اس کے بندے محمد مبارک کے

ہاتھوں پر شرح ۷ ربیع الاول

۱۱۲۳ھ بروز جمعرات، شہر

شاہجہاں آباد (دہلی) میں مکمل

ہوئی

قدم الشرح لفضل من اللہ

تعالیٰ و تبارک من عبدہ محمد مبارک

فی سنة الف و مائة اربعین و

ثلث من الهجرة النبویة فی سابع

شهر ربیع الاول یوم الخمیس فی بلدة

شاہجہاں آباد

ملا احمد عبدالحق فرنگی محلی (م ۱۱۶۷ھ) نے اپنی شرح مسلم (تصدیقات) کے خاتمہ پر
لکھا ہے۔

طلبہ کے خادم احمد عبدالحق نے جو ناضل

کامل محمد سعید بن قطیب العلماء والعرفاء ملا

قطیب العلماء والعرفاء ملا قطیب الدین بہاولوی

کافرزند ہے۔ اس شرح کو ۱۱۳۰ھ میں

تصنیف کیا۔

صنفہ خادم الطلبة احمد عبدالحق بن

فاضل الکامل محمد سعید بن ملا قطیب الدین

شہید قطیب العلماء والعرفاء الانصاری السہالی

کذا سنة الف و مائة و ثلاثین من الهجرة النبویة

مُلا عبدالحق کی اس عبارت سے یہ واضح ہو گیا کہ قاضی مبارک کی شرح کو اولیت حاصل نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مُلا احمد عبدالحق کی شرح ہی اولیٰ شرح ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں۔

وقد كنت بالغافى الايضاح لم نجد مثله شرحاً موصفاً فائقاً لا بكاراً نافعاً للطلاب

میں نے مطالب کی توضیح میں پوری کوشش کی ہے۔ ایسی واضح، اعلیٰ خیالات سے ممتاز اور طلبہ کے لئے مفید کوئی دوسری شرح ہم نے نہیں پائی۔

گویا احمد عبدالحق کی شرح سے پہلے کچھ شرحیں لکھی گئی تھیں جو زیادہ واضح اور طلبہ کے لئے مفید نہیں تھیں۔

- سُلم العلوم کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ چند اہم شرحیں یہ ہیں:-
- ۱۔ شرح قاضی مبارک۔
 - ۲۔ شرح مُلا احمد عبدالحق۔
 - ۳۔ شرح مُلا مسافر۔
 - ۴۔ شرح محمد اللہ سندیلوی۔
 - ۵۔ شرح مُلا مبین۔

۶۔ مسلم الثبوت (اصول فقہ)

کتاب کا نام تاریخی ہے جس سے سالِ تالیف ۱۱۰۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ اصول فقہ کی معروف درسی کتاب ہے۔

۳۔ الجوبہ الفرد۔

۴۔ مغالطہ عامۃ الورد۔

محمد بن ابراہیم شیرازی

محمد بن ابراہیم شیرازی ملقب بہ صدرالدین ۶۷۹ھ/۱۲۷۹ء - ۷۱۵ھ/۱۳۱۵ء یا ۸۰۷ھ/۱۴۰۷ء - ۸۶۲ھ/۱۴۶۲ء میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ علمی حلقوں میں اخوند ملا صدرا یا صدر المتہالین کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

ابتدائی زندگی :-

ملا موصوف ایک بااثر اور صاحب حیثیت خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ بوڑھے والد کے اکلوتے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا گیا۔ اس زمانے میں "اصفہان" علماء و فضلاء کا مرجع تھا اور ایران کے گوشے گوشے سے علم کے پیسے اصفہان آتے تھے۔ ملا صدرا نے بھی اصفہان کی درس گاہوں سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے اساتذہ میں شیخ بہاء الدین عالی اور میر باقر داماد کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں اساتذہ سے "اجازت" حاصل کی تھی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ملا موصوف کے اساتذہ میں میر ابوالقاسم مندرسکی کا نام بھی لکھا ہے۔ جو عارف و زاہد ہونے کے علاوہ بے نظیر ریاضی دان تھا۔

مخالفت :-

ملا صدرا کے افکار سے بعض بااثر افراد کو اتفاق رائے نہیں تھا۔ انہوں نے ملا موصوف کی شدید مخالفت کی۔ "الاسفار الاربعہ" کے دیباچے میں انہوں نے اس مخالفت کا ذکر کیا ہے۔

ایک دلچسپ روایت "قصص العلماء میں ملتی ہے کہ میر باقر داماد کی وفات کے

بعد ملا صدرا نے انہیں خواب میں دیکھا اور اُن سے کہا کہ میں اُن ہی خیالات کا اظہار کرتا ہوں جو آپ نے اپنی کتابوں میں پیش کئے ہیں لیکن مجھے ملحد قرار دیا جاتا ہے اور آپ کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ ایسا کیوں ہے؟ میرا بقدراماد نے جواب دیا کہ میں نے فلسفہ پر اس طرح قلم اٹھایا ہے کہ متکلم میرا مفہوم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ صرف فلسفی ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس تمہارے اندازِ بیان سے ہر شخص مفہوم سمجھ جاتا ہے اور وہ تجھے ملحد قرار دینے لگتا ہے۔ اس خواب سے اتنا واضح ہے کہ وہ میرا بقدراماد کے خوشہ چین تھے اور انہوں نے متکلمین کی مخالفت برداشت کی تھی۔ غالباً اسی مخالفت کے باعث وہ اصفہان سے "تم" کے قریب "کھک" نامی گاؤں میں علیحدگی کی زندگی گزارنے لگے تھے۔ یہاں سے وہ فلسفیانہ مسائل پر غور و فکر کے نتائج اپنی تحریروں کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔

تدریس :-

ملا صدرا کی قابلیت کا شہرہ دور دور تک پھیل رہا تھا اور طالبانِ علم کشاں کشاں اُن کی مجلس میں آنے لگے تھے۔ اُن دنوں اللہ وردی خان (حاکم شیراز) نے اُن کے آبائی شہر "شیراز" میں ایک درس گاہ قائم کی اور ملا کو اپنے وطن آکر خدمات انجام دینے کی دعوت دی۔ ملا اس دعوت پر شیراز آگئے اور مدرسہ اللہ وردی خان اُن کے دم قدم سے ایک مثالی درس گاہ بن گیا۔

وفات :-

کہا جاتا ہے کہ ملا صدرا نے سات بار سفرِ حج کیا۔ آخری بار سفرِ حج سے واپسی پر پھر پستھنے پر ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء میں وفات پائی۔

تصنیفات :-

ملا موصوف نے زندگی کے آخری حصے میں سینکڑوں طالب علموں کو فیض پہنچایا انہوں نے طلبہ کے لئے بہت سی کتابیں لکھیں۔ تذکرہ نگاران کی اڑتالیس کتب اور مسائل کا ذکر کرتے ہیں۔ جملہ کتابوں میں سے صرف ایک فارسی میں ہے۔ باقی سب ہی عربی زبان میں ہیں۔

ملا موصوف کی مشہور کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ الاسفار الاربعہ (فلسفہ)

فلسفہ کی ایک اہم اور دقیق کتاب ہے۔ دارالترجمہ عثمانیہ (جیدرآباد وکن) نے اس کا اردو ترجمہ کرایا تھا۔ مترجمین میں مولانا میرک شاہ کاشمیری اور سید ابوالاعلیٰ مودودی شامل تھے۔ سید مودودی نے راقم الحروف کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ انہوں نے "الاسفار الاربعہ" کے درمیانی دو سفروں (کتابوں) کا ترجمہ کیا تھا۔ جو ساٹھ تین ہزار صفحات پر پھیلے ہوئے تھا۔ لیکن یہ شائع نہ ہو سکا۔

۳۔ المبدأ والمعاد

۲۔ شواہد الربوبیت۔

۴۔ شرح اصول الکافی۔ "اصول الکافی" شیخ کلینی کی معروف تالیف ہے۔ ملا صدرا نے

اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے

۵۔ حواشی بر شفا ابن سینا۔ "شفا" کے ماہد الطبیعیاتی حصہ پر حواشی ہیں۔

۶۔ شرح حکمت الاشراق از شہاب الدین سہروردی مقتول۔

۷۔ الواردات القلبیہ۔ ۸۔ کسر اصنام الجاہلیۃ۔ ۹۔ کتاب الہدایہ۔

۱۰۔ شرح ہدایت الحکمت معرون بہ صدرالاعلیٰ تفسیر سورہ مختلفہ قرآن مجید

محمد بن اسماعیل بخاری

ابتدائی زندگی :-

ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن میزہ ۱۲ شوال ۱۹۴ھ / ۱۹ جولائی ۸۰۹ء کو بخاری میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد میں سے میزہ نے اسلام قبول کیا اور بخاری میں سکونت اختیار کی تھی۔ ان کے والد اسماعیل علم حدیث میں رسوخ رکھتے تھے اور امام مالک کے شاگرد تھے۔ گھر میں قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا تھا۔

امام بخاری ابھی بچپن میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور والدہ کی نگرانی میں تعلیم تربیت ہوئی۔ انھوں نے سولہ سال کی عمر تک وطن میں تحصیل علم کی اور اس عمر میں امام عبد اللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابیں یاد کر لیں۔

سولہ سال کی عمر میں والدہ اور بڑا اور بزرگ کے ساتھ حج کی غرض سے حجاز روانہ ہوئے۔ بھائی اور والدہ فرضیہ حج ادا کر کے واپس وطن چلے گئے لیکن امام بخاری یہیں کے جو کر رہ گئے۔ چھ سال تک حجاز میں قیام رہا اور اہل علم سے استفادہ کیا۔
تعلیمی سفر :-

امام بخاری نے سماع حدیث کے لئے دور دراز کے سفر اختیار کئے۔ شام، مصر اور جزیرہ میں دو سال رہے۔ بغداد، کوفہ، اور بصرہ جو علم کے مرکز تھے کئی بار گئے، امام ذہبی کے بیان کے مطابق امام بخاری جب نیشاپور گئے تو شہر کے لوگوں نے ایسا شاندار استقبال کیا کہ اس سے پہلے اظہر نے کسی حاکم کو بھی یوں خوش آمدید نہ کہا تھا۔ اہل شہر تین منزل باہر آگئے تھے اور انہیں ساتھ لے کر چلے۔

نیشاپور میں قیام :-

امام بخاری نے نیشاپور میں بزم حدیث سجادی۔ امام محمد بن یحییٰ ذہلی نے لوگوں سے کہا کہ اس صلح عالم کی مجلس میں بیٹھ کر ان سے حدیث سنیں۔ ان کے کہنے پر اور امام بخاری کے شفقت حدیث کو دیکھ کر عوام نے اس قدر رجوع کیا کہ خود محمد بن یحییٰ ذہلی کی مجلس درس ماند پڑ گئی۔

مسئلہ خلقِ قرآن پر امام بخاری اور حنابلہ کے درمیان اختلاف رونما ہوا۔ امام ذہلی بھی امام بخاری کے شدید نکتہ چیں بن گئے۔ حکومت وقت پر حنابلہ کا اثر تھا اس بنا پر امام بخاری کو اختلاف رائے کے جرم میں قید و بند کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔ آخر نیشاپور سے واپس وطن بخارا آ گئے۔

وفات :-

بخارا کا حاکم امام بخاری سے خوش نہ تھا۔ اس لئے یہاں بھی آرام و سکون نہ ملا تو اپنے نخیال خرتنگ (بخارا سے چند میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں) چلے گئے۔ خرتنگ سے سمرقند جا رہے تھے کہ ۲۵۶ھ / ۸۷۰ء میں باسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

تصنیفات :-

امام بخاری سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

- | | |
|--------------------|---------------------|
| ۱۔ الجامع الصحیح | ۲۔ الادب المفرد |
| ۳۔ تاریخ الکبیر | ۴۔ تاریخ الاوسط |
| ۵۔ تاریخ الصغیر | ۶۔ خلق افعال العباد |
| ۷۔ جنود رفع الیدین | ۸۔ قرآۃ خلفت امام |
| ۹۔ بر الوالدین | ۱۰۔ کتاب الضعفاء |
| ۱۱۔ الجامع الکبیر | ۱۲۔ التفسیر الکبیر |

- | | |
|------------------|-------------------|
| ۱۳۔ کتاب الاشریہ | ۱۳۔ کتاب الہیہ |
| ۱۵۔ کتاب المبسوط | ۱۶۔ کتاب الکنی |
| ۱۶۔ کتاب العلل | ۱۸۔ کتاب الفوائد |
| ۱۹۔ کتاب المناقب | ۲۰۔ اسامی الصحابہ |
| ۲۱۔ کتاب وحدان | ۲۲۔ قضایا الصحابہ |

تذکرۃ الصدر تمام کتابوں میں سے "الجامع الصیح" کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ ان کی کسی دوسری تالیف کو حاصل نہ ہوئی۔ "الصیح" انہوں نے سولہ سال کے عرصہ میں مکمل کی اور اس کو تین مرتبہ لکھا۔ کثرت سے "الصیح" کی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

۱۔ فتح الباری۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

۲۔ عمدۃ القاری۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی (م ۸۵۵ھ)

۳۔ ارشاد الساری۔ شہاب احمد بن الخطیب القسطلانی (م ۹۲۳ھ)

۴۔ الکواکب الدراری۔ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی کرمانی (م ۷۸۶ھ)

۵۔ شرح النووی۔ علامہ نووی (م ۷۴۹ھ) تا کتاب الایمان، شارح شرح مکی نہ

کر سکے تھے۔ اس کا ذکر شرح الصیح المسلم کے مقدمہ میں ہے۔

۶۔ ہدایۃ الباری۔ زکریا انصاری تلمیذ حافظ ابن حجر (م ۷۲۸ھ)

۷۔ تیسیر القاری۔ نور الحق (م ۱۰۷۳ھ) بن شیخ عبدالحق دہلوی

۸۔ التوہیح علی الجامع الصیح۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

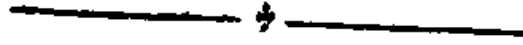
۹۔ شواہد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصیح۔ جمال الدین شافعی (م ۷۷۲ھ)

۱۰۔ شرح شیخ الاسلام ابن محب اللہ بناری۔

۱۱۔ عون الباری۔ نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ)

۱۲۔ نبراس الساری فی اطراف الباری۔ مولانا عبد العزیز حنفی۔

- ۱۳۔ فیض الباری۔ بدر عالم میرٹھی۔ مولانا نور شاہ کاشمیری کے افادات ہیں۔
- ۱۴۔ حاشیہ مولانا احمد علی محدث سیار پوری (م ۱۲۹۸ھ)
- ۱۵۔ لامع الدراری۔ از افادات مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) مولانا محمد زکریا نے مرتب کی ہے۔



محمد بن عیسیٰ ترمذی

ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن صفاک سلمیٰ ترمذی — قبیلہ بنو سلیم سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ترمذ کے مقام پر ۲۰۹/۲۵-۸۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ ترمذ دریا نئے جیوں کے کنارے واقع ایک قدیم شہر ہے۔ جہاں کے تین افراد نے بہت شہرت حاصل کی۔

- ۱۔ ابوالحسن احمد بن حسن ترمذی۔ ترمذی کبیر کے نام سے مشہور ہیں۔
- ۲۔ امام احمد کے شاگرد تھے اور امام ترمذی صاحب السنن کے استاد۔
- ۳۔ حکیم ترمذی صاحب نوادراصول۔
- ۴۔ محمد بن عیسیٰ ترمذی صاحب السنن۔

امام ترمذی کے زمانہ میں خراسان اور ماورالنہر میں علم حدیث کا خوب چرچا تھا۔ تاہم موصوف نے حصول علم اور سماع حدیث کے لئے دور دراز کے طویل سفر کئے۔ اُن کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ علامہ ذہبی نے امام بخاری، امام مسلم، علی بن حجر مروزی، ہنادین سری، یقینہ بن سعید اور محمد بن بشار کو اُن کے اساتذہ میں شمار کیا ہے امام ابوداؤد بھی اُن کے شیوخ میں سے ہیں:

امام بخاری کی وفات کے بعد اُن کی ذات مرجع خلائق تھی۔ اُن کے تلامذہ میں خراسان اور ترکستان کے علاوہ دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کے افراد ملتے ہیں۔ امام ترمذی آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ بعض تذکرہ نگار انہیں ماورزاد اندھا بتاتے ہیں مگر ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے۔ امام موصوف پر زہد و تقویٰ اور خشیت الہی

اس قدر غالب تھی کہ ان کی آنکھوں سے اکثر آنسو جاری رہتے تھے۔ اس گریہ و زاری سے ان کی بیٹائی جاتی رہی تھی۔

امام موصوف کا انتقال مشہور روایت کے مطابق ۵۷۷ھ / ۱۱۹۲ء میں ترمذ میں ہوا اور قریب برغ میں دفنائے گئے جو ترمذ سے چھ فرسخ کی مسافت پر ہے۔

تصنیفات

امام ترمذی سے مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

۱۔ العلل الصغریٰ۔ اس موضوع پر العلل الکبریٰ ناپید ہے۔

۲۔ کتاب المفرد ۳۔ کتاب التاریخ۔

۴۔ کتاب الزہد ۵۔ کتاب الشامل النبویہ۔

۶۔ کتاب الاسماء والکنیٰ ۷۔ الجامع الترمذی۔

ان میں سے العلل الصغریٰ، کتاب الشامل النبویہ اور الجامع الترمذی مطبوعہ ہیں۔

شروح جامع ترمذی :-

جامع الصحیح البخاری کے بعد سب سے زیادہ شرحیں جامع ترمذی کی لکھی گئی ہیں کچھ اہم شرحوں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۱۔ شرح اربعہ۔ اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل شرحیں ہیں۔

عارضہ ان حوزی۔ ابن عربی مالکی (م ۴۵۶ھ)

قوت المفتدی۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

شرح الجامع للترمذی۔ ابو طیب سندھی (م ۱۱۰۹ھ)

شرح الجامع للترمذی (فارسی) سراج احمد سرہندی۔

۵۔ شرح الجامع للترمذی۔ حافظ ابو الفتح محمد بن محمد بن سید الناس الشافعی۔ (م ۱۲۴۳ھ)

نے شرح کا آغاز کیا تھا مگر پایہ تکمیل کو پہنچنے سے پہلے شارح کا انتقال ہو گیا بعد میں

حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی (م ۵۸۴۰) نے مکمل کی۔

۶۔ اللبالباب فیما یقول الترمذی، شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۵۸۵۲)

۷۔ التعلیقات علی الترمذی۔ حافظ احمد بن شاکر کتاب البیوع تک اُن کی تصحیح متن

کے ساتھ تعلیقات شائع ہوئیں۔ بعد میں دوسرے اہل علم نے اس کام کو مکمل کیا اور پانچ

جلدوں میں مصر سے یہ اہم تالیف شائع ہوئی۔

۸۔ تحفۃ الاحوذی۔ مولانا عبدالرحمن مبارک پوری (م ۱۳۵۳ھ)

۹۔ العرف الثندی۔ علامہ انور شاہ کاشمیری کے درسی افادات اُن کے شاگرد مولانا

محمد چراغ صاحب نے مرتب کئے ہیں۔

۱۰۔ معارف السنن۔ یہ بھی مولانا انور شاہ کاشمیری کے افادات علمیہ ہیں جو مولانا

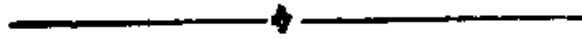
محمد یوسف بنوری (م ۱۳۹۷ھ) نے ترتیب دیئے ہیں۔

۱۱۔ الکوکب الدرئی۔ مولانا رشید احمد گلگویی کے افادات مولانا محمد یحییٰ اور مولانا

محمد زکریا کاندھلوی نے ترتیب دیئے ہیں۔

۱۲۔ نزول الثوی۔ مولانا اصغر حسین صاحب پرنسپل مدرسہ دارالہدیٰ پٹنہ سے

حتمی نقطہ نظر سے سوال جواباً یہ کتاب لکھی ہے۔



محمد احسن نانوتوی

مولانا محمد احسن بن لطف علی برصغیر کے مردم خیر قصبہ نانوتہ (ضلع سہارنپور) میں ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے جد امجد قاضی مظہر الدین صدیقی سکندر لدھی کے زمانہ میں برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ خاندان میں تعلیم کا چرچا تھا اور سرفروزی و نوشت و خوانہ سے بہرہ ور تھا۔

تعلیم و تربیت :-

مولانا محمد احسن نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ والد ماجد سے قرآن مجید حفظ کیا اور دہلی چلے گئے۔ دہلی کالج میں داخلہ لیا جہاں ان کے عزیز مولانا مملوک علی نانوتوی (م ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۱ء) مدرس تھے۔ دہلی کالج میں انھوں نے مولانا مملوک علی اور مولوی سبحان بخش سے بطور خاص استفادہ کیا۔ اُن دنوں دہلی میں شاہ عبدالغنی مجددی (م ۱۲۶۶ھ / ۱۸۷۸ء) اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) کی درسگاہیں علم حدیث کی اشاعت کے لئے مدد دت تھیں۔ ان دونوں حضرات سے حدیث کی تعلیم پائی اور اول الذکر سے تعلق بیعت بھی قائم کیا۔

ملازمت :-

علوم مروجہ کی تحصیل کے بعد ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۷ء میں بنارس کالج میں بحیثیت مدرس اقل (فارسی) اُن کا تقرر ہوا۔ چار پانچ سال یہاں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد بریلی کالج گئے جہاں شعبہ فارسی کے سربراہ بنائے گئے چند سال بعد اُن کا اجراء نانوتو دونوں شعبوں کی صدارت انہیں سپرد کی گئی۔

بریلی میں تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شروع ہوا۔ مولانا ایسٹ انڈیا کمپنی کے حق میں رائے رکھتے تھے۔ ۲۲ مئی کو نماز جمعہ کے بعد مسجد نو محلہ میں تقریر کی جس میں اس امر پر زور دیا کہ کمپنی کی حکومت کے خلاف بناوت کرنا موزوں نہیں۔ اس سے عام مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے اور انھیں جان بچانا مشکل ہو گیا آخر کو تو اب شہر شیخ بدر الدین کے کھنڈے پر بریلی سے آنولہ چلے گئے اور وہاں سے رامپور (افغانان) ہوتے ہوئے نانوتہ پہنچے۔ جب ۶ مئی ۱۸۵۸ء کو بریلی پر دوبارہ کمپنی کا قبضہ ہو گیا تو واپس آگئے اور کلج کی ملازمت بحال ہو گئی۔

سفر حج :-

۱۵ دسمبر ۱۸۶۶ء کو بریلی سے بغرض حج روانہ ہوئے۔ پانچ ماہ اس سفر میں لگے۔ حرمین میں اپنے مرشد شاہ عبدالغنی مجددی (م ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء) اور مولانا امداد اللہ مبارک (م ۱۳۱۴ھ / ۱۹۹۸ء) سے خاص طور پر ملے۔ ۱۳ مئی ۱۸۶۷ء کو واپس بریلی آئے۔

نانوتہ میں قیام :-

۱۸۷۷ء میں بریلی کلج ناقابل برداشت مصارت کی وجہ سے بند ہو گیا تو مولانا محمد احسن وطن مالوہ نانوتہ آگئے۔ یہاں احسن المدارس کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا جو ۱۹۳۷ء تک چلتا رہا۔ یہ زمانہ ان کی تصنیف و تالیف کے لئے خاصا اہم رہا۔

وفات :-

۱۸۹۴ھ / ۱۳۱۲ء میں بیمار ہوئے بغرض علاج دہلی گئے مگر افات نہ ہوا۔ راپسی پر ملانا ذوالفقار علی دیوبندی (م ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء) کے اصرار پر دیوبند ٹھہرے جہاں ان کے بھائی محمد منیر نانوتوی دارالعلوم دیوبند کے بہتم تھے۔ مولوی محمد منیر نے اپنے بھائی کی بر قسم کی خدمت کی مگر موت سے کئی روز پہلے ہی انتقال پا گیا۔ آخر رمضان ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۵ء کو وفات پائی اور دارالعلوم دیوبند کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

علمی خدمات :-

مولانا محمد اسن بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ایک کامیاب طابع اور بھی رہے۔ انہوں نے ستمبر ۱۹۴۲ء/ ۱۳۶۲ھ میں مطبع صدیقی کے نام سے بریلی میں ایک مطبع قائم کیا جس سے خانوادہ شاد ولی اللہ کی کتابیں شائع ہوئیں یہ مطبع تقریباً ۱۶ سال قائم رہا اور اس کے بعد اس سے اردو مطبوعات کا گراں قدر ذخیرہ منظر عام پر آیا۔ جناب محمد ایوب قادری صاحب کے الفاظ میں ان کے مطبع صدیقی کا مقصد صرف تجارت کتب نہ تھا بلکہ دراصل دلی الہی کیڈمی تھی۔ اس مطبع سے ولی الہی حکمت و فلسفہ کی خوب مشہور ساعت ہوئی۔ مطبع صدیقی سے ایک ہفتہ وار اخبار احسن الاخبار کے نام سے ۷ ستمبر ۱۹۴۲ء سے شائع ہونا شروع ہوا جو کچھ عرصہ اپنی بہار دکھا کر بند ہو گیا۔

مولانا محمد احسن عربی و فارسی پر تو عبور رکھتے ہی تھے۔ انگریزی ان سے بھی کامل درجہ تک تھا۔ شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے اور تاریخ گوئی سے ان میں یہ طولی حاصل تھا۔ ان سے مندرجہ ذیل کتب یادگار ہیں۔

۱۔ تحفۃ المحضین، تالیف ۱۲۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

۲۔ اصول جرنیل، تالیف ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۴ء

۳۔ نافع خیر، رسالہ مسائل بیع و شراہ، رسالہ تالیف ۱۲۷۱ھ/ ۱۹۵۵ء

۴۔ قواعد اردو حصہ چہارم، تالیف ۱۲۷۹ھ/ ۱۹۶۲ء

۵۔ رسالہ عروض، تالیف ۱۲۸۰ھ/ ۱۹۶۲ء

۶۔ زاد المحدثات، در بیان تعلیم نسوان، تالیف ۱۲۸۰ھ/ ۱۹۶۴ء

۷۔ مضاہ الطالبین

۸۔ مذاق العارفین، امام غزالی کی مشہور تالیف احیاء العلوم کی تفسیر ہے جو مولانا

زکریا کی فرمائش پر ۱۲۸۱ھ/ ۱۹۶۴ء تا ۱۲۹۶ھ/ ۱۹۷۵ء تک تین جلدوں میں شائع ہوئی۔

کیا گیا تھا۔ یہ ترجمہ سلیس اور با محاورہ ہے۔ ترجمہ کے ساتھ موضوعات کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔

۹۔ تہذیب الایمان ترجمہ اغاثۃ اللہمان (ابن قیمؒ)

۱۰۔ اسن المسائل ترجمہ کنز الدقائق (تالیف ۱۲۸۴ھ/۱۹۶۷ء)

۱۱۔ غایۃ الاوطار فقہ حنفی کی مشہور کتاب "دُرِّ مختار" کا ترجمہ مولوی خرم علی بلہوری

کر رہے تھے کہ تکمیل سے پہلے اُن کا انتقال ہو گیا۔ باقی ترجمہ از باب الاذان تا کتاب الصلوٰۃ

اور چھوڑے ہوئے حصوں کو پورا کیا۔ غایۃ الاوطار تاریخی نام ہے جس سے سال ترجمہ ۱۲۶۴ھ/۱۸۷۴ء برآید ہوتا ہے۔

۱۲۔ حمایت اسلام۔ سر سید احمد خاں کی فرمائش پر گوڈ فرے گنٹرز Godfrey

Higgins کی کتاب Apology for Mohammad کا ترجمہ کیا۔

۱۳۔ کثافات ترجمہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (شاہ ولی اللہ)۔

تالیف ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۹ء

۱۴۔ سلک مردارید ترجمہ عقد الجید (شاہ ولی اللہ) تالیف ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء

۱۵۔ خیر مبین ترجمہ حسن حصین (تالیف ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء)

۱۶۔ نکات نماز ترجمہ اسرار الصلوٰۃ

۱۷۔ مجموعہ مشنویات۔

مندرجہ بالا تصنیفات و تراجم کے علاوہ مطبع کی ضروریات کے پیش نظر مندرجہ

ذیل کتابوں کو مسند حواشی اور ضروری تصحیح کے ساتھ مرتب کیا۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ)

۲۔ ازالۃ الخفا

۳۔ الشفا (قاضی عیاض)

۴۔ کنوز المحتائق حاشیہ کنز الدقائق

۵۔ نفوس الیمین (شیخ احمد مبینی)

۶۔ خلاصۃ الحساب (بہاء الدین عالی)

۷۔ قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین (شاہ ولی اللہ)

۸۔ فتاویٰ عزیز (شاہ عبدالعزیز دہلوی)

۹۔ جواہر القرآن (امام علی بن نجف علی)

۱۰۔ رسالہ نیچرل فلاسفی۔

۱۱۔ تنبیہ الرقیق علی منالطہ الحق المحقق



میر محمد باقر داماد

میر محمد باقر داماد بن سید نجمہ ستر آباد میں پیدا ہوئے اُن کے سال ولادت کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ اُن کے عرف داماد کے بارے میں دو اسباب بتائے جاتے ہیں

نظامی بدایونی کے بقول "وہ شاہ عباس اول کے داماد تھے اور اس وجہ سے داماد مشہور ہو گئے"۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اُن کے والد سید محمد، محقق ثانی شیخ علی بن عبد العلی کے داماد تھے اور اُن کے والد اسی عرفت مشہور تھے بعد میں باپ کا عرف بیٹے کا عرف بن گیا۔

میر محمد باقر نے ابتدائی تعلیم مشہد میں حاصل کی۔ بعد میں اصفہان آ گئے اور عمر کا زیادہ حصہ یہیں گزارا۔ عوام و خواص میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور اُن کی مجلس درس میں تشنگانِ علوم کا ہجوم رہتا تھا۔

انہیں فلسفہ و حکمت اور شعر و شاعری کے علاوہ تاریخ طبعی سے خاص لگاؤ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے شہد کی مکھیوں کی عادات کا بطور خاص مطالعہ کیا۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے شیشے کے مرتبان میں مکھیوں کا چھتہ لگایا ہوا تھا۔ میر محمد باقر داماد شعر و شاعری میں "اشراق" تخلص کرتے تھے۔

وفات ۱۰۴۱ھ/۳۲/۱۶۳۱ء میں انتقال کیا۔

تصنیفات :-

میر باقر داماد کی زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں ہیں البتہ شاعری انہوں نے فارسی میں کی۔ ان کی کچھ کتابوں کی فہرست یہ ہے :-

۱۔ افق المبین (فلسفہ) نامانوس تراکیب اور محاورات کے استعمال سے اس کتاب کی زبان نہایت ثقیل ہو گئی ہے۔

۳۔ صراط المستقیم۔

۲۔ شرح مختصر الاصول۔

۵۔ عیون المسائل۔

۴۔ جبل المتین۔

۷۔ خطۃ الملکوت۔

۶۔ نبراس الضیاء۔

۹۔ کشف الحقائق

۸۔ کتاب الرواشح السامیہ۔

۱۱۔ مثنوی مشرق الانوار

۱۰۔ شارع النجاة

۱۲۔ الایامات والتشریفات (صحیفۃ الملکوئیۃ)

فہرست نگار کتاب خانہ سالار جنگ کے بقول صفوی دور میں شیعہ علوم پر لکھی گئی بہترین کتابوں میں سے ایک ہے۔

محمد حسن فرنگی محلی

علامہ محمد حسن بن قاضی غلام مصطفیٰ بن ملا محمد اسعد خلیف اکبر ملا قطب الدین شہیدؒ
 بہاولوی نے ملا کمال الدین فتح پوری اور ملا نظام الدین بہاولوی سے اکتسابِ علم کیا۔
 اُن کی ابتدائی زندگی دہلی میں گزری لیکن جلد ہی فرنگی محلے آکر درس و تدریس کا شغل اختیار
 کیا۔ بعض حوادث کی بنا پر انہیں وطن مالوت کو خبر باد کھنا پڑا چنانچہ شاہجہان پور چلے گئے۔
 شاہجہانپور سے نواب ضابطہ خاں کی فرمائش پر نجیب آباد چلے گئے۔ نواب ضابطہ خاں
 نے انہیں مدرسہ دارالعلوم میں مدرس مقرر کر دیا۔ مرثیوں کی وجہ سے نجیب آباد میں گڑ بڑ پھیلی تو
 نواب فیض اللہ خان کے عہد اقتدار (۱۱۸۸ھ تا ۱۲۰۸ھ) میں راپور چلے گئے۔ راپور میں عربک
 کالج (مدرسہ عالیہ) میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے۔ بعد میں مولانا عبد العلیٰ فرنگی محلی اسی عہدہ پر فائز ہوئے۔
 راپور کے دوران قیام میں انتقال ہوا۔ سال وفات کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں
 باہم اختلاف پایا جاتا ہے۔ حافظ علی احمد خان شوق نے سالِ رحلت ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء
 لکھا ہے۔ "زہت الخواطر" کے مصنف نے بھی یہی لکھا ہے۔ مولوی عنایت اللہ (م ۱۹۱۱ء)
 نے تاریخ وفات ۳ صفر ۱۲۰۹ھ / ۳۰ اگست ۱۷۹۲ء درج کی ہے۔

تصنیفات :-

اکثر تذکرہ نگاروں نے ملا موصوف کی ذکاوت اور تبحر علمی کا ذکر کیا ہے۔ وہ کثیر التصانیف

۱۔ وقائع عہد القادر خان (علم و عمل) ج اول، ص ۷۵، ۷۶

۲۔ آثار الاولین علامتے فرنگی محل، ص ۱۱، ۱۲

۳۔ تذکرہ کا ملانِ راپور، ص ۳۵۱

۴۔ مکاتیب غالب، ص ۶۱۴

۵۔ تذکرہ علما فرنگی محل، ص ۴۸

۶۔ زہت الخواطر جلد ۶، ص ۲۹۸

اور وسیع حلقہ تلامذہ رکھنے والے تھے۔ مؤلف تذکرہ علمائے ہند نے مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے۔^{۱۵}

۱۔ شرح مسلم الثبوت (تامبادی الاحکام)۔ ۳۔ معارج العلوم (منطق)۔

۲۔ شرح مسلم العلوم۔ ۴۔ حواشی زواہد ثلاثہ۔

۵۔ حاشیہ شرح ہدایت الحکمت صدر الدین شیرازی۔

۶۔ حاشیہ شمس بازغہ۔ ۷۔ غایۃ العلوم (حکمت)



۱۵۔ تذکرہ علمائے ہند ۴: ۱۸۵

۱۶۔ غالباً اسی کو صاحب آثار الاول نے معارج العلوم کے نام سے ذکر کیا ہے ۴: ۱۱۰

میر محمد زاہد ہروی

میر محمد زاہد ہروی بن قاضی محمد اسلم ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ قاضی محمد اسلم ہرات کے رہنے والے تھے بعد میں ترک سکونت کرتے ہوئے جہانگیر کے عہد میں لاہور آئے۔ جہانگیر ان کے تقویٰ و توریع سے نہایت متاثر تھا۔ پہلے انہیں کابل کا منصب قضا پیش کیا بعد میں شاہی لشکر کا قاضی بنا دیا۔ شاہجہان نے انہیں اسی منصب پر فائز رکھا اور اپنا امام خاص قرار دیا۔ ۱۰۶۱ھ میں لاہور میں فوت ہوئے۔
میر محمد زاہد بھی اپنے والد کی صفت نسبتی "ہروی" سے مشہور ہوئے۔

تعلیم :-
ابتدائی تعلیم اپنے والد قاضی محمد اسلم سے پائی۔ ملا محمد فاضل بدخسانی، ملاح صادق حلوانی سے کابل میں استفادہ کیا۔ بعد میں توران جاگر مرزا محمد جان شیرازی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور نون حکمت مرزا محمد جان شیرازی کے شاگرد ملا یوسف سے سیکھے پھر لاہور آئے اور ملا جمال لاہوری سے فاتحہ فراغ پڑھا جو علوم عربیہ میں یگانہ روزگار تھے۔

ملازمت

شاہجہان نے میرزا ہد کو رمضان ۱۰۶۴/۱۰۶۵ھ میں کابل کی وقائع نگاری پر مامور کیا۔ عہدہ عالمگیری میں بہت دنوں اس عہدے پر فائز رہے پھر اکبر آباد (آگرہ)۔

میں لشکر شاہی کے محتسب مقرر ہوئے۔ یہ تقریر ۱۰۷۰ھ/۱۶۶۶ء میں عمل میں آیا تھا۔ آخر بادشاہ نے کابل کی صدارت تفویض کی اور خدمات جلیلہ انجام دیں۔
تقدیس:-

میرزا ہد سرکاری مصروفیات کے ساتھ ساتھ طالبان علم کو بھی نوازتے رہے جن دنوں اکبر آباد میں محتسب لشکر تھے۔ شاہ دلی اللہ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم نے ان سے معقولات کی تعلیم پائی۔ اسی طرح کابل کے زمانہ قیام میں بھی طالبان علم ان سے استفادہ کرتے رہے۔ آخر عمر میں تدریس اور تقویٰ و تدریس کا یہ عالم تھا کہ شاہی ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لی اور ہمہ تن تعلیم و تعلم اور ترقی نفس میں مصروف رہے۔

میرزا ہد کو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی (م ۱۰۷۴ھ) سے نہ صرف تعلقِ راوت تھا بلکہ ایک روایت کے مطابق ان کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔

«انفاس العارفين» میں شاہ دلی اللہ نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ان کی دینداری اور دنیوی معاملات سے ناواقفیت کا اظہار ہوتا ہے حضرت شاہ عبدالرحیم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک دن ماہ رمضان میں میرزا ہد نے ان کی دعوت کی۔ مغرب کے وقت ایک کباب فروش آیا اور کبابوں سے بھرا ہوا خوان ان کے سامنے رکھ دیا اور کہنے لگا کہ میں کباب بطور نذرانہ لایا ہوں۔ میرزا ہد مسکرائے اور کہنے لگے کہ اے شخص نہ میں تیرا پیر ہوں اور نہ استاد ہی۔ پھر نذرانہ کا ہے کا؟ میرزا ہد نے تاکید سے کباب لانے کا سبب پوچھا تو پتہ چلا کہ اس کی دکان راستہ پر ہے اور میرزا ہد کے ماتحت سپاہیوں نے دکان کو راہ سے ہٹانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ میرزا ہد نے کہا «کل تحقیق ہوگی اب چلے جاؤ» اس پر کباب فروش نے کہا کہ میں کباب آپ کے لئے لایا ہوں۔ شام ہو چکی ہے اب یہ فروخت نہیں کر سکتا آپ قبول فرمائیں؟

اس پر میرزا ہد نے اپنے بچوں کے معلم کو بلا کر کہا کہ ان کبابوں کی قیمت کیا ادا کی

جلئے۔ معلم نے آٹھ آنے قیمت تجویز کی۔ جو ادا کر دی گئی۔

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ میں نے اُستادِ محترم سے کہا کہ مقصود تو رشوت سے بچنا ہے لیکن آٹھ آنے میں کباب خریدنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ اُس کا خرچ ادا شدہ قیمت سے زیادہ اٹھا ہے اور کباب فروش آٹھ آنے پر راضی ہو گیا ہے میرزا ہد نے کباب فروش کو دوبارہ بلا بھیجا اور اُس پر زور ڈال کہ خرچ اور اجرت دریافت کی۔ جب حساب ہوا تو قیمت ساڑھے تین روپے بنی۔ بچوں کے معلم کو ڈانٹا اور کہا کہ تم چاہتے ہو کہ میں روزہ حرام طریقے سے حاصل کئے ہوئے کھانے سے افطار کروں۔ یہ کونسی عقل مندی اور ہمدردی تھی چنانچہ کبابوں کی پوری قیمت ادا کی گئی۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے ملفوظات میں ہے کہ ایک امیر، میرزا ہد سے شرح وقایہ پڑھتا تھا جب تک دا واجان (شاہ عبدالرحیم) نہ آجاتے میرزا ہد سبق نہ پڑھتے تھے بلکہ

حضرت محدث دہلوی کے ملفوظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہیں شاہ عبدالرحیم کے تفقہ پر اعتماد تھا نیز وہ فقہی معاملات میں از حد محتاط تھے۔

وفات :-

کابل میں ۱۱۰۱ھ / ۱۶۹۰ء میں علم کا یہ آفتاب غروب ہوا۔

تالیفات :-

میرزا ہد نے طلبہ کی سہولت کے لئے کئی کتابوں کی شرحیں لکھیں اور ادق کتابوں پر حواشی تحریر کئے تاکہ اُن کے مطالب طلبہ باسانی سمجھ سکیں۔ معروف ترین کتابیں یہ ہیں۔
۱۔ حاشیہ شرح مواقف (امور عامہ)

شاہ ولی اللہؒ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کا مسودہ میرے والد ماجد کے پڑھنے کے زمانے یعنی زمانہ قیام اکبر آباد میں تیار ہوا۔ البتہ بتیضہ کابل میں تیار ہوا۔

۲۔ حاشیہ۔ شرح تہذیب علامہ دوآنی۔

۳۔ حاشیہ رسالہ تصور و تصدیق۔ قطب الدین رازی۔

ان تینوں حواشی کو حواشی ثلاثہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ حاشیہ شرح بیباکل۔

میرزا ہد کی کتابیں آج سے تقریباً سو سال پہلے بہت اہم خیال کی جاتی تھیں اس وقت تک کسی فرد کو عالم ہی نہ سمجھا جاتا تھا جب تک اس کا میرزا ہد کی کتابوں پر کوئی حاشیہ نہ ہو۔ آج بھی منطق و فلسفہ میں میرزا ہد کے شروح و حواشی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

قاضی محمد مبارک گوپاموی

”گوپامنو“ اترپردیش (بھارت) کے ضلع ہرودئی کا ایک قصبہ ہے جو ایک صدی پہلے علم و فضل کا گہوارہ تھا۔ وہاں علم و ادب اور عرفان و تصوف کے سوتے جاری تھے۔ قاضی محمد مبارک شایع ”سلم العلوم“ کو اسی قصبے سے نسبت ہے۔

قاضی مبارک نام کے ایک سے زیادہ بزرگ گورے ہیں۔ شایع سلم العلوم ”قاضی مبارک سوم“ ہیں۔ قاضی مبارک اول حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی (م ۵۷۲۵ھ) کے مرید باصفا اور خلیفہ تھے۔ یہ قاضی اول اپنے پیرومرد کے پائین دہلی میں مدفون ہیں۔ عثمینی ماٹھوی نے ”گلزار ابرار“ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

قاضی مبارک دوم قصبہ امیٹھی (نزد لکھنؤ) کے مشہور بزرگ اور اکبری دور کے قاضی شیخ نظام الدین سے ارادت رکھتے تھے۔ ملا عبدالقادر بیدالہنی (م ۱۰۰۴ھ) نے ”منتخب التواریخ“ اور مولوی رحمان علی (م ۱۳۲۵ھ) نے تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر کیا ہے۔

قاضی محمد مبارک سوم بھی صوفی مشرب تھے اور اپنے دور کے عظیم منطقی اور فیضی تھے۔

ولادت ۱۔

جملہ تذکرہ نگار قاضی مبارک سوم کی تاریخ ولادت کے بارے میں خاموش ہیں۔ البتہ ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں ایک اشارہ ملتا ہے۔ مغل شہنشاہ محمد شاہ نے ۱۷۰۱ء ربیع الاول ۱۱۰۰ھ جلوس شاہی محمد شاہ میں ان کے نام فرمان جاری کیا تھا جس پر انہیں منشیب قند پر فائز ہونے کی اطلاع دی گئی۔ فرمان کے اجراء کے وقت ان کی عمر ۴۲ برس

تھی۔ اجزائے فرمان کی تاریخ کو ہجری سن سے مطابقت دینے سے ۱۱۳۹ھ حاصل ہوتا ہے گویا ۱۱۳۹ھ میں قاضی مبارک ۴۷ سال کے تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اندازاً ۱۰۹۲/۱۶۸۱ء میں پیدا ہوئے۔

مؤلف تذکرہ علمائے ہند نے قاضی مبارک سوم کے والد کا نام شیخ محمد دائم ادھی لکھا ہے۔ ان کے جد ماجد جابر علی ہیں اور علی قبیلہ بکر بن وائل کی ایک شاخ ہے۔
تعلیم و تربیت :-

اقاضی مبارک نے اپنے رشتے کے ایک بزرگ قاضی شہاب الدین اور ان کے صاحبزادے ملا قطب الدین معروف بہ قطب اول سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ چند کتابیں حاجی صفت اللہ خیر آبادی سے بھی پڑھی تھیں۔ قاضی مبارک کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے میرزا بہ ہروی (م ۱۱۰۱ھ) سے بھی استفادہ کیا تھا۔ لیکن یہ روایت بوجہ درست نہیں اولاً میرزا بہ ہروی کا انتقال ۱۱۰۱ھ میں ہوا اور قاضی مبارک کی پیدائش ۱۰۹۲ھ میں ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں میرزا بہ ہروی کی وفات کے وقت قاضی صاحب کی عمر نو دس سال سے زائد نہ تھی اور میرزا بہ ہروی اس وقت اسی سال سے زائد عمر کے تھے۔

ثانیاً میرزا بہ ہروی کی آخری عمر کابل میں بسر ہوئی اور وہیں فوت ہوئے تھے۔ ظاہر ہے نو دس سال کی عمر میں قاضی مبارک کا سفر کابل محال ہے۔

غالباً یہ غلط فہمی اس لئے پیدا ہوئی کہ قاضی مبارک نے اپنی شرح میں جا بجا میرزا بہ ہروی کا ذکر "تال الاستاذ" سے کیا ہے لیکن یہ اشکال باسانی رفع ہو سکتا ہے۔ عام طور پر مؤلف اپنے استاد کے اسناد کو بھی "الاستاذ" کہہ دیتے ہیں۔ ایک

روایت کے مطابق قاضی موصوف نے ملا محمد صالح (فرزند ملا قطب اول) سے بھی اکتساب فیض کیا تھا اور ملا محمد صالح کو میرزا بہد سے تلمذ حاصل تھا لہذا قاضی مبارک نے اپنے استاد ملا محمد صالح کے استاذ کو الاستاذ کے لقب سے یاد کیا ہے

ملازمیت :-

محمد شاہ (م ۱۱۶۱ھ) کی طرف سے قاضی مبارک منصب قضا پر فائز تھے جیسا کہ ولادت کے ضمن میں شاہی فرمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ عہدہ قضا کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی خاطر دہلی میں مقیم رہے۔

بیعت :-

قاضی محمد مبارک سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت شاہ اکرم دہلوی کے مرید تھے۔ خرقہ خلافت قلندریہ سلسلہ میں شاہ علاء الدین احمد لاپور پری سے حاصل کیا۔

تصنیفات :-

۱۔ شرح سلم العلوم (منطق)

سلم العلوم کی بکثرت شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں۔

۱۔ حواشی بر حاشیہ میرزا بہد۔

معاصرین سے علمی مباحثے :-

قاضی مبارک کے معاصرین میں حمد اللہ سندیلوی (م ۱۱۶۰ھ) اور قاضی احمد علی سندیلوی معروف منطق تھے۔ اور پھر ایک ہی علاقہ میں ہونے کی وجہ سے کسی نہ کسی معاصرانہ چشمک بھی تھی چنانچہ مولوی رحمان علی کے بیان کے مطابق قاضی مبارک اور قاضی احمد علی سندیلوی کے مابین مناظرہ و مباحثہ رہتا تھا۔

وفات :-

دہلی میں وفات پائی۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق
۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء میں وفات پائی۔ دوسری روایت کے مطابق سال وفات ۱۱۶۴ھ ہے
اور حسن خاتمہ "مادہ تاریخ" ہے۔

۱۱۶۴ھ

نقش دہلی سے گوپا منولائی گئی اور حنیفہ مولویاں میں دفن کی گئی۔



ملا محمود جوپوری

جوپور غیر شاہ تعلق (۱۶۵۲ء - ۱۶۹۰ء) نے فخر الدین جوہا بن سلطان عیاش الدین تعلق کے نام پر آباد کیا۔ یہ شہر ابتداء سے اہل فضل و کمال کا مرکز بن گیا۔ تیموری حملہ کے بعد ۱۳۹۹ء میں جوپور میں شرقی سلطنت قائم ہوئی تو اس کے علم و فضل کو چار چاند لگ گئے۔ اس دور میں ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹/۱۴۴۵ء) اور ان کے تلامذہ نے جوپور کو بغداد کا ہم پل بنا دیا۔

لودھی خاندان کے عہد حکومت میں مولانا اللہ داد جوپوری (م ۹۶۲/۱۵۵۵ء) نے خاصا نام پیدا کیا۔ مولانا اللہ داد کی درس گاہ طلبہ اور شائقین علم و ادب کا مرجع تھی۔ مغل بادشاہوں نے بھی جوپور پر خاص توجہ دی۔ شاہ جہان کہا کرتا تھا کہ پورب شیراز ما است۔ محمد شاہ (م ۱۱۶۱/۱۷۴۸ء) کے عہد میں اس ایک شہر میں بیس مدارس تھے۔ اس سرزمین سے بیسیوں نامور علماء اُٹھے ان میں دیوان عبدالرشید مولف "رشیدیہ" اور ملا محمود جوپوری دو ایسے آفتاب و ماہتاب تھے جن کی روشنی سے ایک عالم روشن ہوا۔ مولانا شبلی (م ۱۳۳۲/۱۹۱۴ء) کے بقول علامہ تفتازانی اور علامہ جرجانی کے بعد ایسے دو اہل علم کبھی اکٹھے نہیں ہوئے تھے

ملا محمود بن شیخ محمد بن شاہ محمد فاروقی ۹۹۳/۱۵۱۵ء میں پیدا ہوئے یہ موصوف نے ابتدائی تعلیم اپنے دادا شاہ محمد فاروقی سے حاصل کی بعد میں مولانا

محمد افضل جو پوری (م ۱۰۶۲/ ۱۶۵۲ء) کے سامنے زانوں سے تلمذ تہہ کیا اور سترہ سال کی عمر میں علوم مروجہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کر لی۔

تدریس :-

تعلیم سے فارغ ہو کر اکبر آباد (اگرہ) گئے۔ شاہجہان نے عزت و تکریم کی اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ نظامی بدایونی نے لکھا ہے کہ شاہجہان نے ان کی شہرت سن کر دربار میں جگہ دی مگر یہ دربار سے چلے آئے۔ اس کی تفصیل یوں ملتی ہے کہ

« ملا محمد اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی بادشاہ کے ہمراہ لاہور حضرت

شاہ میر لاہوری کے پاس گئے۔ فقیر متوجہ نہ ہوا۔ بادشاہ کو

بہت رنج ہوا۔ دونوں علماء نے فرمایا کہ علماء کی طرف توجہ نہ کرنا

کی معنی رکھتا ہے۔ فقیر اٹھا اور اپنا کھیل بچھا کر خود بہ ادب بیٹھا

اور دونوں علماء کو بٹھلایا اور کہا کہ میں جاہل ہوں مجھ کو اس کا

مطلب سمجھا دیجئے اور یہ شعر پڑھا

بسا دادل آں فرومایہ شاد

کہ از بہر دنیا بدویں باد

دایسا نہ ہو کہ دل فرومایہ شاد ہو جائے جو دنیا کے لئے اپنا

دین بادشاہ کی نذر کر چکا ہے

ملا عبد الحکیم اس شعر کو سن کر لوٹنے لگے اور گریباں چاک

کیا اور ملا محمد شاہی ملازمت ترک کر کے جو پور واپس

آئے

جو نپور میں ایک مدرسہ قائم کیا اور تدریس میں منہمک ہو گئے۔

علم و فضل :-

جملہ تذکرہ نگاروں نے ملا محمود جو نپوری کے علم و فضل کی تعریف کی ہے۔

رحمان علی نے لکھا۔

”در علوم حکمیہ و ادبیہ پایہ بلند داشت اگر بوجودش سرزمین جو نپور

برز بوم شیر آفتاخر می جست روا بودی“

غلام علی آزاد بلگرامی کے الفاظ میں ”ہندوستان میں تو ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ بلکہ ہفتہ

اقلیم میں بھی ان کا سا علم رکھنے والا کوئی نہ تھا۔

ایک روایت ہے کہ شاہجہان کے عہد میں ایک نابینا عالم ایچ نامی شاہ ایران کا

سفیر بن کر ہندوستان آیا۔ اُس نے دربار کے علماء سے مناظرہ کیا اور انھیں اپنی قوت

گویائی سے زچ کر دیا۔ شاہجہان کو اس صورت حال سے سخت افسوس ہوا۔ اُس نے

اپنے وزیر نواب سعد اللہ خان کے مشورہ سے ملا محمود جو نپوری کو دربار میں بلا دیا۔ ملا محمود

جو نپوری کو ناظم جو نپور کبند منت و سماجت دربار میں بھیجا۔ دربار میں ایرانی عالم کے ساتھ

ان کی ملاقات ہوئی اور ہیولی کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ ملا محمود نے اپنے تبحر کا ایسا ثبوت

دیا کہ ایرانی عالم نے اپنی شکست تسلیم کر کے ان کے ہاتھ چومے اور شاہجہان نے خوش

ہو کر طشت بھر سونا اور چاندی ان پر سے نچا اور کیا اور اپنے بیٹے شاہ شجاع کو ان کی

شاگردی میں دیا اور جو نپور میں ان کے مدرسہ کے لئے زمین عطا کی گئی

ملا محمود نے ہندوستان کے خاص فن نانکا بھید کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ علم ہیئت سے

لے تذکرہ علمائے ہند ص: ۲۲۱

لے ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر: ۲۲-۲۳

خاصی دلچسپی تھی۔ اگرچہ اس فن میں انہوں نے کوئی کتاب یادگار نہیں چھوڑی تاہم انہوں نے رصدگاہ کی تعمیر کے لئے بادشاہ سے مدد مانگی تھی جو جنگی مہمات کے پیش نظر مہیا نہ کی جاسکی اور رصدگاہ نہ بنائی جاسکی۔

وفات :-

ملا موصوف نے ۹ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء کو جوہنپور میں وفات پائی۔ اُن کے استاد مولانا محمد افضل بواس قدر صدر جو کہ وہ بھی گھل گھل کر چالیس ریم کے اندر انتقال کر گئے۔ کسی نے اس مصرع سے دونوں کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

ز محمود و افضل بگو آہ آہ

تصنیفات :-

۱۔ اشمن البازع (فلسفہ)، تالیف ۱۰۴۲ھ

یہ کتاب درحقیقت ملا موصوف کی اپنی کتاب "الحکمت البالغہ" کی شرح ہے۔ پہلے وہ متن پیش کرتے ہیں۔ آغاز "قلت" (میں نے کہا) سے کرتے ہیں اور پھر "اقول" (میں کہتا ہوں) سے اس کی تشریح کرتے ہیں۔ تاخرین نے اس کے کئی حواشی لکھے ہیں۔

۲۔ فرائد فی شرح القوائد (معانی و بلاغت)

کتاب کا سن تالیف لفظ "بلغ" سے برآمد ہوتا ہے یعنی ۱۰۴۲ھ / ۳۳-۱۶۳۲

"فرائد" معانی و بیان کی مشہور کتاب فوائد غیاثیہ کی شرح ہے۔

۳۔ اقسام زبان پر ایک چہار ورقی رسالہ بزبان فارسی

۴۔ رسالہ حرز ایمان۔

یہ رسالہ شیخ عبد اللہ آبادی (م ۱۰۵۸/۱۹۴۸ء) کے رسالہ تسویہ کے رو میں
لکھا گیا ہے۔
۵۔ تحقیق القبض۔

اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر کے کتب خانہ
میں موجود ہے۔

۶۔ دیوان فارسی۔

نمونہ کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔

مسلم بن حجاج

مسلم بن حجاج بن ورد بن کرشاد کا لقب عساکر الدین اور کنیت ابوالحسین ہے وہ عرب کے مشہور قبیلہ بنو قشیر سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے قشیری کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ امام مسلم کی تاریخ ولادت میں مختلف اقوال ہیں۔ ۲۰۲ھ، ۲۰۴ھ اور ۲۰۶ھ سال ولادت بتایا گیا ہے۔ آخری قول ابن خلکان کا ہے۔ ان کا وطن مالوت نیشاپور ہے۔ علامہ ذہبی کے بیان کے مطابق انہوں نے ۲۱۸ھ میں حدیث کی سماعت شروع کی تھی۔ انہوں نے نیشاپور میں اسحاق بن راہویہ اور امام محمد بن یحییٰ ذہلی سے سماعت کی۔ سماعت حدیث کے لئے عراق، حجاز، شام اور مصر کے بکثرت سفر کئے۔ بغداد متعدد بار جانا ہوا۔ آخری سفر بغداد ۲۵۹ھ میں کیا۔ راستے میں محمد بن مہران اور ابو عثمان سے استفادہ کیا۔ عراق میں احمد بن حنبل اور عبداللہ بن مسلم، حجاز میں سعید بن منصور اور ابو مصعب، مصر میں عمرو بن سواد اور حرملہ بن یحییٰ سے سماعت کی۔ ان کے علاوہ امام محمد بن اسماعیل بخاری، احمد بن یونس، عون بن سلام ان کے شیوخ میں سے ہیں۔ امام مسلم نہایت پاکیزہ نحو اور انصاف پسند تھے۔ نیشاپور میں جب امام بخاری کے خلاف امام ذہلی نے فتویٰ دینا شروع کیا تو امام ذہلی سے حلیمگی اختیار کر لی۔

وفات:-

امام مسلم کی وفات کا تقہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ خصوصاً اس سے امام صاحب

کی علی شیفنگی اور ہنماک کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ ایک حدیث تلاش کر رہے تھے۔ اس دوران میں کھجوریں کھانے لگے۔ حدیث تو مل گئی مگر کھجوریں بہت زیادہ کھا جانے سے موت واقع ہو گئی۔ علم حدیث کا یہ آفتاب ۲۵ رجب ۲۶۱ھ / ۵ مئی ۸۷۴ء کو نیشاپور میں غروب ہوا۔ نیشاپور شہر سے باہر نصیر آباد اُن کا مدفن ہے۔
تلامذہ :-

امام مسلم کے چند معروف تلامذہ یہ ہیں۔

- ۱۔ امام ترمذی صاحب الجامع
- ۲۔ محمد بن مخلد
- ۳۔ محمد بن اسحاق بن السراج
- ۴۔ محمد بن اسحاق بن خزیمہ۔
- ۵۔ یعقوب بن اسحاق اسفرائینی۔
- ۶۔ ابوالاسیم بن محمد بن سفیان الثقفی الزاہد۔

تصنیفات :-

امام مسلم سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں۔

- ۱۔ الصحیح المسلم۔
- ۲۔ کتاب الاسماء والکنی۔
- ۳۔ کتاب التیمیز۔
- ۴۔ کتاب الافراد۔
- ۵۔ کتاب سوالات احمد بن حنبل۔
- ۶۔ کتاب الانتفاع۔
- ۷۔ کتاب مشائخ الثوری۔
- ۸۔ کتاب من لیس له الاراد واحد۔
- ۹۔ کتاب اولاد الصحابة۔
- ۱۰۔ کتاب الطبقات۔
- ۱۱۔ المسند الکبیر۔
- ۱۲۔ کتاب العلیل۔
- ۱۳۔ کتاب الوحدان۔
- ۱۴۔ کتاب الاقران۔
- ۱۵۔ کتاب حدیث عمر بن شعبہ۔
- ۱۶۔ کتاب مشائخ مالک۔
- ۱۷۔ کتاب مشائخ شعبہ۔
- ۱۸۔ کتاب المخضرمین۔
- ۱۹۔ کتاب اوہام المحدثین۔
- ۲۰۔ کتاب افراد الشامیین۔

شرح صحیح مسلم :-

امام مسلم نے ۲۵۷ھ میں صحیح مسلم کی تکمیل کی۔ کثرت سے اس پر حواشی اور شرحیں لکھی گئی ہیں۔ کئی حضرات نے اختصارات تیار کئے اور ان اختصارات کی بھی شرحیں لکھی گئیں۔ چند اہم شرح یہ ہیں۔

- ۱۔ المنہاج فی شرح ایض الصحیح المسلم بن الحجاج۔ امام نووی (م ۵۶۷۶ھ)
 - ۲۔ مختصر شرح نووی۔ شیخ شمس الدین محمد بن یوسف القونوی (م ۵۷۸۸ھ)
 - ۳۔ اکمال المعلم فی شرح مسلم۔ قاضی عیاض مالکی (م ۵۵۲۴ھ)
 - ۴۔ المعلم بقوائد کتاب مسلم۔ ابو عبد اللہ محمد بن علی المازری (م ۵۵۳۹ھ)
 - ۵۔ المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم۔ ابو العباس قرطبی (م ۵۶۵۶ھ)
 - ۶۔ اکمال العلم۔ ابو عبد اللہ محمد بن خلیفہ مالکی (م ۵۸۲۷ھ)
 - ۷۔ المفہم فی شرح غریب مسلم۔ صحیح مسلم کے الفاظ غریبہ کی تشریح و توضیح ہے۔ عبدالقادر بن اسماعیل فارسی (م ۵۵۲۹ھ)
 - ۸۔ شرح صحیح مسلم۔ عماد الدین عبدالرحمان بن عبدالعلی مصری۔
 - ۹۔ شرح صحیح مسلم۔ ابو الفرج عیسیٰ بن مسعود (م ۵۷۴۴ھ)
 - ۱۰۔ الادیباج علی صحیح المسلم بن حجاج۔ جلال الدین سیوطی (م ۵۹۱۱ھ)
 - ۱۱۔ وحشی الادیباج۔ سیوطی کی شرح کی تلخیص ہے جو علامہ مجموعی (م ۱۲۹۸ھ) نے کی۔
 - ۱۲۔ شرح صحیح مسلم۔ اسماعیل بن محمد اللصاری (م ۵۵۳۵ھ)
 - ۱۳۔ شرح صحیح مسلم۔ شیخ تقی الدین ابوبکر محمد الحنفی (م ۵۸۲۹ھ)
 - ۱۴۔ منہاج الابتهاج۔ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب قسطلانی الشافعی (م ۹۲۳ھ)
- صرف نصف حصہ لکھا جا سکا۔
- ۱۵۔ شرح صحیح مسلم۔ ملا علی قاری :-

۱۶۔ شرح صحیح مسلم۔ علامہ عقیقت الدین گاندوئی (م ۱۵۵۸ھ)

۱۷۔ بغیۃ المسلم۔ شیخ سلیمان آفندی۔

۱۸۔ المطر الشجاع۔ ولی اللہ فرخ آبادی۔ فارسی زبان میں شرح ہے۔

۱۹۔ فتح العلم۔ شبیر احمد عثمانی دیوبندی۔

متذکرۃ الصدر شروح کے علاوہ اختصارات کی شرحیں الگ ہیں۔ علامہ منذی (م

۱۵۵۶ھ) نے اختصار کیا جس کی چند شرحیں یہ ہیں۔

۱۔ شرح مختصر صحیح مسلم۔ عثمان بن عبد الملک اکرومی (م ۱۵۳۷ھ)

۲۔ شرح مختصر صحیح مسلم۔ محمد بن احمد السنوی (م ۱۵۶۸ھ)

۳۔ السراج الوباج۔ نواب صدیق حسن خان۔

موسیٰ پاشا رومی

موسیٰ پاشا بن محمد بن قاضی محمود رومی کا لقب صلاح الدین اور عرف قاضی زادہ ہے۔ اُن کے والد بروہ (روم) میں قاضی تھے۔ وہیں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کی غرض سے خراسان اور ماورالنہر کا رخ کیا کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کو خبر کئے بغیر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ کسی طرح بہن نے سن گئی پالی اور اپنے زیورات اُن کی کتابوں میں رکھ دیئے تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں چنانچہ انہوں نے خراسان اور ماورالنہر کے علماء سے اکتسابِ علم کیا۔

۱۲۰۸ھ - ۹/۵۸۱۱ھ میں شیراز میں تھے۔ ۱۳/۵۸۱۵ھ - ۱۲۱۲ھ میں سمرقند کے بادشاہ الغ بیگ (م ۳۲/۵۸۲۵ھ - ۱۲۳۱ھ) بن شاہرخ بن تیمور کے دربار سے منسلک ہوئے اور بادشاہ کی فرمائش پر رصد گاہ کی تعمیر شروع کی لیکن رصد گاہ کی تکمیل سے پہلے فوت ہو گئے۔

سال وفات کے بارے میں کوئی حتمی رائے نہیں ہے۔ قیاس ہے کہ ۱۲۲۳ھ

۱۲۲۰ھ اور ۱۲۲۱ھ - ۳۸/۵۸۲۱ھ کے درمیان فوت ہوئے۔

قاضی زادہ سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:-

۱۔ شرح چمنی - چمنین، بخارا کے نواح میں ایک قریہ ہے جہاں کے علامہ محمود بن محمد

نے علم ہیئت میں ایک اہم کتاب "الملخص فی الہیت البسیطہ" لکھی۔ یہ کتاب ۱۲۰۴ھ

۱۲۰۴ھ - ۵۔ ۱۲۰۴ھ میں لکھی گئی تھی۔ مولف نے اس کا سال "تالیف" "ارخو" یا "خوا" سے

نکالا ہے۔

قاضی زادہ نے ۱۳/۵۸۱۵-۱۴۱۲ء میں "الملخص" کی شرح لکھی اور اُلغ بیگ کے نام معنون کی۔

۲۔ شرح اشکال التاسیس (ہندسہ) ۵۸۱۵ء میں سمرقند میں مکمل ہوئی۔

۳۔ شرح التذکرہ (فلیکیات)

۴۔ حاشیہ شرح الہدایت الحکمت۔



نصیر الدین طوسی

طوس صوبہ خراسان (ایران) کا ایک قدیم شہر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد حبشہ پیش دادی نے رکھی تھی۔ زمانے کے انقلاب نے کئی بار طوس کو اجاڑا اور بسایا۔ کیانی دورِ سلطنت میں طوس تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ ایران کی حکومت کجسرو کے ہاتھ میں آئی تو اس کے نامور سپہ سالار طوس بن نوذر بن منوچہر نے از سر نو آباد کیا۔

حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں ۲۹ھ / ۶۴۹ء میں یہاں اسلامی پرچم لہرایا۔ طوس کی شان و شوکت عباسی دورِ حکومت میں عروج پر تھی۔ طوس میں حمید بن قحطیبہ کا ایک مربع میل میں پھیلا ہوا وہ عظیم الشان محل تھا جس کے باغ میں امام علی رضا اور ہارون الرشید کے مزار تھے۔ ابن خردادبہ (م ۳۰۰ھ) کی روایت کے مطابق طوس کا سالانہ خراج ستالیس ہزار آٹھ سو ساٹھ درہم یعنی ۱۱۹۴۵ روپے تھا

شاہانِ عجم کے زیرِ نگیں طوس کی کوئی علمی و ثقافتی اہمیت نہ تھی مگر اسلامی دورِ اقتدار میں طوس کی قسمت جاگ اٹھی۔ نظام الملک طوسی جیسا مدبر اس کی پیشانی کا بھومرن کر چکا۔ فردوسی طوس کی ایک زامی بستی میں پیدا ہوا۔ امام غزالی ضلع طوس کے ایک گاؤں میں متولد ہوئے اور محقق نصیر الدین کو بھی اس خاک سے نسبت ہے۔

عباسی عہد کا نہایت بارونق شہر آج کھنڈروں کی صورت میں دعوتِ غور و فکر سے رہا ہے۔ طوس کے کھنڈروں میں پانچ سو افراد کی آبادی کا ایک گاؤں "سجادریہ" ہے جس نے قدیم طوس کو کامل تباہی سے بچا رکھا ہے اور دنیا بھر کے سیاح اور فارسی ادب کے مہاجر فردوسی کے مزار پر حاضر ہونے کی خاطر ان کھنڈروں میں پہنچ جاتے ہیں۔

ولادت / خاندان :-

نصیر الدین طوسی ۱۱ جمادی الاولیٰ ۵۹۷ھ / ۱۸ فروری ۱۲۰۱ء کو طوس میں پیدا ہوا۔
ابو عبد اللہ کنیت، محمد نام اور نصیر الدین لقب تھا۔ والد کا نام بھی محمد اور دادا کا حسن تھا۔
سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابو عبد اللہ نصیر الدین محمد بن محمد بن حسن بن ابو بکر۔

نظامی بایونی نے امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ) کو خواجہ نصیر الدین طوسی کا والد الظاہر
کیا ہے۔ نہیں کہا جاسکتا نظامی بایونی کو یہ مغالطہ کیوں کر ہوا۔ امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ)
اور خواجہ نصیر الدین کے درمیان سرے سے کوئی نسلی رشتہ نہیں ہے۔

تعلیم :-

علوم شرعی کی تعلیم خواجہ نے اپنے والد محمد بن حسن سے حاصل کی۔ ان کے
بعد ابوالسعادات الاصہبانی کے سامنے زانہ سے تلمذ ہتہ کیا۔ معقولات کی تعلیم فرید الدین گیلانی
سے پائی۔ جن کے ذریعے ان کا سلسلہ تلمذ شیخ ابو علی سینا تک پہنچتا ہے۔

کمال الدین بن یونس الموصلی اور معین الدین سالم بن بدران مصری معتزلی بھی ان
کے اساتذہ میں سے ہیں۔

خواجہ نصیر الدین آغاز شباب میں نیشاپور چلے گئے تھے جہاں انہیں سراج الدین
قمری کے حلقہ درس میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ نیشاپور، دنیائے اسلام کا
علمی و فکری مرکز تھا۔ علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) نیشاپور کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

”نیشاپور کی علمی حالت یہ تھی کہ اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ جو

تعمیر ہوا، یہیں ہوا جس کا نام مدرسہ بیہقیہ تھا۔ امام الحرمین (امام غزالی
کے استاد) نے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی۔ عام شہرت ہے کہ دنیائے

اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ بغداد کا نظامیہ تھا۔ چنانچہ ابن خلدان نے بھی یہی عمومی کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فخر بغداد کے بجائے نیشاپور کو حاصل ہے۔ بغداد کا نظامیہ ابھی وجود میں نہیں آیا تھا کہ نیشاپور میں بڑے بڑے دارالعلوم قائم ہو چکے تھے۔ ایک وہی بیہیتہ جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔ دوسرا سعدیہ، تیسرا نصیریہ جس کو سلطان محمود کے بھائی نصر بن بکتگین نے قائم کیا تھا۔ ان کے سوا اور بھی مدرسے تھے جن کا سرتاج نظامیہ نیشاپور تھا۔

نصیر الدین نے نیشاپور کے علمی ماحول سے بھرپور استفادہ کیا اور علوم مروجہ میں کمال حاصل کیا۔

اسماعیلیوں کی قید میں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد بلادِ خراسان میں مغلوں کی چیرہ دستیوں کے پیش نظر راجہ نصیر الدین، ناصر الدین محتشم کے بلانے پر قہستان چلا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسماعیلیوں کے یہاں کچھ مذاہبوں کو مامور کیا تھا کہ وہ خواجه کو نیشاپور سے اغوا کر کے قلعہ الموت سے آئیں۔ چنانچہ مذاہبوں نے خواجه کو ڈرا دھمکا کر الموت آنے پر مجبور کر دیا۔ خواجه عرصہ تک ناصر الدین کے پاس قہستان میں رہا۔ اس کے ایام پر اخلاق ناصری لکھ کر اس کے نام معنون کی۔ اخلاق ناصری کے علاوہ اسی کے ایام پر عین القضاة ہمدانی کی زبدۃ الحقائق کا ترجمہ کیا اور اس کے مشکل مقامات کی شرح بھی لکھی۔

قہستان میں خواجه نہایت آرام و اطمینان کی زندگی گزار رہے تھے لیکن اسماعیلیوں کا کردار انہیں پسند نہ تھا۔ انہوں نے ۶۴۰ھ میں خلیفہ مستقیم باللہ عباسی کی مدد میں تصدیہ

لکھا۔ اور ایک خط کے ساتھ بلند بھیج دیا۔ یہ خط اور قصیدہ ابن العلقمی کے ذریعہ خلیفہ کے حضور پیش ہونا تھا جو اس وقت وزارت کے منصب پر فائز تھا۔ یہ خط کسی طرح ناصر الدین محتشم کے جاسوسوں نے اڑا لیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابن العلقمی نے عسوس کیا کہ اگر نصیر الدین کو خلیفہ نے بلایا تو وہ خلیفہ کے مزاج میں دخیل ہو جائیں گے اور مجھے معزول کر کے خود وزیر بن جائیں گے لہذا اس نے قصیدے کی پشت پر یہ الفاظ لکھ کر ناصر الدین محتشم کے پاس بھیج دیا۔

«مولانا نصیر الدین خلیفہ روئے زمین آغازِ مکاتبت و مراسلات فرمودہ۔ این اندیشہ غافل نباید بود و این امر بزرگ را خورد نتوان شمرد»

بہر حال قصیدہ، ناصر الدین محتشم کو ملا اور اس نے ماراض ہو کر خواجہ کو حوالہ زنداں کر دیا اور پھر اپنے ساتھ الموت لے گیا۔ جہاں بادشاہ علاء الدین خورشاہ نے انہیں قلعہ میون ڈژ میں محبوس رکھا۔

خواجہ نے قید و بند میں کھنٹے پڑھنے کا شغل جاری رکھا۔ باطنیوں کے کتب خانے سے خوب خوب استفادہ کیا اور چند کتابیں یہیں مرتب کیں۔

۶۵۵ء میں قید و بند کا زمانہ ختم ہوا کیوں کہ اسی سال ہلاکو خان نے ممالک عربی پر یٹنار کی اور یکے بعد دیگرے اسماعیلیوں کے شہروں پر قبضہ کر لیا اور قلعہ الموت کا قلعہ قمع کر دیا۔ باطنیوں کا سربراہ رکن الدین خورشاہ تھا جس نے خواجہ کے بھانے بھانے پر ہلاکو خان کی اطاعت قبول کرنی ہلاکو کی معیت میں۔

ہلاکو، خواجہ نصیر الدین کے فضل و کمال سے اس قدر متاثر ہوا کہ اُن کو مالکِ محرومہ کے تمام اوقات کا متولی بنا دیا۔ انہوں نے اپنی طرف سے تمام شہروں میں نائب مقرر کر دیئے جو اوقات کی آمدنی کا کچھ حصہ مقامی ضرورتوں کے لئے رکھ کر باقی رقم ہلاکو کے پاس بھیج دیتے تھے۔

ہلاکو نے خواجہ نصیر الدین ہی کی ترغیب پر بغداد پر حملہ کیا اور عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ عملاً انھیں وزیر کا سا اقتدار حاصل تھا اور وہ ہلاکو کے مزاج پر اس درجہ حادی تھے کہ وہ اُن کی رائے کے بغیر کوئی بڑا کام نہ کرتا تھا۔

ایک بار ہلاکو نے ایک عہدے دار کے قتل کا حکم دیا۔ اس کے اجاب رفقہ دوڑے ہوئے خواجہ کے پاس آئے کہ اس کی جان بخشی کرائی جائے۔ خواجہ نے ہاتھ میں عصا، تسبیح اور اضطرلاب لیا اور خواجہ کے پیچھے پیچھے کچھ لوگ عود و لوبان سلگاتے ہوئے چلے، اس بیت کذائی میں جب یہ لوگ ہلاکو کے نیچے کے پاس پہنچے تو عود و لوبان اور بھی زیادہ جلانے لگے۔ خواجہ بار بار اضطرلاب کو دیکھنے لگے۔ ہلاکو کو خبر ہوئی اور اس نے خواجہ کو اندر بلا لیا۔ اور اس طرح آنے کا سبب دریافت کیا۔

خواجہ نے ایک من گھڑت افسانہ شروع کیا کہ علم نجوم سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت آپ پر ایک بڑی مصیبت آنے والی ہے اس لئے میں نے لوبان و عود جلایا اور دعائیں مانگیں کہ خداوند اس مصیبت کو دور کر دے۔ اس سلسلہ میں میرا مشورہ ہے کہ تمام سلطنت میں اس نوعیت کا فرمان جاری کر دیا جائے کہ جو لوگ قید میں ہیں وہ رہا کر دیئے جائیں گے۔ جو لوگ مجرم ہیں انہیں معاف کر دیا جائے گا اور جن لوگوں کے قتل کا اعلان ہو چکا ہے ان کی جان بخشی کی جائے گی۔

ہلاکو خواجہ کے بیان کردہ افسانے اور تجویز سے متاثر ہوا اور فوراً خواجہ کے حسبِ خواہش فرمان جاری کر دیا اس طرح وہ معزز عہدے دار قتل ہونے سے بچ گیا۔

مراغہ کی رصدگاہ :-

فتح بغداد کے بعد خواجہ طوسی نے ہلاکو کو رصدگاہ قائم کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ ۱۱۷۱-۷۲/۵۵۶۷ء میں مراغہ (تبریز) میں ایک عظیم الشان رصدگاہ قائم کی گئی جو دنیا کی اہم رصدگاہوں میں شمار ہوتی ہے۔

مذہب :-

خواجہ طوسی مذہباً اشاعری تھے اور اپنے افکار کی تبلیغ و اشاعت میں بہت سرگرم تھے۔

تصنیفات :-

خواجہ نصیر الدین طوسی کو مروجہ علوم پر بھارت حاصل تھی۔ بہت کم ایسے باکمال پیدا ہوئے ہیں جو طوسی جیسی جامعیت کے حامل ہوں۔ چودہ سو سالہ اسلامی ثقافت نے بے شمار باکمال پیدا کئے ہیں لیکن محقق کا خطاب صرف دو ہی باکمالوں کو حاصل ہوا ہے پہلے محقق طوسی کو اور پھر محقق روانی کو۔ ان کا مطالعہ وسیع اور کتب خانہ بے نظیر تھا۔ ان کے کتب خانہ میں چار لاکھ کے لگ بھگ کتابیں تھیں۔ پروفیسر براؤن لکھتا ہے۔

5. "Mongol Army which Destroyed Baghdad.

He Profited by the plunder of many Libraries to Rich his own, which Finally came to comprise According to Ibn Shakir more than 4,00,000 Volumes."

براؤن خواجہ کی تصنیفی صلاحیت پر رائے دیتا ہے۔

“He was the Most Productive Writer on Religious, Philosophical, Mathematical Physical and Astronomical Subjects.”

خواجہ نے عربی اور فارسی میں تصنیف و تالیف کی ہے۔ براؤن نے ۵۶ کتابیں

بتائی ہیں۔ اہم تصنیفات یہ ہیں:-

فلسفہ و منطق:-

۱۔ شرح کتاب الاشارات والتنبیہات۔

کتاب الاشارات (شیخ بوعلی سینا) فلسفہ کے اہم متون میں سے ہے۔ امام فخر الدین رازی (م ۷۰۶ھ) نے اس کی شرح لکھی تھی اور ابن سینا کے نظام فکر کے پرچھے اڑادئے تھے۔ خواجہ طوسی نے امام رازی کے اعتراضات کا جواب دیا۔ امام رازی کو تعصب اور تنگ نظری کا شکار گردانا ہے۔ حالانکہ امام رازی، خواجہ کے استاد فرید الدین داماد نیشاپوری کے شاگرد تھے۔

”شرح اشارات“ کے بارے میں مولانا عبدالسلام ندوی کہتے ہیں:-

”اس (شرح) میں اس (خواجہ) کی کوئی چیز طبعاً اور نہیں ہے اس سے پہلے

علامہ سیف الدین آمدی نے ”کشف التمیہات عن الاشارات والتنبیہات“

کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں امام رازی کے اعتراضات

کے جوابات دیئے گئے تھے۔ محقق طوسی نے اس کتاب اور امام رازی

کی شرح اشارات کے مباحث کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور اس میں

کوئی معتدبہ اضافہ نہیں کیا؟

۲۔ نقد المحصل

امام رازی کی مشہور کتاب "محصل افکار المتقربین والمتأخرین" کا جواب ہے۔

۳۔ تجرید المنطق۔

۴۔ اساس الاقتباس۔

۵۔ رسالہ رد تحقیق نفس الامر۔

۶۔ رسالہ رد تحقیق ماہیت علم۔

۷۔ رسالہ الی بنم الدین الکاظمی فی اثبات واجب الوجوب

۸۔ اثبات عقل فعال

۹۔ بقاء النفس بعد بوار الجسد

۱۰۔ اخلاق ناصری

ارسطو کی اخلاقیات کے ترجمہ اور شرحوں کے علاوہ حکمائے اسلام نے اخلاق

کے موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور ابن مسکویہ

(۱۰۳۰ء) کی تہذیب الاخلاق ہے۔ اخلاق ناصری کی یہی اصل ہے۔ اخلاق ناصری فارسی کے

ادبیات عالیہ میں شمار ہوتی ہے۔

ریاضی :-

۱۔ جامع الحساب بالتحنت والتراب

۲۔ رسالہ فی الجبر والمقابلہ

۳۔ تحریر اصول اقلیدس

۴۔ الرسالۃ الشافیہ

۵۔ تحریر المخروطات

ان کے علاوہ ریاضی کے تقریباً سولہ رسالے ہیں جن میں سے بارہ کی فہرست

جناب شبیر احمد خان غوری نے دی ہے۔

ہیت :-

۲- تذکرہ درہیت

۱- تحریر المجلدی

۳- رسالہ ہیت باب (اصطلاح کے استعمال سے متعلق ہے)

۴- زیچ المغانی۔

رصد گاہ مراغہ میں طوسی اور ان کے رنقائے کار نے بارہ سال کام کیا اور اپنی عرصہ کے مشاہدات کا نتیجہ "زیچ المغانی" کی شکل میں نمودار ہوا۔ المغانی - ہلاکو کا نام تھا اور اسی کے نام پر یہ زیچ ہے۔

ان کے علاوہ بھی ہیت میں ان سے کتابیں یادگار ہیں۔

وفات :-

خواجه نے ذی الحجہ ۷۶۷ھ / جون ۱۲۷۴ء میں وفات پائی اور مشہد میں دفن ہوئے جنازہ میں اکابر و اعیان نے شرکت کی۔



ولی الدین عراقی

ولی الدین عراقی آٹھویں صدی ہجری کے معروف عالم دین تھے۔ اُن کا نام محمد اور والد کا نام عبداللہ تھا۔ اُن کے تفصیلی حالات تذکرہ نگاروں نے نہیں لکھے۔ اُن کی شہرت کا دارومدار "شکوٰۃ المصابیح" ہے۔

ابو محمد حسین بن مسعود فرما ۶ بنوی رم ۵۱۴ھ نے صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابوں سے ایک انتخاب "مصابیح" کے نام سے تیار کیا۔ اس میں چار ہزار چار سو چوبیس احادیث تھیں جن میں سے دو ہزار چار سو چوبیس صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لی گئی تھیں "مصابیح" میں بہت سی احادیث ایسی بھی تھیں جن کے رواۃ اور الفاظ حدیث میں کوئی فرق نہ تھا۔

۱۳۳۶/۵۷۳۷ء میں شیخ ولی الدین نے "مصابیح" کی نئے سرے سے ترتیب و تدوین کی اور "شکوٰۃ المصابیح" نام رکھا۔ شکوٰۃ کو بہت جلد حلقہ محمدین میں قبولیت حاصل ہو گئی جس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ قارئین حدیث کو ایک ہی کتاب میں منگلی کے تمام معاملات کے لئے احادیث مل جاتی ہیں۔

شکوٰۃ المصابیح کے مختلف زبانوں میں کئی ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی

شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم بن وجیہ الدین ۴ شوال ۱۱۱۴ھ / ۲۱ فروری ۱۷۰۲ء کو اپنی نخیال قصبہ پھلت ضلع مظفرنگر میں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت عمرؓ اور والدہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظمؑ تک پہنچتا ہے اُن کے بزرگ شیخ شمس الدین مفتی اسلامی حکومت کے آغاز میں برصغیر آئے اور رہتک کے مقام پر سکونت پذیر ہوئے۔ پہلے یہ خاندان علم و فضل میں ممتاز تھا لیکن بعد میں خاندان کے اکثر افراد نے پاسبانہ زندگی اختیار کر لی۔

شاہ ولی اللہ کے دادا شیخ وجیہ الدین صاحب السیف و القلم تھے چنانچہ شاہ عبدالرحیم نے قرآن مجید اُن ہی سے پڑھا تھا۔ لیکن شیخ وجیہ الدین کی شہرت ایک تیغ آزما کی حیثیت سے ہے۔ وہ اورنگ زیب عالمگیر کے لشکر میں سردار تھے اور جب کجھوہ کے مقام پر اورنگ زیب اور شجاع کے درمیان معرکہ ہوا تو اورنگ زیب کے اُن چند باہمت اور وفادار سرداروں میں سے تھے جو لشکر کے تتر بتر ہوجانے کے باوجود ثابت قدم رہے تھے۔

شاہ صاحب کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم بلند پایہ عالم اور صاحب فہم صوفی تھے۔ شاہ ولی اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی۔ دس سال کی عمر میں وہ فراتہ الضیائیہ (شرح جامی) پڑھتے تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں تفسیر بیضاوی کا ایک جزو پڑھ کر فراغت حاصل کی اس سال اپنے والد ماجد سے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ عمر کا ستر ہوا سال تھا کہ شاہ عبدالرحیم ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء کو فوت ہوئے

اُن کی مسند تدریس کو رونق بخشی اور تقریباً بارہ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔
 ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۱ء کے آخر میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے اگرچہ ہندوستان میں
 کتب حدیث کی سند مولانا محمد افضل سیالکوٹی سے حاصل کی تھی تاہم مکہ معظمہ اور مدینہ
 منورہ کے دوران قیام میں شیخ ابوظہر مدنی سے استفادہ کیا اور اجازت حدیث
 حاصل کی۔ رجب ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲ء میں بحرین و وطن واپس آئے۔

مراجعت وطن سے اُخر دم تک تقریباً تہائی صدی مسلمانوں کی دینی و سیاسی اہتر
 حالت کو بہتر بنانے کے لئے کوشاں رہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے جس زمانہ میں اُنھیں کھولی تھیں مغل سلطنت کا تناور
 درخت زمین بوس ہو رہا تھا۔ طوائف الملوک عام تھی۔ ایٹ اڈیا گچینی سیاسی قوت
 بن رہی تھی۔ دینی لحاظ سے جاہل پیروں اور مکار صوفیوں نے بدعات و خرافات کا
 بازار گرم کر رکھا تھا۔ ان حالات میں شاہ صاحب نے امت مسلمہ کی اصلاح کی بھرپور
 کوشش کی۔

شاہ صاحب ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء کو فوت ہوئے اور وہلی کے مہندیوں کے
 قبرستان میں دفنائے گئے۔ اُن کے صاحبزادوں نے اصلاحی مشن کو جاری رکھا اور
 اصلاح امت کا اہم فریضہ انجام دیا۔

تصنیفات

شاہ ولی اللہ سے حسب ذیل کتابیں یادگار ہیں:

قرآن

۲۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

۱۔ فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن

۳- فتح النخبیر

۴- مقدمہ در فن ترجمہ قرآن۔

۵- تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء

حدیث :-

- ۶- الموسویٰ انشرح موطا (عربی) ۷- المصطفیٰ شرح موطا (فارسی)
۸- اربعون حدیثاً ۹- الدر الثمین فی بشرات النبی الامین
۱۰- النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخرہ
۱۱- افضل المبین ۱۲- الارشاد الی مہمات علم الالسادہ
۱۳- تراجم ابواب بخاری ۱۴- شرح تراجم بعض ابواب بخاری۔
۱۵- الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔

فقہ وکلام وعقائد :-

- ۱۶- حجۃ اللہ البالغہ ۱۷- البدور البازغہ
۱۸- الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ۱۹- عقد الجیدی فی احکام الاجتهاد والتقلید
۲۰- السر المكتوم فی اسباب تدوین العلوم ۲۱- قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین
۲۲- المقالہ الرضیہ فی النیعمۃ والوصیۃ ۲۳- حسن العقیدہ۔

- ۲۴- المقدمۃ السنیہ ۲۵- فتح الودود
۲۶- رسالہ عقائد ۲۷- مسلمات

نصوٹ :-

- ۲۸- التقنیات الالبیہ ۲۹- فیوض الحرمین
۳۰- القول الجمیل ۳۱- ہمعات
۳۲- سطعات ۳۳- لمحات

۳۵۔ ہوامع (شرح حزب البحر)

۳۶۔ شفا القلوب

۳۲۔ الطاف القدس

۳۷۔ الخیر الكثير

۳۸۔ کشف العینین فی شرح الرباعیتین

۳۹۔ فیصلہ وحدت الوجود والشہود

۳۹۔ زہراوین

سیر و سوانح :-

۴۰۔ ازالۃ الحقائق عن خلافت المخلقاء

۴۱۔ سرور المخرورن

۴۲۔ ۴۹۔ انفاس العارفين (یہ کتاب سات مختلف رسائل کا مجموعہ ہے۔ رسائل

یہیں۔ بوارق الولايت، شوارق المعرفت، امداد فی آثار الاجلاد ونبذہ الابریزہ فی اللطیفۃ العزیزہ

اللطیفۃ الصمدیہ فی الانفاس المحمدیہ، النسان العین فی مشائخ الحرمین، جزواللطیف فی ترجمۃ

العبد الضعیف)

مکتوبات :-

۵۱۔ مکتوب المعارف مع ضمیمہ مکتوب ثلاثہ

۵۰۔ مکتوبات

۵۲۔ مکتوبات فارسی (شمولہ کلمات طیبہ) ۵۳۔ مکتوبات (شمولہ حیات ولی)

۵۴۔ مکتوبات (شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات۔ مرتبہ خلیق احمد نظامی)

نظم :-

۵۵۔ قصیدہ الطیب النعم فی مدح سید العرب والعمم

۵۶۔ دیوان اشعار عربی رحبے شاہ عبدالعزیز دہلوی نے جمع کیا اور شاہ رفیع الدین نے

مرتب کیا)

۵۷۔ صرف میر (منظوم۔ فارسی)

متفرق :- ۵۸۔ رسالہ دانش مندی۔

یوسف بن ابی بکر (سکاکی)

سراج الدین ابو بکر یوسف بن ابی بکر بن محمد المعروف بہ سکاکی ۲ جمادی الاولیٰ ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء کو خوارزم میں پیدا ہوئے۔ تذکروں میں "سکاکی" عرب کی مختلف وجوہ ملتی ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ شہر "سکاکی" کی طرف نسبت ہے جو نیشاپور (ایران) عراق یامین میں واقع ہے۔ یہ رائے رکھنے والے "سکاکی" کے محل وقوع کے بارے کوئی حتمی رائے نہیں رکھتے۔ نیز سکاکی خوارزم کا رہنے والا تھا۔ اس لئے "سکاکی" کی صفت نسبتی کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔

دوسری رائے ہے کہ سکاکی کے جد امجد "ابن سکاکی" تھے اور سکاکی خاندانی نام ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ سکاکی دھات کا کام کرتا تھا اور چاقو چھریاں بناتا تھا اور اس پیشے کی نسبت سے سکاکی مشہور ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن سکاکی نے ایک قلمدان تیار کیا جو نفاست اور مہارت فن کے اعتبار سے بے نظیر تھا۔ اس نے یہ قلمدان ملک کے حکمران کو تحفہ دیا اور شاہی انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ اس کی موجودگی میں ایک اجنبی دربار میں باریاب ہوا۔ جس کا تذکرہ و اعتراف سے استقبال کیا گیا۔ اس نے نووارد کا اکرام و تعظیم دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کون شخص تھا؟ اس پر معلوم ہوا کہ اجنبی ایک "عالم" ہے۔ سکاکی نے محسوس کیا کہ کسی فن میں مہارت حاصل کرنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ علم کی تحصیل کی جائے چنانچہ کافی بڑی عمر میں پڑھنے لگے۔

سکاکی نے مختلف علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہر کیا، اس کے تمام اساتذہ کے نام اور اوراقِ تاریخ میں محفوظ نہیں۔ فقہ کی تعلیم انھوں نے سدید الخانتی اور محمد بن صالح بن محمد ہراتی سے حاصل کی۔ سکاکی حنفی المسلک تھا۔

۶۲۶ھ / ۲۹-۱۲۲۸ء میں صوبہ فرغانہ میں قصبہ المایغ کے قریب کے گاؤں میں

فوت ہوئے جو مشہور فیلسوف الکندی کا مولد ہے

تصنیف و تالیف :-

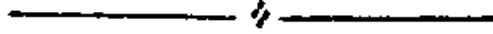
سکاکی ترکی زبان کا شاعر تھا اور اس کا کلام محفوظ ہے مگر اس کی شہرت کا دار و مدار "مفتاح العلوم" پر ہے جو اہل علم کی رائے میں علم معانی کے موضوع پر لکھی گئی جملہ کتابوں میں جامع ترین ہے "مفتاح العلوم" دو بار طبع ہو چکی ہے مکمل مخطوطات بہت کم ملتے ہیں۔

کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔ علم الصرف، علم النحو، اور علم البیان والمعانی کتاب میں مہنوعات کا حق ادا کیا گیا ہے مگر ترتیب اس قدر غلط ہے کہ "مفتاح العلوم" طلبہ میں مقبول نہ ہو سکی۔ اس کے علاوہ سکاکی کی زبان بنایت مشکل ہے فقرات طویل اور تراکیب نامانوس ہیں۔

کتاب کے تیسرے حصے کا خلاصہ محمد بن عبدالرحمان قرزینی (م ۱۳۲۸ھ) نے "التلخیص المفتاح" کے نام سے کیا اور "التلخیص" اس موضوع پر حرف آخر بن گئی جس کی شروح و حواشی بکثرت لکھے گئے

مؤلف ”پنج گنج“

”پنج گنج“ کا مؤلف معلوم نہیں ہو سکا۔ ابوالوفت کی تحقیق یہ ہے۔
”تمام معلوم نسخوں میں سے کسی ایک میں بھی مؤلف کا نام مذکور
نہیں“ ہے۔



مؤلف "میزان الصرف"

"میزان الصرف" جس قدر متداول ہے اسی قدر اس کا مؤلف گننام ہے۔ کتاب کی شرحیں بھی ملتی ہیں مگر شارحین بھی مؤلف کے بارے میں خاموش ہیں۔ بعض شارحین بھی اصل مؤلف کی طرح گننام ہیں۔ ایوانوف "شرح میزان فی علم الصرف" کے تاروف میں لکھتے ہیں۔

"مؤلف اور شارح دونوں کا نام مذکور نہیں ہے"

ایک دوسرے فہرست نگار لکھتے ہیں۔

"از مؤلف گننام این نسخہ کہ ناقص است فقط چہار باب دارد و

بگان غالب در قرن ہنم ہجری تالیف شدہ ہے"

البتہ "میزان الصرف" کے مؤلف، جناب حافظ نذراحمد صاحب کے بقول سراج الدین

اردھی ہیں۔

۴

۱۔ فہرست مخطوطات، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۴: ۶۸۹

۲۔ فہرست مخطوطات شیرازی، ج ۲، ۶۱۳ ۳۔ جائزہ مدارس عربیہ پاکستان، ۴: ۷۵۵

کتابیات

اردو

- ۱- آبِ حیات لاہور (۱۹۵۷ء)
- ۲- آثارِ خیر آگرہ (۱۳۲۳ھ)
- ۳- آئینہ تلبیس لاہور (۱۹۷۵ء)
- ۴- آئینہ حقیقت نامہ کراچی (۱۹۵۸ء)
- ۵- احمد معمار لاہوری لاہور (۱۹۵۷ء)
- ۶- اکل التاریخ (جلد اول) بدایون (۱۳۳۳ھ)
- ۷- انفاس العارفین (ترجمہ) لاہور (۱۹۷۴ء)
- ۸- ایک نادر و زناچہ لکھنؤ (۱۹۵۴ء)
- ۹- ۱۸۵۷ء کے مجاہد لاہور (۱۹۶۰ء)
- ۱۰- باغی ہندوستان (الثورة الهندية) عبدالشاد خان شروانی بجنور (۱۹۴۷ء)
- ۱۱- بحر العلوم محمد یوسف کوکن عمری مدراس (س۔ن)
- ۱۲- بزم تمہیریہ صباح الدین عبدالرحمان اعظم گڑھ (۱۹۴۸ء)
- ۱۳- بتان المحدثین (ترجمہ) شاہ عبدالعزیز مترجمہ عبدالسمیع دیوبندی کراچی (۱۹۵۸ء)
- ۱۴- ابیان فی علوم القرآن عبدالحق حقانی
- ۱۵- تاریخ ادبیات ایران (ترجمہ) رضا زادہ شفق / ترجمہ رفعت دہلی
- ۱۶- تاریخ سنخار آرمینیس ویبک / ترجمہ نفیس الدین احمد لاہور (۱۹۵۹ء)
- ۱۷- تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم ابوالحسن علی ندوی لکھنؤ

- ۱۸- تاریخ شیراز ہند جو نپور
۱۹- تاریخ مدرسہ عالیہ (حصہ دوم)
۲۰- تاریخ مشائخ چشت
۲۱- تذکرۃ الاعزاز
۲۲- تذکرہ اہل دہلی
- سید اقبال حسین
عبد الستار
خلیق نظامی
ازہر ابن انور شاہ
سر سید احمد خان / مرتبہ قاضی احمد میاں | کراچی (۱۹۵۵ء)
اختر جو ناگر گڑھی
- ۲۳- تذکرہ شاہ ولی اللہ
۲۴- تذکرہ علمائے فرنگی محل
۲۵- تذکرہ غوثیہ
۲۶- تذکرہ مشاہیر کاکوری
۲۷- تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ)
۲۸- تلامذہ غالب
۲۹- تواریخ حبیب اللہ
- مناظر احسن گیلانی
عنایت اللہ فرنگی محل
گل حسن شاہ
محمد علی حیدر
رحمان علی / ترجمہ محمد الیوب قادری
مالک رام
عنایت احمد کاکوری
- کراچی (۱۹۵۹ء)
لکھنؤ (۱۳۴۹ھ)
لکھنؤ (۱۹۲۷ء)
کراچی (۱۹۶۱ء)
نکودر (س.ن)
کراچی
رائل پوسٹ (۱۹۶۰ء)
بیلون (۱۹۶۰ء)
اعظم گڑھ
دیوبند (س.ن)
دہلی (س.ن)
اعظم گڑھ (۱۹۶۳ء)
کچھوچھا شریف (۱۹۶۴ء)
کراچی (۱۹۵۷ء)
- ۳۰- جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان
۳۱- حقیقت رامپور
۳۲- حکمائے اسلام جلد دوم
۳۳- حیات امام طحاوی
۳۴- حیات جامی
۳۵- حیات شبلی
۳۶- حیات غوث الاعظم
۳۷- حیات وحید الزمان
- حافظ نذرا احمد
ضیاء الحق
عبدالسلام ندوی
سید فخر الحسن
محمد اسلم جیرا چوری
سیّد سلیمان ندوی
سیّد محمد اشرفی
میر عبدالحلیم چشتی

- ۳۸۔ جیلت ولی رحیم بخش دہلوی لاہور (۱۹۵۵ء)
- ۳۹۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول غلام سرور لاہوی / ترجمہ مفتی محمود عالم و اقبال احمد فاروقی لاہور (۱۹۷۲ء)
- ۴۰۔ دائرہ معارف اسلامیہ لاہور
- ۴۱۔ رود کوثر شیخ محمد اکرام لاہور (۱۹۵۸ء)
- ۴۲۔ الرض الزہری فی ما تر القلندر تقی علی قلندر رامپور (۱۳۲۹ھ)
- ۴۳۔ سفینۃ الاولیاء (ترجمہ) داراشکوہ / ترجمہ محمد علی لطفی کراچی (۱۹۵۹ء)
- ۴۴۔ سیر الاحیات سید ابو محمد کاوش ندوی بجنور (۱۹۳۱ء)
- ۴۵۔ سیرت البخاری محمد عبدالسلام مبارک پوری لاہور (۱۹۶۸ء)
- ۴۶۔ سیر علماء عبد الحلیم شرر لکھنؤ (۱۹۳۰ء)
- ۴۷۔ صدر یار جنگ شمس تبریزی خان لکھنؤ (۱۹۷۲ء)
- ۴۸۔ علمائے حق اور ان کی مظلومیت کی داستائیں انتظام اللہ شہبازی دہلی (س۔ن)
- ۴۹۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی محمد میاں دہلی (۱۹۴۲ء)
- ۵۰۔ الغزالی شبلی نعمانی لاہور (۱۹۵۸ء)
- ۵۱۔ الغبرست ابن ندیم الوراق / ترجمہ محمد اسحاق بھٹی لاہور (۱۹۶۹ء)
- ۵۲۔ فہرست کتب خانہ ریاست رامپور احمد علی شوق رامپور (۱۹۲۸ء)
- ۵۳۔ قاموس المشاہیر نظامی بدایینی بدایون (۱۹۲۴ء)
- ۵۴۔ قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کے علمی کارنامے عبدالرحمان دہلی (۱۹۵۰ء)
- ۵۵۔ بقضا الارباب من ذکر علماء النجوالادب ذوالفقار احمد بھیرپالی آگرہ (۱۹۲۶ء)
- ۵۶۔ نیر التواریخ کما۔ بہ حیدر حسینی لکھنؤ (۱۹۰۷ء)

- ۵۷۔ باب المعارف العلمیہ جلد اول عبد الرحیم
 ۵۸۔ اثار الامراء (ترجمہ) شاہنواز خان / ترجمہ محمد ایوب قادری
 ۵۹۔ مجموعہ وصایا الرجب مرتبہ محمد ایوب قادری
 ۶۰۔ محمد احسن نانوتوی محمد ایوب قادری
 ۶۱۔ مشاہیر اسلام (جلد اول) عبدالغفور رامپوری
 ۶۲۔ مشاہیر امت قاری محمد طیب
 ۶۳۔ مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں محمد عمران خان
 ۶۴۔ مفید المفتی عبدالاول جوہری
 ۶۵۔ مقالات دینی و علمی مولوی محمد شفیع
 ۶۶۔ مقالات شبلی (حصہ سوم) شبلی نعمانی
 ۶۷۔ مقالات عرشی امتیاز علی عرشی
 ۶۸۔ مقالات مولوی محمد شفیع جلد چہارم مولوی محمد شفیع
 ۶۹۔ مکاتیب ابوالاعلیٰ جلد دوم مرتبہ عاصم نعمانی
 ۷۰۔ مکاتیب غالب مرتبہ امتیاز علی عرشی
 ۷۱۔ طغوظات غزینی ترجمہ انتظام اللہ شہابی و محمد علی لطفی
 ۷۲۔ نذر عرشی مرتبہ مالک رام و مختار الدین احمد
 ۷۳۔ نزہت الخواطر (ترجمہ) جلد دوم سید عبدالحی / ترجمہ ابو یحییٰ امام خان
 ۷۴۔ وقائع عبدالقادر خانی مرتبہ محمد ایوب قادری
 ۷۵۔ ہندوستان کی قدم اسلامی [ابوالمنان ندوی
 درس گاہیں
- آگرہ (۱۸۱۹ء)
 لاہور (۱۳۵۷ء)
 لاہور (۱۹۷۲ء)
 حیدرآباد (۱۹۶۶ء)
 کراچی (۱۹۶۶ء)
 آگرہ (۱۳۲۷ء)
 دیوبند (۱۹۳۳ء)
 اعظم گڑھ (س.ن)
 لکھنؤ (۱۳۲۶ء)
 لاہور (س.ن)
 اعظم گڑھ (۱۹۵۵ء)
 لاہور (۱۹۷۰ء)
 لاہور (۱۹۷۲ء)
 لاہور (۱۹۷۳ء)
 بمبئی (۱۹۳۷ء)
 کراچی (۱۹۶۰ء)
 دہلی (۱۹۶۵ء)
 لاہور (۱۹۵۰ء)
 کراچی (۱۹۶۰ء)
 اعظم گڑھ (۱۹۳۶ء)

اعظم گڑھ (۱۹۳۳ء)

۷۶۔ ہندوستان کے سلاطین، علماء و صلیح الدین عبدالرحمان
اور مشائخ کے تعلقاً پر ایک نظر

لاہور (س۔ن)

الطاف حسین حالی

۷۷۔ یادگار غالب

عربی

- | | | |
|-------------------------------------|---|------------------|
| ۱۔ آثار الاول من علماء فرنجی محل | عبدالباری فرنگی محلی | لکھنؤ (س۔ن) |
| ۲۔ اختلاف الفقہاء | ابوجعفر احمد طحاوی امرتہہ صغیر حسن معصومی | اسلام آباد |
| ۳۔ اعلام | خیر الدین زرکلی | بیروت |
| ۴۔ اکتفا القنوع بما ہو مطبوع | اور در فندیک | قاہرہ (۱۸۹۶ء) |
| ۵۔ تذکرۃ الحفاظ | شمس الدین ذہبی | |
| ۶۔ جن المحاصرہ جلد اول | جلال الدین سیوطی | قاہرہ |
| ۷۔ دیوان متبئی | احمد بن حسین الکندی (المتنبی) | لاہور |
| ۸۔ سجتہ المرجان | غلام علی آزاد بلگرامی | بمبئی (۱۳۰۳ھ) |
| ۹۔ شرح سلم العلوم | قاضی محمد مبارک | |
| ۱۰۔ شرح سلم العلوم | احمد عبدالحق | |
| ۱۱۔ الشقائق النعمانیہ | طاش کپری زادہ | قاہرہ (۱۳۱۰ھ) |
| ۱۲۔ طبقات الشافعیہ | تاج الدین سبکی | قاہرہ (۱۳۲۴ھ) |
| ۱۳۔ الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ | عبدالحئی لکھنوی | قاہرہ (۱۳۲۴ھ) |
| ۱۴۔ کشف الظنون | حاجی خلیفہ چلیپی | استانبول (۱۲۶۰ھ) |
| ۱۵۔ نرہبت الخواطر جلد ششم | سید عبدالحئی رائے بریلوی | حیدرآباد (۱۹۵۷ء) |
| ۱۶۔ نور الانوار | ملا احمد جیون | کراچی |

ابن خلکان

۱۶. وقیات الاعیان

فارسی

- | | | |
|------------------------------|--------------------------|---|
| صہب پال
دہلی (۱۳۲۳ھ) | نواب صدیق حسن خان | ۱- اتحات النبلاء |
| لکھنؤ (۱۹۱۴ء) | شیخ عبدالحق محدث دہلوی | ۲- اخبار الایثار |
| کراچی (۱۹۵۵ء) | رحمان علی | ۳- تذکرہ علمائے ہند |
| کتاب خانہ گنج بخش اسلام آباد | فضل امام خیر آبادی | ۴- تراجم الفضلاء |
| کتاب خانہ نوشاہیہ سلیمان پال | مرتبہ انتظام السنہ شہابی | ۵- خلاصۃ التواریخ (مخطوطہ) |
| گجرات | فضل امام خیر آبادی | ۶- رسالۃ الاعجاز (مخطوطہ) |
| کراچی | احمد بیگ لاہوری | ۷- علم الصیغہ |
| لاہور (۱۹۷۲ء) | منایت احمد کاکوروی | ۸- عمل صالح جلد سوم |
| تہران (۱۳۳۹ھ) | محمد صالح کینو | ۹- فہرست کتب خانہ دانشکدہ تقی دانش پڑدہ |
| لاہور (۱۹۷۲ء) | حقوق دانش گاہ تہران | ۱۰- فہرست مخطوطات شیخ ڈاکٹر بشیر حسین |
| لاہور (۱۹۷۱ء) | ڈاکٹر بشیر حسین | ۱۱- فہرست مخطوطات خیرانی جلد دوم |
| راولپنڈی (۱۹۷۲ء) | محمد حسین تیسبی | ۱۲- فہرست نسخہ ہای خطی کتاب خانہ گنج بخش اسلام آباد (درج اول) |
| حیدرآباد (۱۳۵۷ھ) | سید تصدق حسین | ۱۳- فہرست مشروح بعضی کتب نفیہ قلمیہ کتب خانہ آصفیہ جلد دوم |

تہران (۱۳۳۲ھ)
آگرہ (۱۹۱۰ء)
تہران

عبدالرحمان جاتی / مرتبہ محمد حسین نسیمی
غلام علی آزاد بنگرامی
نور اللہ شوستری

۱۳ ابواب
۱۵۔ ماثر الکلام
۱۶۔ مجالس المؤمنین
رسائل

جولائی ۱۹۶۵ء	(کراچی)	۱۔ اقبال ریویو
تعلیمی پالیسی نمبر (۱۹۷۵ء)	(کراچی)	۲۔ برگ گل
جلد ۲، شماره ۱	(کراچی)	۳۔ تاریخ و سیاسات
اگست ۱۹۵۷ء	(دہلی)	۴۔ تحریک
جلد ۴، شماره ۱	(حیدرآباد)	۵۔ الرحیم
کتب خانہ نمبر	(بہاول پور)	۶۔ الزبیر
جنوری تا مارچ ۱۹۷۲ء	(کراچی)	۷۔ العلم
مئی ۱۹۵۳ء	(کراچی)	۸۔ سفارن
ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ مجرم ۵۱۳۹۵	(لکھنؤ)	۹۔ الفرقان
جلد ۵۷، شماره ۳	(اعظم گڑھ)	۱۰۔ معارف
جلد ۶۸، شماره ۳		
جلد ۶۹، شماره ۳		
جلد ۹۳، شماره ۳		
جلد ۹۵، شماره ۲ تا ۴		



علاء و نذکریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے تذکرہ مصنفین درسِ نظامی“
 کو قبولِ عام بخشا۔ بعض اہل علم نے مشورہ دیا کہ ”وفاق المدارس العربیہ پاکستان“
 ”تثقیم المدارس پاکستان“ اور ”وحدۃ مدارس السلفیہ پاکستان“ نے اپنے نصابوں
 میں جن کتابوں کا اضافہ کیا ہے ان کے مصنفین کے حالات بھی کتاب میں شامل
 ہونے چاہئیں۔ چنانچہ نصابات کا جائزہ لینے سے محسوس ہوا کہ درسِ نظامی کے
 سولہ علوم میں سے دس میں حسب ذیل کتابوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۔ صرف (عربی)	علم الصرف	مشتاق احمد چرٹھاولی
۲۔ نحو (عربی)	علم النحو النحو الواضح الفیہ شرح الفیہ	مشتاق احمد چرٹھاولی علی الجارم ابن مالک ابن عقیل
۳۔ منطق	تیسیر المنطق	عبد اللہ گنگوہی
۴۔ فقہ	تاسیس النظر رسم المفتی کتاب الخراج بداية المجتهد	عبد اللہ بن عمر دتویسی ابن عابدین شامی یحییٰ بن آدم ابن رشد

۵۔ عقائد و کلام

حسین الجسّر

رسالہ حمیدیہ
عقائد المرام

۶۔ اصول تفسیر

ابن تیمیہ

مقدمہ فی اصول التفسیر
الاتقان فی علوم القرآن

جلال الدین سیوطی

ابن حجر عسقلانی

مالک بن انس

محمد بن حسن شیبانی

عبدالعزیز پرہاروی

احمد رضا خان بریلوی

احمد رضا خان بریلوی

شتاق احمد چغتاول

علی عمر

محمد امین مصری

سید ابوالحسن علی ندوی

سید ابوالحسن علی ندوی

محمد بن سعید بصری

بلوغ المرام من اولیٰ الاحکام

مؤطا امام مالک

مؤطا امام محمد

کوثر النبی

مدارج طبقات الحدیث

الفضل المودعی

روضۃ الادب

القرآۃ الرشیدہ

طریقۃ جدیدہ

القرآۃ الراشدہ

مختارات من ادب العرب

قصیدہ بڑوہ

الکافی فی العروض والقوافی

محیط الدائرہ

کرنیلیو فنڈیک

متذکرۃ الصدر کتب میں سے بعض کے مؤلفین کے حالات کتاب میں پہلے

ہی سے موجود ہیں۔ باقی مصنفین کے حالات الف باقی ترتیب سے درج کئے

جا رہے ہیں۔

نصابت کے جائزے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تاریخ، جغرافیہ اور اخلاقیات کے موضوعات پر بھی چند کتابیں نصاب میں شامل کی گئی ہیں جن کے مؤلفین کے حالات باسافی دستیاب ہیں اس لئے انہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے

اختر راہی

۲۴ ربیع الاخریٰ ۱۴۲۶ھ

ابن تیمیہ

تقی الدین ابو العباس احمد بن شیخ شہاب الدین عبد الحلیم بن شیخ عبدالسلام بن
ابی محمد عبداللہ بن ابی القاسم الخضر بن محمد بن خضر بن عبداللہ ابن تیمیہ۔ ۱۰ ربیع الاول
۶۶۱ھ / ۲۲ جنوری ۱۲۶۳ء کو حراں میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے اصل نام کے بجائے
اپنی کنیت ابن تیمیہ سے مشہور ہوئے۔ اس کنیت کے بارے میں قابل استناد
روایت یہ ہے کہ تیمیہ اُن کی داوی تھیں جو سات پشت پہلے گزری تھیں۔ و
اپنے دور کی بہت بڑی عالمہ اور عابدہ و زاہدہ تھیں۔ اُن کی اولاد میں ہر فرد
ابن تیمیہ کہلاتا رہا یعنی ابن تیمیہ خاندان کنیت تھی۔

امام ابن تیمیہ کے خاندان میں علم و فضل اور زہد و عبادت کی روایت چلی آ رہی
تھی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے خاندان میں حاصل کی۔ سات سال کے تھے کہ
اُن کا خاندان حراں سے ترک سکونت کر کے دمشق چلا گیا۔ امام ابن تیمیہ نے شاہ میر
وقت سے استفادہ کیا۔ اُن کے شیوخ کی تعداد دوسو سے زائد ہے جن میں شیخ
شمس الدین جنلی، شیخ زین الدین بن المبحی اور ابن ابی ایسر کے نام نمایاں ہیں۔
امام ابن تیمیہ کا عنقوان شباب تھا کہ اُن کی شہرت دور و نزدیک پھیل گئی۔
سترہ برس کی عمر میں افتاء و تصنیف شروع کی اور اکیس سال کی عمر میں منہ درسن کو
زینت دی۔ امام ابن تیمیہ فلسفہ وحدت الوجود کے شدید مخالفت تھے اور شیخ
اکبر ابن عربی پر سخت الفاظ میں تنقید کرتے تھے۔ وہ آئمہ اربعہ کے مقلد نہیں تھے اور
بعض مسائل میں منفرد رائے رکھتے تھے۔ انہوں نے توبہ و اجائے دین کی خدمت

انجام دیتے ہوئے معاصر مذہبی طبقے پر بھی تنقید کی۔ یہی سبب تھا کہ انہیں طرح طرح کے مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

امام ابن تیمیہ کے مصائب کا سلسلہ ۷۹۵ھ سے شروع ہوا اور اُن کے دم واپس تک جاری رہا۔ اُن پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ انہیں برس یا برس قید خانوں میں محبوس رکھا گیا۔ عوام کی نگاہ میں بے وقعت بنانے کی خاطر کیا کیا الزامات نہ لگائے گئے۔ مخالفین کی ضد کا یہ عالم تھا کہ جیل میں انہیں تلم و دوات سے محروم کر دیا گیا تاکہ اُن کے خیالات تحریری شکل میں بھی لوگوں تک نہ پہنچ سکیں۔ انہوں نے تلم و دوات سے محرومی کے بعد کوئلے سے لکھنا شروع کیا۔ کوئلے سے لکھا ہوا اُن کا ایک خط دستیاب ہوا تھا۔ جس میں انہوں نے لکھا تھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ
میں اللہ کی عنایت سے بہت خوش ہوں۔ اللہ جو کچھ کرتا ہے نصرت
اسلام کے لئے کرتا ہے۔ اسلامی عظمت دُنیا میں سب سے بڑی نعمت
ہے۔ اللہ نے رسول کو اعلیٰ ذکر کے لئے بھیجا اور شیطان کی کوشش
یہ ہے کہ وہ اپنے عساکر سے اسلامی شوکت پر ڈاکے ڈالے۔ ازل سے
یہ الہی سنت چلی آتی ہے کہ وہ حمایتِ حق کے لئے ایسے افراد کو انتخاب
کرتا ہے کہ جو کاشانہ باطل پر آگ برساتے ہیں۔ ابلیس نے صرف
دین اسلام کی مخالفت نہیں کی بلکہ تمام ادیان و ملل و انبیاء و رسل
کی راہ میں رکاوٹیں ڈالیں۔

مجھ پر میرے مخالفین نے مختلف الزامات لگائے۔ لیکن اللہ نے
انہیں ذلیل کیا۔ مجھے بدعتی کہا گیا ہے حالانکہ معاملہ الٹا ہے۔ کتابِ سنت
کے علم کے بدوہی شخص بدعتی رہ سکتا ہے کہ جسے ہوس نہ لینے دے

اور جو ہوا انسانی کا پرستار ہو۔

... اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے جہاد کا موقع دیا اور میں نے

حسبِ مقدور باطل کی قلعی کھولی تھی۔

امام ابن تیمیہؒ نہ صرف صاحبِ قلم تھے بلکہ انہوں نے میدانِ جہاد میں تلوار بھی چلائی۔ ۶۹۹ھ میں انہوں نے غازان کے حملے کو روکا۔ جب تاتاری دمشق پر حملہ آور ہوئے اور فوج بھاگ گئی تو امام ابن تیمیہؒ ہی تھے جنہوں نے فوج کو غیرت دلائی اور اس کے ساتھ عمرو میدانِ جنگ میں آئے۔ اس کے بعد چند سال جہاد میں مشغول رہے۔ امام ابن تیمیہؒ سنتِ یوسفی ادا کر رہے تھے کہ کچھ اوپر بیس روز بیمار رہ کر ۲ ذی قعدہ ۷۲۸ھ/۲۷ ستمبر ۱۳۲۸ء کو فوت ہوئے اور مقبرہ صوفیہ میں مدفون ہوئے۔ ان کے جنازہ میں دو لاکھ افراد نے شرکت کی تھی۔

امام ابن تیمیہؒ زبردست خطیب، شاعر، سربِ القلم مولف اور عابد و زاہد بزرگ تھے۔ ان سے تاریخ ساز کتب یادگار ہیں۔ کتابوں کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ "فوات الرضیاء" میں ایک سو باسٹھ کتابوں کی فہرست دی گئی ہے۔ مولانا عطیہ اللہ حنیف نے امام ابن تیمیہؒ کی تصنیفات کی فہرست تیار کی ہے جس میں قرآن، حدیث، فقہ، عقائد، اخلاق و تصوف، فلسفہ و منطق اور متفرق موضوعات پر ۵۹۱ کتابیں شمار کی ہیں۔ اگرچہ امام ابن تیمیہؒ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ قید و بند میں گزرا۔ اس کے باوجود ان کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں علامہ ابن قیم اور علامہ ابن کثیر جیسے یادگار زمانہ عالم شامل ہیں۔

ابن رشد

ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد ۲۰ ۵۵۰ھ / ۱۱۲۶ء میں سپین کے شہر قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے خاندان کے بزرگ "رشد" کی نسبت سے ابن رشد کے نام سے معروف ہوئے۔ اُن کے خاندان میں نسل در نسل علم و فن کی روایت چلی آرہی تھی۔ اُن کے دادا اور والد ماجد قرطبہ کے قاضی اور جامع مسجد کے خطیب تھے۔

ابن رشد کی تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کیا گیا۔ انہوں نے اپنے والد ماجد سے قرآن مجید اور حدیث کی کتاب مؤطا حفظ کی۔ اس کے بعد ابوالقاسم بن بشکوال، ابوبکر بن سمون، ابوجعفر بن عبدالعزیز اور ابو عبداللہ مازری سے علم حدیث کی تکمیل کی، فقہ کے لئے ابومحمد بن رزق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور فلسفہ ابن باجر اور ابوجعفر بن ہارون الرجال جیسے اساتذہ وقت سے پڑھا۔

ابن رشد کو اپنے ہم سبق ساتھی ابن طفیل (م ۸۷۸ھ) کے توسط سے ابویعقوب یوسف الموحد کے دربار میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ ابن طفیل کی رحلت کے بعد ابویعقوب یوسف نے انہیں مراکش بلایا اور درباری طبیب مقرر کیا۔ کہا جاتا ہے کہ خود ابن طفیل نے شاہ سے کہا تھا کہ اُس کی جگہ صرف ابن رشد ہی پُر کر سکتا ہے۔

ابن رشد پہلے اشبیلیہ اور پھر قرطبہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ انہوں نے قاضی کی حیثیت سے کسی خاص امام کی تقلید کو ضروری خیال نہیں کیا انہوں نے قرآن و سنت اور فقہاء کے نظائر کی روشنی میں فیصلے کئے۔

ہر صاحب کمال کے ماسد ہوتے ہیں۔ ابن رشد پر بے دینی اور اٹھا دھپیلانے کا

ازام لکایا گیا اور ان کی فلسفیانہ کتابوں کو تلف کر دینے کے فتوے دیئے گئے۔ چنانچہ یعقوب المنصور نے انہیں قریب سے قریب "روسینا" میں جلا وطن کر دیا۔ جلا وطنی کا زمانہ ابن رشد نے کس مہر سی کے عالم میں گزارا آخر یعقوب المنصور پر واضح ہو گیا کہ ابن رشد کے خلاف مہم میں حاسدوں کی ذاتی اغراض شامل ہیں چنانچہ ابن رشد رہا کر دیئے گئے مگر وہ سیانی کے ایک سال بعد ہی ۹ صفر ۵۹۵ھ/۱۰/۱۱ دسمبر ۱۱۹۱ء کو مراکش میں فوت ہوئے۔ ابن رشد بیک وقت ممتاز عالم دین، طبیب، ہیئت دان تھے۔ انہوں نے یونانی مفکرین کی کتابوں کی تشریح و توضیح میں بڑا نام پایا۔ مختلف موضوعات پر ابن رشد کی ۵۲ کتابیں اصل یا تراجم کی شکل میں موجود ہیں۔ اہم کتب یہ ہیں۔

۱۔ بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد (فقہ)

۲۔ تہافت التہافت الفلاسفہ (فلسفہ) امام غزالی کی تہافت الفلاسفہ کا جواب ہے۔

۳۔ فصل المقال - مذہب اور فلسفہ کی تطبیق کے موضوع پر ہے۔

۴۔ کلیات (طب)

ابن عابدین شامی

شیخ محمد امین بن عمرو معروف بہ ابن عابدین شام کے حنفی فقہاء میں سے ہیں۔ بلند پایہ عالم، محدث اور محقق تھے۔ عام روایت کے مطابق ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں فوت ہوئے مگر مفید المقتی کے مؤلف نے لکھا ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ ۱۲۵۲ ہجری میں اُن کی وفات ہوئی۔

ابن عابدین شامی سے کئی کتابیں یادگار ہیں۔ معروف ترین یہ ہیں:

۱۔ ردالمختار حاشیہ و ردالمختار

شمس الدین محمد بن عبداللہ انغری (م ۱۰۰۴ھ) نے فقہ حنفی میں تنویر الابصار (تالیف ۱۵۹۵ء) کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ تنویر الابصار کی مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں۔ خود مؤلف نے ایک شرح "مع الغفار" لکھی۔ محمد علاء الدین حصکفی (م ۱۰۸۸ھ) نے شرح بہ نام "ردالمختار" لکھی۔

ابن عابدین شامی نے "ردالمختار" کی ضخیم شرح "ردالمختار" کے نام سے پانچ جلدوں میں لکھی یہ کتاب علمائے احناف میں متداول ہے۔ شارح نے فقہی جزئیات میں جس وقیفہ رسی کا ثبوت دیا ہے بہت کم کتابوں میں یہ خوبی موجود ہے۔

ابن عابدین کی باقی کتابوں میں سے حسب ذیل معروف ہیں۔

۱۔ رسائل ابن عابدین۔

مختلف موضوعات پر چند رسائل ہیں۔ ان میں سے ایک رسالہ رسم الغنی ہے جو بعض مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ اس رسالے میں علامہ شامی نے فقہاء کے طبقات،

فقہی کتابوں کے مدارج اور فتویٰ نویسی کے اصول و ضوابط پر جامعیت سے بحث کی ہے۔

یہ رسالہ فتویٰ نویسی کے اصولوں پر عمدہ تحریر ہے۔

۲۔ المحاسن الہندی نصرۃ مولانا خالد المنشی ندوی۔

۳۔ شفا العلیل فی حکم الوصیت بالتمتات والبقالیل

۴۔ مکملہ روح مختار



ابن عقیل

بہاؤ الدین عبداللہ بن عبدالرحمن بن عبداللہ بن محمد حضرت عقیل بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے۔ اسی نسبت سے ابن عقیل کی کنیت سے معروف ہوئے۔ ان کے اسلاف ہمدان یا آمد میں مقیم تھے۔ وہیں سے اس خاندان کے افراد مختلف علاقوں میں پھیلے۔ ابن عقیل کے والدین قاہرہ (مصر) میں مقیم تھے۔ وہیں ۶۹۴ھ/۹۵-۱۲۹۴ میں ابن عقیل پیدا ہوئے۔

ابن عقیل با عرب شخصیت کے مالک تھے۔ زبان میں لکنت تھی۔ اپنے علم و فضل کے سبب علم نحو کے ائمہ میں شمار ہوتے تھے۔ تشنگان علم کا ایک مجمع ان کے ہاں لگا رہتا تھا۔ وہ طلبہ سے نہایت اچھا سلوک کرتے تھے۔ انہیں مالی امداد بھی دیتے تھے۔

ابن عقیل ۶۹۴ھ/۶۸-۱۳۶۷ میں قاہرہ ہی میں فوت ہوئے۔ ان کی شہرت ایک نحوی کی حیثیت سے ہے مگر وہ قرآن و سنت پر بھی عبور رکھتے تھے۔ ان سے حسب ذیل کتب یادگار ہیں:-

۱- التعلیق الوجیز علی الکتاب العریز (تفسیر قرآن) ابن عقیل اسے مکمل نہ کر سکے۔

۲- الجامع النفیس (فقہ شافعی)

۳- تیسیر الاستعداد لمرتبۃ الاجتہاد۔ الجامع النفیس کی تلخیص ہے۔

۴- المساعد فی شرح التبییل۔

۵- شرح الفیہ ابن مالک۔ ابن مالک کی پیچیدہ اور مشکل منظوم کتاب کی عام فہم اور سلیس شرح ہے۔

ابن مالک

ابو عبد اللہ جمال الدین محمد بن عبد اللہ بن مالک الطائی الشافعی ۴۰۰ھ/۱۲۰۳ء میں اندلس کے جیان نامی ایک مقام پر پیدا ہوئے۔ وہ اندلس سے ترک سکونت کر کے دمشق گئے اور وہیں ۶۴۲ھ/۷۴۳-۷۴۴ء میں فوت ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں علامہ سخاوی رم ۶۵۳ھ کا نام ملتا ہے۔

ابن مالک علم نحو میں مہارت خصوصی رکھتے تھے اور انہیں شعر کہنے پر ماہرانہ قدرت حاصل تھی۔ انہوں نے تصنیف و تالیف میں مصروف زندگی گزار کر معاشرے میں علم و فضل اور خدائرسی و تقویٰ شعاری کے باعث عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ابن خلکان رم ۶۸۱ھ کو ان کا احترام اس درجہ ملحوظ خاطر تھا کہ نماز کے بعد مسجد سے گھرنے تک ان کی مشایعت کرتے تھے۔

ابن مالک کی حسب ذیل کتابوں کا ذکر زرکلی نے کیا ہے۔

۱۔ الفیہ۔ عوامل نحو کی منظوم تشریح پر مشتمل ہے۔ چونکہ نظم کے اشعار ایک ہزار ہیں۔ اسی لئے "الفیہ" مشہور ہوئی۔ اشعار شکل اور بعید الفہم ہیں۔ اسی لئے یہ کتاب مقبول نہ ہو سکی۔

۲۔ تسہیل الفوائد (مطبوعہ۔ نحو)

۳۔ الضرب فی معرفت لسان العرب

۴۔ الکافیۃ الشافیہ (غیر مطبوعہ) تین ہزار اشعار پر مشتمل علم نحو کی کتاب ہے۔

۵۔ شرح الکافیۃ الشافیہ۔

- ۶۔ سبک المنظوم و نیک المختوم (غیر مطبوعہ۔ نسخہ)
 - ۷۔ لامیۃ الافعال (مطبوعہ)
 - ۸۔ عدۃ الحافظ و عمدۃ اللافظ (غیر مطبوعہ) اس کتاب کی شرح بھی مؤلف کے قلم سے ہے۔
 - ۹۔ ایجاز التعریف (غیر مطبوعہ، صرف)
 - ۱۰۔ شواہد التوہیح و التصحیح لمشکلات الجامع الصالح (مطبوعہ)
 - ۱۱۔ اکمال الاعلام مشلت الکلام (مطبوعہ)
 - ۱۲۔ مجموعہ رسائل۔ دس رسائل کا مجموعہ ہے۔
 - ۱۳۔ تحفۃ المودود فی المقصور و الممدود (منظوم، مطبوعہ)
 - ۱۴۔ العروض۔
 - ۱۵۔ الاعتضاد فی الفرق بین النطاء و الضاد۔
-

ابوالحسن علی ندوی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جو علمی حلقوں میں علی میاں کے نام سے معروف ہیں۔
۶ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ / ۲۴ نومبر ۱۹۱۴ء کو تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔
ان کا نسبی تعلق شہید بالاکوٹ حضرت سید احمد شہید (م ۱۲۷۶ھ) کے خانوادے سے
ہے۔ ان کے والد ماجد حکیم سید عبدالغنی رائے بریلی، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم تھے اور
بلند پایہ ادیب اور مورخ تھے۔ اردو ادب کا ہر طالب علم گل رعنا اور عربی دان حلقہ
”زہب الخواطر و ہیجۃ المسامع والتواظف“ کے حوالے سے حکیم صاحب کے مقام سے آگاہ ہے۔
مولانا علی میاں نے ابتدائی مکتبی تعلیم خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی۔ ابھی نو سال
کے تھے کہ ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت بڑے بھائی
ڈاکٹر سید عبدالعلی مرحوم کے زیر نگرانی ہوئی۔ علی میاں نے ندوۃ العلماء میں تعلیم پائی۔ ندوۃ کے
اساتذہ میں سے مولانا جمید حسن خان اور شیخ تقی الدین بلالی مراکشی سے بطور خاص استفادہ
کیا۔ مؤخر الذکر کی محبت سے عربی ادب و النشاء کا وہ ذوق پیدا ہوا کہ آج مولانا علی میاں عربی
زبان کے ایک بڑے ادیب ہیں اور ان کی تحریریں عالم عرب میں اسی ذوق و شوق سے
پڑھی جاتی ہیں جیسے ان کی اردو کتابیں برصغیر میں مقبول ہیں۔ ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل
ہو کر دیوبند گئے اور چند ماہ ٹھہر کر مولانا سید حسین احمد مدنی سے استفادہ کیا۔ اُس زمانے میں مولانا
احمد علی لاہوری مرحوم کے درس قرآن کی شہرت تھی چنانچہ استفادہ علمی کی خاطر لاہور آئے
اور دورۂ قرآن میں شریک رہے۔

مولانا علی میاں نے علمی زندگی کا آغاز دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مدرس کی حیثیت سے

کیا اور آج کل ناظم کی حیثیت سے اپنی مادر علمی کی خدمت بجالا رہے ہیں۔ مولانا علی میاں کہنہ مشق ادیب، باشعور مؤرخ اور شہر عالم دین ہیں۔ ان کے قلم سے بیسیوں کتابیں اور سینکڑوں مقالات نکل چکے ہیں۔

مولانا علی میاں علمائے سلف کا زندہ نمونہ ہیں۔ وہ خلیق، ملنسا اور اپنے علم و فضل کو سادگی کی چادر میں چھپاتے ہوئے ہیں۔ ممتاز اقبال شناس اور ماہر تعلیم ڈاکٹر یوسف حسین خان مرحوم کے الفاظ میں: اس زلف نے میں علماء کی ابو ہیں؟

مولانا علی میاں کی اہم اور معروف کتابیں یہ ہیں:-

تاریخ و سوانح

- ۱۔ سیرت سید احمد شہید (جلد اول و دوم)
- ۲۔ کاروان ایمان و عزیمت۔ سیرت سید احمد شہید کا تمہ و تکملہ ہے
- ۳۔ جب ایمان کی بہار آئی۔ (تحریک جہاد و اصلاح سید احمد شہید)
- ۴۔ تاریخ دعوت و عزیمت (چار جلدیں)
- ۵۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر۔ (عربی اور اردو)
- ۶۔ ہندوستانی مسلمان (عربی۔ اردو)
- ۷۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش (عربی اور اردو)
- ۸۔ حیات عبدالحی (مولانا حکیم سید عبدالحی رائے بریلوی کی مفصل سوانح حیات)
- ۹۔ ذکر خیر۔ مولانا علی میاں کی والدہ ماجدہ کی سوانح حیات،
- ۱۰۔ صحبتے با اہل دل۔
- ۱۱۔ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ
- ۱۲۔ تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادیؒ
- ۱۳۔ پرانے چراغ مع سینے کے داغ

دینیات

- ۱۴۔ معرکہ ایمان و مادیت (تفسیر سورہ کہف)
- ۱۵۔ رحمت عالم۔ سیرت بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (دو حصے)
- ۱۶۔ ارکانِ اربعہ
- ۱۷۔ منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین
- ۱۸۔ مولانا محمد ایاس اور ان کی دینی دعوت
- ۱۹۔ کاروانِ مدینہ
- ۲۰۔ مذہب و تمدن
- ۲۱۔ مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
- ۲۲۔ قادیانیت

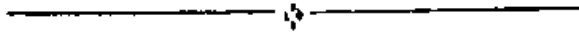
عربی زبان و ادب

- ۲۳۔ قصص النبیین (چار حصے)
- ۲۴۔ القراءۃ الرشیدہ
- ۲۵۔ مختارات من ادب العرب (دو حصے)

متفرق

- ۲۶۔ روائع اقبال۔ اردو ترجمہ "نقوشِ اقبال" کے نام سے شائع ہوا ہے۔
- ۲۷۔ مکتوبات مولانا محمد ایاس
- ۲۸۔ مکاتیب یورپ
- ۲۹۔ دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
- ان کے علاوہ مولانا علی میاں کی گئی تقاریر، مضامین اور خطوط رسائل اور پمفلٹوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا علی میاں نے کئی بار عالم اسلام کا دورہ کیا ہے۔ وہ عالم اسلام کے کئی تعلیمی اور علمی اداروں سے وابستہ ہیں۔ بھارت میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کے رکن ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں شامل ہیں۔ الجمعۃ العلمیہ دمشق، مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ، مجلس انتظامی اسلامک سنٹر جینوا اور موثر عالم اسلامی ہیروٹ کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔ ان کی علمی اور دینی خدمات کے پیش نظر ۱۳۹۹ھ کے فیصلہ ایوارڈ کی نصف رقم انہیں دی گئی ہے۔



احمد رضا خاں بریلوی

مولانا احمد رضا خان بن مولوی نقی علی خان، ۱۰ ارشوال ۱۲۷۲ھ / ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "المختار" ہے۔ نبأ پیمان تھے۔ انہوں نے علوم مروجہ کی تحصیل اپنے والد ماجد اور دوسرے اہل علم سے کی۔ ان کے اساتذہ میں مرزا غلام قادر بیگ بریلوی، مولانا عبدالعلی رامپوری (م ۱۲۹۷ھ) اور شاہ ابوالحسن زوری میاں ماہرہروی (م ۱۳۳۴ھ) کے نام نمایاں ہیں۔ ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں شاہ آل رسول ماہرہروی کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی اور ان سے سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل کی نیز سند حدیث سے سرفراز ہوئے۔ ۱۹۹۵ء / ۱۸۷۸ء میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے ارض حجاز گئے اور حرمین کے علماء سے اسناد حاصل کیں۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی ذہین اور بطالع عالم تھے۔ انہوں نے بجز نجوم، ہیئت اور ریاضی جیسے علوم میں بھی خصوصی دلچسپی لی اور ان علوم میں تحریریں یادگار چھوڑی ہیں۔ علوم دینیہ میں فقہی کتابوں پر ان کا استحضار اور مسائل کی جزئیات پر ان کی نظر اپنی مثال آپ تھی۔ اس کا ثبوت العطا یا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ "کی مجلدات سے ملتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں فارسی، عربی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ انہوں نے محبت اور عقیدت سے برتریہ نعتیں کہی ہیں اور انہیں اپنی نعت گوئی پر فخر تھا خود کہتے ہیں:-
یہی کہتی ہے بکبل بارخ جانا کہ رہنما کی طرح کوئی سحر جانا
نہیں بند میں واصفِ شہ ہدیٰ لھے شوخی بیع رسا کی قسم

مولانا موصوف تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اُن کی اکثر تصنیفات کے نام تاریخی ہیں نیز اُن کی منظومات میں کئی تاریخی قطععات ہیں۔ ۲۵ صفحہ ۱۳۲۷ھ/۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو بریلی میں فوت ہوئے۔

مولانا احمد رضا خان کثیر التصانیف عالم تھے۔ اُن کی چند اہم کتابیں یہ ہیں:-

۱۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن

۲۔ مدارج طبقات الحدیث

۳۔ الفضل الموبہبی فی معنی اذاح الحدیث فہو مذہبی

۴۔ العطا یا البنویہ فی الفتاویٰ الرضویہ۔ بارہ جلدوں میں ہے پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

۵۔ اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام

۶۔ جد الممتاز۔ حاشیہ رد المحتار

۷۔ حمام الحرمین

۸۔ شرح قصیدہ غوثیہ (فارسی)

۹۔ صدائق بخشش (نعتیہ دیوان)



حسین آفندی الجبتر

حسین بن محمد بن مصطفیٰ الجبتر طرابلس الشام میں ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان - آل الجبتر میں علم و ادب کی روایت کافی مستحکم تھی حسین بن محمد نے ابتدائی تعلیم وطن مالوف میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳-۶۲ء میں جامعہ ازہر میں داخل ہوئے۔ پانچ سال زیر تعلیم رہ کر وطن واپس گئے۔

حسین بن محمد نے پوری زندگی عربی زبان و ادب کی خدمت میں گزار دی۔ ان کی ادارت میں رسالہ طرابلس شائع ہوتا رہا۔ وہ ایک محافی، ادیب، شاعر اور صاحب نظر عالم کی حیثیت سے معروف تھے۔ رجب ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں اپنے وطن مالوف میں فوت ہوئے۔ حسین بن محمد کی تصنیفات یہ ہیں۔

۱۔ الرسالة الحمیدیہ فی حقیقۃ الدیانۃ الاسلامیہ و حقیقۃ الشریعۃ المحمدیہ (عقائد)

۲۔ اخصون الحمیدیہ (عقائد)

۳۔ نزہت الفکر۔ مؤلف نے اپنے والد محمد بن مصطفیٰ الجبتر کے حالات میں یہ کتاب لکھی ہے۔

۴۔ اشارات الطاعت فی حکم صلاۃ الجماعت۔

۵۔ ریاض طرابلس الشام۔ مقالات کا مجموعہ ہے۔

۶۔ الکوکب الدریہ فی فنون الادبیہ

عبدالعزیز پرباروی

ابو عبدالرحمن عبدالعزیز بن احمد بن حامد قریشی تقریباً ۱۲۰۹ھ/۹۵۷-۹۶۲ء میں کوٹ ادو کی مضافاتی بستی بڑھیاراں میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اس کے بعد ملتان آکر خواجہ حافظ محمد جمال چشتی سے اکتساب فیض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فہم و ذکا کا وافر حصہ عطا کیا تھا۔ سالوں کا کام بفتوں میں کر لیتے تھے۔ تلم میں اس قدر روانی تھی کہ ریست زینجا جامی کی نقل جس سے دو جزو کم تھے، ایک دن میں تیار کر لی۔ مولانا عبدالعزیز علوم دینیہ پر گہری نظر رکھنے والے عالم تھے اور فن طب ان کا ذریعہ معاش تھا۔ نہایت خود دار اور متوکل علی اللہ عالم تھے۔ ایک بار ملتان کے حاکم مظفر خان نے انہیں علاج کی غرض سے طلب کیا مگر انہوں نے فقرا کے طرز عمل کے مطابق دربار میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔

خواجہ حافظ محمد جمال چشتی کے خلیفہ مجاز تھے۔ تیس سال کی عمر میں ۱۲۳۹ھ/۷۲۲-۱۸۲۳ء میں وفات پائی۔ انہوں نے تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، منطق، طب اور فلکیات کے موضوعات پر گراں قدر کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جن میں سے بعض طبع ہو چکی ہیں۔ کتابیں یہ ہیں:-

۱۔ شرح بشرح العقائد

متداول اور معروف کتاب ہے۔ پہلی بار ۱۳۱۸ھ میں ملتان سے شائع ہوئی۔ بہر مگر کے

معروف عالم مولانا مناظر احسن گیلانی اپنے زمانہ طالب علمی کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

’جب شرح عقائد شروع ہوئی تو میرے ایک پنجابی ملتانى استاد مولانا محمد اشرف مرحوم نے شرح عقائد کی ایک گنام شرح کا پتہ دیا اس کا نام نبراس ہے اور اب بھی لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ یہ ملتان ہى کے ایک غیر معروف بزرگ مولانا عبدالعزیز کی تصنیف ہے۔

..... اس کتاب میں عام درسی مذاق سے زیادہ مفید چیزیں ملنے لگیں اور اس کے مطالعہ میں زیادہ لذت ملنے لگی۔ میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ علم کلام کا تصوف کے نظری حصہ سے جو تعلق ہے سب سے پہلے اس کا سراغ مجھے نبراس ہی کے چراغ کی روشنی میں ملا۔ اس میں کتابی الجھنوں سے زیادہ واقعات سے و ما عنوں کو قریب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ کوثر البنی (اصول حدیث) محمد حنی نامی ایک عالم نے اس کی تلخیص ’منتخب کوثر البنی‘ کے نام سے تیار کی ہے جس کے خطی نسخے ملتے ہیں۔

۳۔ انہیہ عن طعن امیر المؤمنین معاد یہ۔

۴۔ انوار جالیہ (رسالہ جالیہ)۔ عربی، فارسی اور اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

۵۔ ایمان کامل۔ (فارسی۔ منظوم)

۶۔ نعم الوجیز فی اعجاز القرآن العزیز

۷۔ المصام فی اصول تفسیر القرآن

۸۔ سر السماء

۹۔ مرام الکلام فی عقائد الاسلام (فارسی)

۱۰۔ اکسیر اعظم (طب)

۱۱۔ زمر و الطب

۱۲۔ الدر المنون (عربی۔ تعویذات و عملیات)



عبداللہ بن عمرو دبوسی

قاضی ابوزید عبداللہ بن عمرو دبوسی، دبووس کے رہنے والے تھے جو سمرقند اور بخارا کے درمیان ایک قصبہ ہے چنانچہ ۱۰۳۸-۳۹ھ میں فوت ہوئے اور بخارا میں دفن کئے گئے۔

قاضی ابوزید عبداللہ کی حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں۔
۱۔ تاسیس النظر فی اختلاف الائمہ۔

عبدالاول جو پوری مؤلف، "مضید المفتی" نے "علم خلافت" میں اسے پہل کرکٹس قرار دیا ہے۔ آئمہ مجتہدین کے باہم اختلافات بیان کئے گئے ہیں۔

۲۔ کتاب الاسرار

۳۔ تقویم الاولہ

عبداللہ گنگوہی

مولانا عبداللہ گنگوہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے۔ یکبنتی تعلیم کے بعد انگریزی مدرسہ میں پڑھ رہے تھے کہ اُن کا تعارف مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی (م ۱۳۳۲ھ) سے ہوا۔ جو اُن کے محلہ کی مسجد کے ایک حجرے میں رہائش رکھتے تھے۔ مولانا کاندھلوی نے ان کی پابندی ناز اور مسجد سے تعلق کو دیکھتے ہوئے انہیں عربی تعلیم کا شوق دلایا چنانچہ انہوں نے مولانا کاندھلوی سے "میزان الصرف" کا سبق لینا شروع کر دیا۔ یہی اسباق اُن کے عالم و فاضل بننے کا نقطہ آغاز ثابت ہوئے چنانچہ انگریزی مدرسہ کی تعلیم رُک گئی اور وہ علوم اسلامیہ میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔

کتب متداولہ کی تحصیل کے بعد مدرسہ امدادیہ تقانہ عمیون میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ مدرسہ امدادیہ کے زمانہ ملازمت میں انہوں نے مولانا انور علی تقانوی سے علمی و دینی استفادہ کیا۔ مولانا تقانوی مثنوی معتدی کا درس دیتے۔ تھے جس میں مولانا عبداللہ گنگوہی باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔

کچھ عرصہ مدرسہ امدادیہ میں مدرس رہ کر ۲ شوال ۱۳۲۷ھ / ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے واپس ہو گئے۔ تقریباً پونے دو سال وہاں فرائض تدریس انجام دے کر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء کو بیماری اور ضعف طبیعت کی بنیاد پر مستعفی ہو گئے۔ اُن کے قائم مقام طہر احمد تقانوی (م ۱۳۹۲ھ) ہوئے جو اُن کے خصوصی شاگرد تھے۔

مولانا عبداللہ کو اپنے استاد گرامی مولانا محمد یحییٰ سے بڑی محبت تھی۔ چنانچہ مدرسہ

مظاہر العلوم سے علیحدگی کے بعد کا ندھلہ چلے گئے اور وہیں مدرسہ عربیہ سے منسلک رہے۔ آخر ۱۵۔ رجب ۱۳۳۹ھ/۲۶ مارچ ۱۹۲۱ء کو کا ندھلہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے

مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی تھے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

مولوی محمد یحییٰ صاحب کی وفات کے بعد اپنے اسٹاڈنٹ زادہ مولوی محمد زکریا صاحب

سے مولوی صاحب کو محبت بڑھ گئی تھی اور باوجود عمر میں بڑے ہونے

کے ان کا احترام فرمانے لگے تھے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ مولوی زکریا صاحب

میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر بتاؤ۔ خواب یہ ہے کہ آسمان

سے ایک بڑا انار گرا اور زمین پر گرتے ہی اس کے سب دانے جدا جدا

ہو گئے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب تشریف رکھتے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ بھائی! ا

اس انار میں ایک دانہ میرا بھی ہے۔ یہ خواب سنا کر تعبیر کا تقاضا کیا اور

جب مولوی زکریا صاحب نے بار بار یہی جواب دیا کہ مجھے تعبیر دینا نہیں

آتی تو فرمایا۔ اچھا میں تعبیر بتاؤں، کہ وہ دانہ میں ہوں اور میں تو آخر

مولوی صاحب کا ہوں ہی۔ اور یہ بشارت ہے میری موت اور پھر

معفرت کی چنانچہ چند ماہ بعد اسی سال مولانا کا وصال ہو گیا۔

مولانا عبداللہ گنگوہی نے مولانا رشید احمد گنگوہی کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی

تھی۔ ان کی رحلت کے بعد تجدید بیعت مولانا خلیل احمد مبارکدنی (۱۳۲۶ھ)

کے ہاتھ پر کی۔ مولانا مدنی نے ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں انہیں اجازت بیعت سے سرفراز کیا۔

مولانا عبداللہ گنگوہی بڑے کامیاب مدرس تھے۔ ان کے سینکڑوں افراد نے

استقاوہ کیا۔ ان کے نامور شاگردوں میں مولانا شبیر علی (برادر زادہ مولانا تقاویٰ)

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ شامل ہیں۔

مولانا گنگوہی کی تدریس کے بارے میں مولانا ظفر احمد عثمانی (تھانوی) نے لکھا ہے۔
 مولانا پڑھاتے کم تھے۔ اجرائے قواعد زیادہ کراتے تھے۔ مجھے یاد ہے
 کہ نحو میر پڑھنے کے زمانے میں ایک دوست کو خط لکھا تو اس میں
 ایک عربی شعر بھی خود بنا کر لکھا تھا۔

اَنَا مَا رَأَيْتُكَ مِنْ زَمَانٍ
 فَادْخِلْ قَلْبِي فِي الشَّجَرِ

حضرت حکیم الامت (مولانا تھانوی) نے یہ دیکھ لیا تو ایک طاہرہ ریبہ
 کیا کہ ابھی سے شاعری؟ — مگر استاد سے فرمایا کہ میں نے لظفر کو
 سزا تو دی کہ یہ وقت شعر و شاعری کا نہیں مگر آپ کے طرزِ تعلیم سے خوشی
 ہوئی کہ نحو میر پڑھنے کے زمانے میں اس کو صحیح عربی لکھنا آگئی۔

مولانا عبداللہ گنگوہی صاحب تلم بھی تھے۔ اُن سے حسب ذیل تالیفات یادگار ہیں۔
 ۱۔ اکمال الشیم۔

شیخ احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطا اللہ (م ۱۰۷۹ھ) نے ایک کتاب "الحکم" کے
 نام سے لکھی۔ "الحکم" کے مضامین ابواب میں منقسم نہ تھے۔ شیخ علی متقی (م ۱۰۷۵ھ)
 نے اسے مرتب کیا اور "تبویب الحکم" نام رکھا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا خلیل احمد
 مہاجر مدنی (م ۱۳۲۶ھ) نے کیا اور اسے "اقام النعم" کے نام سے موسوم کیا۔ اسی اردو
 ترجمہ "اقام النعم" کی اردو شرح "اکمال الشیم" ہے۔

اکمال الشیم ۱۳۳۸ھ میں تالیف ہوئی اور چند بار ڈیور پبلیسٹی سے آراستہ ہوئی ہے۔

۲۔ تبییر المبتدی۔ قواعد زبان پر ابتدائی رسالہ ہے جو مدرسہ امدادیہ تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں

تالیف کیا تھا (۳) تبییر المنطق (۴) تسہیل النحو۔ ترجمہ نحو میر

علی الجارم

علی بن صالح بن عبدالفتاح الجارم۔ جو علی الجارم کے مختصر نام سے معروف ہیں۔
مصر کے ایک مقام رشید میں ۱۲۹۹ھ/۸۲-۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے قاہرہ
میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۲۶ھ میں فارس تحصیل ہوئے۔ اس کے بعد اعلیٰ تربیت کے لئے
انگلستان چلے گئے چار سال بعد وطن واپس آئے اور دارالعلوم قاہرہ میں مدرس ہو گئے۔ نعت اور
ادب سے گہری دلچسپی تھی۔ مختلف انجمنوں سے وابستہ رہے۔ الجمع اللغوی اور الجمع العلمی العربی کے
رکن تھے۔

علی الجارم ایک انشا پرداز، شاعر لغوی اور صاحب علم و فضل شخصیت تھے۔ ۱۳۶۸ھ/
۱۹۴۹ء میں فوت ہوئے۔ علی الجارم کی حسب ذیل تالیفات ہیں۔

- | | |
|---------------------------------|---|
| ۱۔ خاتمہ المطاف | ۲۔ سیدة القصور |
| ۳۔ دیوان الجارم (چار جلدیں) | ۴۔ العرب فی اسبانيا |
| ۵۔ مزاح العربیہ | ۶۔ الشاعر الطوح |
| ۷۔ شاعر ملک | ۸۔ فاوۃ رشید |
| ۹۔ ہاتھ لاندس | ۱۰۔ فارس بن حمدان |
| ۱۱۔ شرح الکافات | ۱۲۔ ادب الاسلام |
| ۱۳۔ تصویح و تفسیر کتاب البخلاء | ۱۴۔ علم النفس و آثارہ فی التربیتہ تعلیم |
| ۱۵۔ تہذیب مکتب الفوی فی التلخیص | |
| ۱۶۔ الخواص | ۱۷۔ البلاغۃ الواضح |

مالک بن انس

امام دارالہجرتہ ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک بن عامر معتز روایت کے مطابق ۵۹۳ھ / ۱۲-۱۱ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے بزرگوں کا اصل وطن یمن تھا مگر ان کے پردادا ابو عامر نقل مکان کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے اور وہی پہلے فرد تھے جنہوں نے اس خاندان میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔

امام مالک نے قرآن مجید کی قرأت مدینہ کے امام القراء نافع بن عبد الرحمن سے کی۔ حدیث کی تعلیم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فیض یافتہ غلام حضرت نافع ام ۱۱۷ھ سے حاصل کی۔ بارہ برس اُن کی خدمت میں رہے تھے۔ حضرت نافع کے علاوہ دوسرے شیوخ حدیث سے بھی استفادہ کیا مگر طلب علم کی خاطر مدینہ منورہ سے باہر نہ گئے یہی سبب ہے کہ "موطا" میں اُن صحابہ کرامؓ سے بہت کم روایت ملتی ہیں جو مدینہ منورہ سے باہر رہے۔

امام مالک اپنے شیخ حضرت نافع کی رحلت پر مسند درس پر بیٹھے اور ۶۲ سال نشر و اشاعت حدیث میں مصروف رہے۔ اربع الاولیٰ ۱۷۹ھ / ۴ جون ۷۹۵ء کو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن ہو گئے۔

امام مالک کی کئی کتابوں کا ذکر ملتا ہے مگر ان میں سب سے زیادہ اہم "موطا" ہے۔ امام موصوف نے اس کتاب کی تالیف عباسی خلیفہ ابو جعفر منصورؒ کے فرمائش پر شروع کی تھی مگر اس سے پہلے کہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچتی۔ خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔ موطا امام مالک میں ۱۷۲۵ء احادیث ہیں۔

”موظا“ کے معنی — رونا ہوا، نرم اور آسان بنا یا ہوا، تیار کیا ہوا۔ آتے ہیں اور اس کتاب کے بارے میں یہ تمام معانی بطور استعارہ مراد لئے جاسکتے ہیں۔

موظا امام مالک کی بیسیوں شرحیں لکھی گئی ہیں۔ شارحین میں مالکی علماء کے علاوہ دوسرے مکاتب فکر کے اہل علم بھی شامل ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ نے موظا کی فارسی شرح مصفیٰ اور عربی میں موسیٰ کے نام سے لکھی ہے۔ مولانا محمد زکریا صاحب نے چھ ضخیم جلدوں میں موظا کی شرح ”ادجز المسالک الی موظا مالک“ لکھی ہے جس میں متقدمین کی شرحوں کا خلاصہ آگیا ہے۔ ان کے علاوہ مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا اشفاق الرحمنؒ کے حواشی قابل ذکر ہیں۔



محمد بن حسن شیبانی

امام ابو عبد اللہ محمد بن حسن بن فرقہ ۱۳۲ھ/۵۰-۷۴۹ء میں واسط (عراق) میں پیدا ہوئے۔ اصلاً حرسہ (نزد دمشق) کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد فرج میں ملازم تھے۔ وہ بنو شیبان کے مولیٰ تھے۔ اس لیے شیبانی کی صفت نسبتی سے مشہور ہوئے۔ امام محمد شیبانی نے کوفہ میں نشوونما پائی اور امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ اٹھارہ سال کے تھے کہ امام ابو حنیفہ کا انتقال ہو گیا چنانچہ فقہ حنفی کی تکمیل امام ابو حنیفہ کے شاگرد و رشید امام ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) سے کی۔ اُن کے علاوہ امام سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) اور امام مالک (م ۱۷۹ھ) سے بھی علمی و فقہی استفادہ کیا۔

امام محمد بن یارون الرشید کے عہد میں عہدہ قضا پر فائز رہے۔ آخری زمانہ عمر میں کسے کے قاضی تھے۔ فرائض منصبی کے ساتھ درس و تدریس کی محفل سجائے رکھی اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ تدوین فقہ کی طرف بطور خاص توجہ دی اور حقیقت یہ ہے کہ فقہ حنفی کے مرتب کرنے کا سہرا اُن ہی کے سر ہے۔ فقہ حنفی میں ان کی کتابوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

فقہ حنفی کے طلبہ جانتے ہیں کہ جب "صاحبین" کے حوالے سے کوئی مسئلہ بیان کیا جاتا ہے تو اس کے مصداق امام ابو یوسف اور امام محمد ہوتے ہیں۔ جب "طرفین" کا لفظ آتا ہے تو اس سے امام ابو حنیفہ اور امام محمد مراد لٹے جاتے ہیں۔ شیخین سے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی ذات مراد لی جاتی ہے۔

امام محمد باقرؑ اور جاذبِ نظر شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تحریر و تقریر کا بہترین ملکہ دیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے ۹۹۰ کتابیں تالیف کیں مگر آج اُن کی جو کتابیں دستیاب ہیں وہ تیس سے زائد نہیں ہیں۔ امام مرفوعہ اپنی تالیفات پر بار بار نظر ثانی کرتے رہے۔ اور اس قدر رکھ رکھاؤ کرتے رہے کہ ایک ہی کتاب کے مختلف ایڈیشن مستقل بالذات کتابیں نظر آنے لگیں۔ ان کی تالیفات میں ادبی اور لسانی خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

امام محمدؑ کی حسب ذیل کتابیں ملتی ہیں۔

۱۔ کتاب الميسوط - "الاصل" کے نام سے بھی معروف ہے۔

۲۔ الجامع الكبير ۳۔ الجامع الصغير

۴۔ السير الكبير ۵۔ السير الصغير

۶۔ الزيادات - کتاب الميسوط کا تتمہ و تکملہ ہے۔

۷۔ زيادات الزيادات - یہ کتاب الزيادات کے ضمیمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

۸۔ کتاب الموطا روایت از امام مالک

۹۔ کتاب الآثار ۱۰۔ کتاب الروعی اہل المدینہ

۱۱۔ الخارج فی الحیل ۱۲۔ کتاب الحج المبینہ

۱۳۔ الامالی / الکیسانیات ۱۴۔ الاکتساب فی الرزق المستطاب

۱۵۔ الاحتجاج علی مالک ۱۶۔ الحجج جانیات

۱۷۔ الرقیات ۱۸۔ العقائد الشیبانیہ

۱۹۔ کتاب الاکراء ۲۰۔ کتاب الشروط

۲۱۔ کتاب مناسک الحج ۲۲۔ کتاب السمعیات

۲۳۔ کتاب الکسب ۲۴۔ البهارونیات

متذکرۃ الصدر کتابوں میں سے اول الذکر چھ کتابیں متونِ ستہ یا ظاہر الروایۃ کے نام سے مشہور ہیں یعنی یہ وہ چھ کتابیں ہیں جو امام محمدؒ سے بروایت ثقات مروی ہیں۔ ان کتب ظاہر الروایۃ کے مندرجات کو چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں ابو الفضل محمد بن محمد بن احمد المرزبی المعروف بہ الحاکم الشہید نے اپنی تالیف "المکافی" میں یکجا کیا اور مکرر روایات کو حذف کر دیا۔

"کتاب الآثار" بھی فقہ حنفی کی اہم کتابوں میں سے ہے۔ "الروعی اہل المدینہ" کو امام شافعی (م ۲۰۴ھ) نے اپنی کتاب الام میں نقل کیا ہے اور اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ امام محمد شیبانی کی متذکرۃ الصدر کتابوں میں سے پہلی چودہ طبع ہو چکی ہیں۔ امام محمد شیبانی سے ایک زمانے نے فیض پایا۔ ان کے نامور شاگردوں میں امام شافعی اور ابو عبید القاسم جیسے فقہا شامل ہیں۔

امام محمد ستاون سال کی عمر میں ہارون الرشید کے دار الخلافہ "رے" میں ۱۸۹ھ/۵-۶ھ میں فوت ہوئے۔ تازہ جازہ ہارون الرشید نے پڑھائی اور جبل طبرک پر دفن کئے گئے۔ اتفاق سے اسی روز امام ابو الحسن علی المعروف بہ کسائی بخومی بھی "رے" میں فوت ہوئے تھے۔ اس موقع پر ہارون الرشید نے باویدہ گریاں کما۔
آج فقہ اور نحو کو ہم نے رے کی زمین میں دفن کر دیا ہے۔



۱۰ امام تذکرۃ نگار امام محمد بن حسن شیبانی کا سال وفات ہی لکھتے ہیں۔ کسی نے تاریخ نہیں لکھی۔ ڈاکٹر محمد عیاد الشافعی

نے کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد کی ایک خطی کتاب "عرائس نامہ" (یا عرائس نامہ) کے حوالے سے امام کی وفات۔

۱۴- جمادی الاخریٰ ۱۸۹ھ بروز شنبہ لکھی ہے۔ "دماہنامہ معارف" (اعظم گڑھ) جلد ۱۰۳ ص ۴۴۷

محمد بن سعید بوسیری

ابو عبد اللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بن حنیم شوال ۶۰۸ھ / ۷ مارچ ۱۲۱۳ء کو مصر کے ایک قریہ دولاس میں پیدا ہوئے۔ وہ مشہور بربر قبیلے 'صنہا' جن سے تعلق رکھتے تھے، مقام ولادت کی نسبت سے 'دولاسی' اور قبیلے کے لحاظ سے 'صنہاچی' مشہور ہوئے اور جب بعد میں مصر کے ایک دوسرے مقام بوسیر میں سکونت اختیار کر لی تو بوسیری کی صفت نسبتی نے باقی نسبتوں کو ماند کر دیا۔

محمد بن سعید نے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ ان کے شیوخ حدیث اور علمی ترقیوں کی تفصیل معلوم نہیں ہے تاہم ان کے شہرہ آفاق قصیدہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حدیث، سیرت و مغازی اور علم کلام پر عبور رکھتے تھے۔ اسی طرح معانی و بیان اور زبان کی نزاکتوں سے آگاہ تھے۔

امام بوسیری فن خطاطی کے ماہر تھے اور خوشنویسی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ ایک عرصہ مصر کے شہر بلبیس میں مقیم رہے۔ وزیر زین الدین یعقوب بن زبیر سے بحیثیت خوشنویس وابستہ تھے۔ وزیر موصوف کی شان میں انہوں نے چند قصائد بھی لکھے ہیں۔ بوسیری کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ انہوں نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ مختلف درباروں میں ضائع کیا ہے۔ خود کہتے ہیں:

حَدَّمْتُهٖ بِمَدِينَةِ بَيْحِ اسْتَمَلِ بِهٖ
ذُووَبِ عَمِيْرٍ كَفَلِي فِي السُّعُوْرِ وَالْعَدَامِ

میں نے بعض تذکرہ نگاروں نے ان کی جانے پیدائش 'ابن سنا' لکھی ہے۔

امام بوسیریؒ نے جس زمانے میں زندگی گزاری وہ سیاسی طور پر طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کا زمانہ تھا۔ خلافت بغداد کی شان و شوکت رو بہ زوال تھی اور آخر ۶۴۵ھ / ۲۵۸ء میں منگولوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ان حوصلہ شکن حالات میں بوسیری نے درباری زندگی کو خیر یاد کہا۔ پہلے بیت المقدس گئے اور دس سال وہاں رہے۔ یہاں سے ارض حجاز روانہ ہو گئے۔ مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مقیم رہے۔

امام بوسیریؒ صوفی صافی تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے مشہور بزرگ ابوالعباس احمد المرسی (م ۵۴۸ھ) سے فیض حاصل کیا تھا۔ آخری زندگی میں اپنے مرشد کے شہر اسکندریہ میں مقیم تھے کہ ۵۶۹ھ یا ۶۹۵ھ / ۶۹۶ھ - ۱۲۹۵ء میں وہیں فوت ہوئے اور فسطاط میں دفنائے گئے۔

امام بوسیریؒ کی دو مشہور معرود نعتیہ قصیدہ "الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ" ہے۔ جو معروف عام میں قصیدہ بردہ مشہور ہے۔ تاہم بوسیری کا مجموعہ کلام دیوان بوسیری شائع ہو چکا ہے۔

قصیدہ بردہ کے بارے میں روایت ہے کہ امام بوسیری یہ قصیدہ لکھنے سے پہلے فالج میں مبتلا تھے۔ انہوں نے کافی علاج کیا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کی خاطر یہ قصیدہ لکھا۔ رات کو سوئے تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ انہوں نے امام بوسیری کو ایک چادر اوڑھادی۔ صبح بیدار ہوئے تو اپنے آپ کو تندرست محسوس کیا۔ اس نسبت سے یہ قصیدہ بردہ مشہور ہوا۔

قصیدہ بردہ کے بعد بھی امام بوسیری نے نعتیہ قصائد لکھے جن میں سے ہمزیہ زیادہ اہم ہے تاہم جو مقبولیت "قصیدہ بردہ" کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسری نعتیہ نظم کو نہ ہوگی الباقی کتابوں کے علاوہ قصیدہ بردہ ان چند اہم اور مقبول کتابوں میں سے ہے جن کی

کثرت سے شرحیں لکھی گئی ہیں۔

قصیدہ بردہ ۱۶۲- اشعار کا میمہ قصیدہ ہے جس میں مدح رسول کے ساتھ استغفار اور مناجات کے اشعار ہیں۔ قصیدہ بردہ کے بارے میں سلفی عالم مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم نے لکھا ہے۔

”بوصیری کا مشہور قصیدہ بردہ ہے۔ بلاشبہ اس میں کہیں کہیں مقام نبوت سے تجاوز ہو گیا ہے لیکن اس کا ہر شعر درد و سوز سے بھرا ہوا ہے۔ راقم اپنی وہابیت کے باوجود اسے پڑھتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے“

ایک دوسرے ندوی عالم مولانا محمد ناظم صاحب لکھتے ہیں :-
”بوصیری کا یہ قصیدہ... عشق رسول میں ایک لاثانی شہرت رکھتا ہے اس میں سوز عشق ہے۔ دردِ دل ہے۔ اس میں ہجر و فراق کے واردات ہیں۔ اس میں نفسِ انسانی کے مکائد کا ذکر ہے۔ فطرتِ انسانی میں جو عیساں کی طرف میلان ہے اس کا بیان ہے۔ اس میں نفسِ امارہ کی پنہاں شرارتوں اور فریب کاریوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں حکیمانہ اشعار ہیں جن میں حکمت کے موتی اور وعظ و پنہ کے بیت سے بول ہیں۔ بعض اشعار ضرب الامثال کے طور پر مستعمل ہیں۔ دردِ دروں، سوزِ عشق اور رسولِ کریم سے وابہانہ عشق و اخلاص نے قصیدہ کی زبان کو بے حد مؤثر بنا دیا ہے اپنے موضوع پر یہ قصیدہ ایک لاثانی شاہکار ہے زبان کی سلاست، بیان کی شیرینی، ترکیب کی چستی، بندش کی ہم آہنگی اور فنِ بدیع و جناس کے اتباع کی وجہ سے یہ قصیدہ عربی زبان کے بہترین قصائد میں شمار کیا جاتا ہے۔“

مشاق احمد چر تھا ولی

مولانا مشاق احمد چر تھا ولی ضلع مظفرنگر بھارت کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے درسی کتب مولانا نظام الدین کیرانوی سے پڑھیں۔ بعد میں اجمیر گئے اور وہیں سے سندھ فیصلت حاصل کی۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد تدریس و تعلیم سے منسلک ہوئے دہلی میں عملی زندگی کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ بعد احمد آباد چلے گئے۔ وہاں سے رنگون اور پھر دہلی آگئے۔ آخر میں مستقلاً دیوبند منتقل ہو گئے اور تصنیفی زندگی شروع کی۔ اشاعت الادب کے نام سے ایک کتب خانے کی بنیاد رکھی جو خوب پھلا پھولا۔ ۱۹۵۲ء/۲-۱۳۴۱ء میں دیوبند میں فوت ہوئے۔

مولانا مشاق احمد کی تالیفات میں فارسی اور عربی زبان کے آسان نصاب نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ ان نصابوں کی تفصیل یہ ہے۔

عربی نصاب

- عربی کا آسان قاعدہ
- علم الصرف (چار حصے)
- علم النحویع ترکیب اردو
- عوامل النحر
- عربی گفتگو نامہ
- عربی صغوة المعاد

فارسی نصاب

فارسی زبان کا آسان قاعدہ

فارسی بول چال

لطائف فارسی

صنعت و نحو فارسی

ان کے علاوہ چند کتابچے مثلاً سرسید کا اسلام، کالج کا اسلام اور فسادِ عبرت
ان کی یادگار ہیں۔



یحییٰ بن آدم القرشی

ابو ذکیا یحییٰ بن آدم بن سلیمان بن قزیش سے تعلق دلا رکھتے تھے اور اسی نسبت کے سبب قرشی مشہور ہوئے۔ اُن کی تاریخ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ اُن کے شیوخ حدیث میں سے ایک مسعربن کلام ہیں جو ۱۵۲ھ میں فوت ہوئے تھے۔ اگر یہ قیاس کیا جائے کہ یحییٰ بن آدم نے رطکین کی حدود سے نکل کر اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تو یحییٰ بن آدم کا سال ولادت ۱۳۵ھ اور ۱۴۰ھ کے درمیان ہوگا۔ یحییٰ بن آدم علم و فضل میں بلند مرتبے کے حامل تھے۔ قرآن و حدیث اور فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے قرآن اسماعیل بن عیاش اور حمزہ بن حبیب الزبائی سے کی تھی جو اپنے دور کے ماہرین فن میں شمار ہوتے تھے خصوصاً حمزہ بن حبیب الزبائی تو قراء بعد میں شامل ہیں۔ اُن کے شیوخ حدیث میں مسعربن کلام کے ساتھ اُطربن خلیفہ سفیان ثوری، یونس بن اسحاق، فضیل بن عیاض، وکیع بن الجراح، عیسیٰ بن طہمان اور بہت سے دوسرے اہل علم کے نام ملتے ہیں۔ یحییٰ بن آدم تبع تابعین میں سے ہیں کہ انہیں عیسیٰ بن طہمان جیسے تابعی سے شرفِ صحبت حاصل تھا۔

تمام تذکرہ نگاروں نے اُن کے علم و فضل اور ثقاہت و عدالت کا ذکر کیا ہے انہوں نے عہد عباسی کے پانچ حکمرانوں - ابو جعفر منصور، مہدی، ہادی، ہارون، امین اور مامون کا زمانہ تھا لیکن وہ حکومت کے مناسب سے دُور رہے اور عمر بھر تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں مشغول رہ کر ۱۵۰ھ بیع الاولیٰ ۳-۲۰/۲۰ ستمبر ۹۱۰ء کو رقم الصلح کے مقام پر فوت ہوئے۔ مامون کے وزیر حسن بن سہل نے نمازِ جنازہ پڑھا ہستی۔

یحییٰ بن آدم کے ان گنت تلامذہ میں یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابو بکر بن ابی شیبہ اور عثمان بن ابی شیبہ جیسے اہل علم شامل ہیں۔ یحییٰ بن آدم کی تصنیفات میں سے مندرجہ ذیل تین کتابوں کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے۔

۱۔ کتاب الفرائض

۲۔ کتاب الخراج

۳۔ کتاب الزوال

لیکن ان میں سے صرف کتاب الخراج دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہی ہے۔ خراج کے موضوع پر کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ابن ندیم اور حاجی خلیفہ چلپی نے بیس سے زائد کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ کتاب الخراج کے نام سے تین مؤلفین۔ امام ابو یوسف، یحییٰ بن آدم اور قدامہ بن جعفر کی کتابوں کو مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

یحییٰ بن آدم کی کتاب الخراج اپنے طرز کی منفرد کتاب ہے انہوں نے ۱۷۳ عنوانات کے تحت خراج اور اس کے متعلقات پر احادیث و آثار یکجا کئے ہیں۔

”کتاب الخراج“ پہلی مرتبہ ۱۸۹۶ء/۱۳۱۴ھ میں جوتنبول (W. JUYNBOLL) کی تعلیقات کے ساتھ لیڈن سے شائع ہوئی۔ اس کے بعد احمد شاکر مرحوم کی تصحیح و تنقیح سے ۱۹۲۹ء میں قاہرہ سے چھپی۔ پاکستان میں ریاض الحسن زوری کے مزید اضافات سے مکتبہ العلمیہ لاہور نے شائع کی ہے۔

کتابیات

کتاب

بیروت	خیر الدین زرکلی	الاعلام ج ۴۰۲
ادارہ اشرفیہ پاکستان کراچی (۱۳۴۹ھ)	عبد اللہ گنگوہی	اکمال الشیم
مجلس صیانتہ المسلمین لاہور (۱۳۸۸ھ)	ظفر احمد عثمانی	انوار النظر فی آثار النظر
علمی کتاب خانہ لاہور (س۔ن)	فضل احمد عارف	انوار بژدہ
کتابخانہ اشاعت العلوم سہارنپور (۱۳۶۶ھ)	محمد زکیا سہارنپوری	تاریخ مظاہر
مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ (۱۳۸۹ھ)	محمد عاشق الہی میرٹھی	تذکرۃ الخلیل
مکتبہ رحمانیہ لاہور (۱۹۸۰ء)	اختر راہی	تذکرہ علمائے پنجاب
مطبع منشی نوکشور۔ لکھنؤ	فقیر محمد جہلمی	صدائق الخلفیہ
مکتبہ سلفیہ۔ لاہور	ابوزہرہ / ترجمہ غلام احمد حوری	حیات امام ابوحنیفہؒ
مکتبہ اسلام۔ لکھنؤ۔ (س۔ن)	محمد ثانی حسنی ندوی	حیات خلیل
مکتبہ سلفیہ لاہور (۱۹۷۱ء)	ابوزہرہ /	حیات شیخ الاسلام امام
	ترجمہ رئیس احمد جعفری	ابن تیمیہ
مکتبہ الشرق۔ کراچی	سید سلیمان ندوی	حیات مالک
دانش گاہ پنجاب لاہور	-	دائرہ معارف اسلامیہ
مکتبہ اردو لاہور (س۔ن)	ڈاکٹر غلام جیلانی برقی	سوانح ابن تیمیہ
مرکزی مجلس رضا۔ لاہور (۱۹۷۲ء)	ظفر الدین بہاری	المجل المتحدون لیتنا المجد

مطبع معارف! اعظم گڑھ (س.ن.)

دہلی (۱۹۵۸ء)

لکھنؤ (۱۳۲۶ھ)

محمد عمران خان

رفعت رضا کمالہ

عبدالاول جوہری

مشاہیر اعلیٰ علم کی محسن کتابیں

معجم المولین

مغیہ المفتی

رسائل

ضیاء (سرگودھا بابت ۱۹۷۷ء)

معارف (اعظم گڑھ) جلد ۱۰۳